حقوق الطبع محفوظة

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ

اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِی اَهْلَبَیْتِی

شیعانِ آلِ محمد خصوصاً واعظین و مبلغین کے لیے نادر و نایاب تحفہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۷)

المجلد السابع من تفسیر

انوار النجف فی اسرار المصحف

مصنفہ

حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش صاحب قبلہ جاڑا بانی و سرپرست جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا

ناشر مکتبہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

انصار پریس سرگودھا

maablib.org

نذرِ عقیدت

بخدمتِ عالی جناب حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش صاحب مدظلہ العالی مؤلف تفسیر انوار النجف

زندہ باد اے منبر اسلام کے فاضل خطیب — واعظِ شیریں بیاں اے مسلکِ حق کے نقیب

مرحبا اے ملتِ اسلام کے خدمت گزار — خدمتِ قرآن کی توفیق بھی تیرے نصیب

اجتہادِ امرِ حق میں عزم تیرا پائدار — کوششیں سب بارآور ذہن بھی تیرا مصیب

تو نے کی اس دور میں نصرت کلام اللہ کی — ہو رہی ہے جس میں دنیا اہل باطل کے قریب

آشکارا ہو گیا ہے مسلک آلِ رسولؐ — تو نے ظاہر کر دیے اسرارِ مصحف کیا عجیب

چھپ گئی ہے جب سے یہ تفسیر انوار النجف — سر بخم اہل تعصب سرنگوں اہلِ صلیب

بدعت و الحاد، کفر و زندقہ ہیں شرمسار — فکرمند ہے ہر مشکک سوچتا ہے ہر غریب

پاک ہے افراط اور تفریط سے ساری کتاب — راہ وسطےٰ پر مؤلف گامزن ہے اے حبیب

طرزِ استدلال میں اصلا نہیں کوئی کلام — غور سے پڑھ لے سمجھ لے سوچ لے تو اے مجیب

اور بھی موجود ہیں دنیا میں تفسیریں ہزار — پر نہیں اُردو زباں میں یوں کوئی حق کے قریب

دار دنیا میں جنہوں نے کی اشاعت دین کی — اپنے مولا سے ملے گا اجر ان کو عنقریب

اہل دنیا کیا سمجھ سکتے ہیں توقیر علوم — قدر زر زرگر بداند قدر دانش بس لبیب

ایں دُعا نزدِ خدائے لم یزل منظور باد
اے مؤلف تا ابد ایں کارِ تو مشکور باد

نتیجۂ فکر سیّد منظور حسین بخاری مدیر اعزازی المبلغ سرگودھا

maablib.org

★ تحفہ برائے ایصال ثواب ★
یہ کتاب مرحوم اکبر علی اے پیتھابھائی
کی ایصال ثواب کیلئے تحفہ ہے لہذا قارئین سے گزارش ہے
کہ ایک سورۃ فاتحہ سے مرحوم کی روح کو شاد فرمائیں
وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ — 1-5-1977

معذرت

قارئین کرام پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ گذشتہ سال ماہ ستمبر میں جب کہ بھارت نے پاکستان پر اچانک حملہ کر دیا تھا اور ملک بھر میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا اس ناگفتہ صورتِ حال کے پیشِ نظر جہاں بڑے بڑے کاروباری لوگ متاثر ہوئے وہاں تفسیر انوار النجف کی ساتویں جلد بھی اسی افراتفری کی وجہ سے سردِ تعویق میں پڑ گئی حالات کے رو باصلاح ہوتے ہی کام شروع کر دیا گیا لیکن باوجود انتہائی کوشش کے ہم اس کو حسبِ سابق بروقت شائع نہ کر سکے لہٰذا تقریباً دو سال کے وقفہ سے تفسیر کی چھٹی جلد کے بعد اب ساتویں جلد منظرِ عام پر قارئین کرام کے پیش خدمت ہے ہمیں اس تاخیر کا بے حد صدمہ ہے لیکن عذر قابلِ قبول ہے اُمید ہے قارئین کرام اس کو دامنِ عفو میں جگہ دیتے ہوئے اپنی علم دوستی کو برقرار رکھیں گے۔ اور اپنے حلقۂ اثر میں اس کی توسیع اشاعت کر کے ہمت افزائی فرمائیں گے تاکہ مالی کمزوری آٹھویں جلد کی فوری اشاعت میں سدِّ راہ نہ ہو سکے۔

(ادارہ)

★ تحفہ برائے ایصال ثواب ★
یہ کتاب مرحوم اکبر علی اے پیتھابھائی
کی ایصال ثواب کیلئے تحفہ ہے لہذا قارئین سے گزارش ہے
کہ ایک سورۃ فاتحہ سے مرحوم کی روح کو شاد فرمائیں
وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ — 1-5-1977

فہرست

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ	نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ	نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱	سورہ براۃ کے فضائل	۶	۲۶	جنگ حنین	۳۱	۵۱	منافقوں کا کردار	۶۹
۲	بسم اللہ کا جزو سورہ نہ ہونا	۷	۲۷	نجاست مشرکین	۳۶	۵۲	رکوع ع۱۴	
۳	موضوع سورہ براۃ	۷	۲۸	رازی کی تحقیق	۳۶	۵۳	زکوٰۃ کا بیان	۷۳
۴	شان نزول	۸	۲۹	نجاسات	۳۸	۵۴	زکوٰۃ کے متعلق احادیث	۷۶
۵	نتائج	۱۰	۳۰	اہل کتاب کا حکم	۳۸	۵۵	شرائط وجوب زکوٰۃ	۷۷
۶	دلیل خلافت	۱۱	۳۱	رکوع ع۱۱	۴۰	۵۶	اونٹ کی زکوٰۃ	۷۸
۷	فضل بن روزبہان کا تعصب	۱۲	۳۲	رسالتمآبؐ کا چار قوموں کے علماء سے مناظرہ	۴۰	۵۷	گائے بھینس کی زکوٰۃ	۷۹
۸	روایات بطریق اہل بیتؑ	۱۴	۳۳	حضرت قائم آل محمدؐ	۴۳	۵۸	بھیڑ بکری کی زکوٰۃ	۸۰
۹	نظر و فکر	۱۶	۳۴	مال جمع کرنے والے	۴۴	۵۹	سونے چاندی کی زکوٰۃ	۸۱
۱۰	اذان علی کا نام ہے	۱۷	۳۵	بارہ مہینے	۴۵	۶۰	غلہ کی زکوٰۃ	۸۱
۱۱	رکوع ع۸	۱۹	۳۶	تاویل آیت	۴۷	۶۱	نصاب زکوٰۃ غلہ	۸۲
۱۲	ناکثین	۲۰	۳۷	نسئی کا معنی	۴۸	۶۲	مستحقین زکوٰۃ	۸۳
۱۳	قاسطین	۲۱	۳۸	رکوع ع۱۲	۴۹	۶۳	مستحقین کے اوصاف	۸۵
۱۴	رکوع ع۹ تعمیر مساجد	۲۲	۳۹	قوموں کی ترقی کا راز	۵۰	۶۴	زکوٰۃ کا بہترین مصرف	۸۶
۱۵	احکام مساجد	۲۳	۴۰	ہجرت کا بیان	۵۰	۶۵	اسرار و رموز	۸۶
۱۶	مساجد میں مراتب کا فرق	۲۴	۴۱	غار ثور کا محل وقوع	۵۳	۶۶	ایذاء رسول	۸۸
۱۷	مسجد کوفہ	۲۴	۴۲	نکات علمیہ	۵۴	۶۷	خاتون کی ناراضگی کی تاویل کا جواب	۸۹
۱۸	مسجد سہلہ، مسجد خیف، مسجد براثا	۲۵	۴۳	آیت غار سے فضائل کا استنباط	۵۵	۶۸	منافقوں کی چالیں	۹۱
۱۹	بیت المقدس، مسجد نبوی	۲۶	۴۴	نتیجہ	۶۲	۶۹	رکوع ع۱۵	
۲۰	مسجد کو جانا	۲۶	۴۵	تائید ملائکہ	۶۳	۷۰	منافقوں کی نشانیاں	۹۲
۲۱	مسجد سے کنارہ کشی	۲۷	۴۶	کلمۃ اللہ کی بلندی	۶۴	۷۱	علامات مومن	۹۵
۲۲	آداب مسجد	۲۸	۴۷	دوران جنگ میں پاکستان	۶۵	۷۲	رکوع ع۱۶	
۲۳	حضرت علیؑ کی فضیلت	۲۹	۴۸	عوامی تاثرات	۶۶	۷۳	منافقوں سے جہاد کا حکم	۹۶
۲۴	دلیل خلافت	۳۰	۴۹	رکوع ع۱۳	۶۸	۷۴	ثعلبہ کا واقعہ	۹۸
۲۵	رکوع ع۱۰	۳۱	۵۰	مصلحت جہاد	۶۸	۷۵	مومن و منافق کا جنازہ	۱۰۳

MAAB 1431
maablib.org

۷۶	رکوع ع۱۸	۱۰۴
۷۷	پارہ ۱۱	
۷۸	رکوع ع۱	۱۰۶
۷۹	قصہ تبوک	۱۰۷
۸۰	علیؑ مثل ہارون ہے	۱۰۸
۸۱	حضرت ابوذر کا قصہ	۱۰۹
۸۲	اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ کُفۡرًا	۱۱۲
۸۳	اَلسَّابِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ	۱۱۳
۸۴	سابق کون لوگ ہیں	۱۱۴
۸۵	رازی کی منطق	۱۱۶
۸۶	ابوطالب اور خدیجہ کی قربانی	۱۱۷
۸۷	ساتھ جانے اور بستر پر سونے والے میں فرق	۱۱۸
۸۸	علی سابق الایمان ہے	۱۱۹
۸۹	ایمان والوں کے تین گروہ	۱۲۱
۹۰	آلِ رسول پر ظلم	۱۲۲
۹۱	منافقین و مذبذبین	۱۲۵
۹۲	وجوب زکوٰۃ	۱۲۶
۹۳	آئمہ شاہد اعمال ہیں	۱۲۷
۹۴	مسجد ضرار	۱۲۹
۹۵	رکوع ع۳	
۹۶	مومن کے لیے جنت	۱۳۱
۹۷	مشرک کے لیے دعا کرنا	۱۳۲
۹۸	رکوع ع۴	
۹۹	صادقین کے ساتھ ہونا	۱۳۴
۱۰۰	رازی کے قول کا رد	۱۳۶
۱۰۱	آیت نفر	۱۳۹
۱۰۲	اجتہاد و تقلید	۱۴۰
۱۰۳	رکوع ع۵	۱۴۰
۱۰۴	سلامتی کا ورد	۱۴۳

۱۰۵	سورہ یونس	۱۴۴
۱۰۶	رکوع ع۶	
۱۰۷	ضرورت نبی	۱۴۵
۱۰۸	دلائل بر وجود خدا	۱۴۶
۱۰۹	مفتی جعفر حسین قبلہ کی تحقیق	۱۴۸
۱۱۰	مہینوں اور سالوں کا تعین	۱۴۸
۱۱۱	رکوع ع۸	۱۵۴
۱۱۲	رکوع ع۸	۱۵۹
۱۱۳	رکوع ع۹ توحید	۱۶۳
۱۱۴	رکوع ع۱۰	۱۶۸
۱۱۵	نفع و نقصان کا مالک اللہ ہے	۱۷۰
۱۱۶	رکوع ع۱۱	۱۷۱
۱۱۷	قرآن روحانی جسمانی بیماریوں کا علاج ہے	۱۷۱
۱۱۸	درد سینہ کے لیے	۱۷۲
۱۱۹	رکوع ع۱۲	۱۷۴
۱۲۰	مرنے والے کے سرہانے علیؑ	۱۷۵
۱۲۱	رکوع ع۱۳	۱۷۷
۱۲۲	حضرت نوح کا ذکر	۱۷۷
۱۲۳	حضرت موسے کا ذکر	۱۷۹
۱۲۴	رکوع ع۱۴	۱۸۸
۱۲۵	حقوق والدین	۱۸۳
۱۲۶	فرعون کی غرقابی	۱۸۴
۱۲۷	رکوع ع۱۵	۱۸۶
۱۲۸	حضرت یونس کا ذکر	۱۸۷
۱۲۹	رکوع ع۱۶ اتمام حجت	۱۹۰
۱۳۰	سورہ یونسؑ کا نچوڑ	۱۹۱
۱۳۱	سورہ ہود کے فضائل	۱۹۲
۱۳۲	رکوع ع۱۷ محکم و مفصل	۱۹۳
۱۳۳	پارہ ع۱۲	۱۹۴

۱۳۴	رکوع ع۱ اللہ رازق ہے	۱۹۵
۱۳۵	آسمان و زمین کی خلقت	۱۹۶
۱۳۶	امت کے معانی	۱۹۸
۱۳۷	رکوع ع۲ صبر و شکر	۱۹۸
۱۳۸	پیغام ولایت	۲۰۰
۱۳۹	مومن کا انجام	۲۰۱
۱۴۰	بینہ اور شاہد	۲۰۳
۱۴۱	شاہد سے مراد علیؑ ہے	۲۰۴
۱۴۲	اشہاد سے مراد	۲۰۶
۱۴۳	رکوع ع۳ حضرت نوحؑ کا ذکر	۲۰۸
۱۴۴	نور و بشر	۲۰۹
۱۴۵	افکار و رموز	۲۱۲
۱۴۶	نصرت اور شفاعت میں فرق	۲۱۳
۱۴۷	رکوع ع۴	۲۱۵
۱۴۸	کشتی نوح	۲۱۶
۱۴۹	اہل کی تحقیق	۲۱۷
۱۵۰	مسجد کوفہ کے فضائل	۲۲۰
۱۵۱	تنور کی تحقیق	۲۲۰
۱۵۲	بیٹے کے لیے دعا کی وجہ	۲۲۳
۱۵۳	نبی کی عصمت	۲۲۳
۱۵۴	علم غیب	۲۲۴
۱۵۵	رکوع ع۵ حضرت ہود کا ذکر	۲۲۵
۱۵۶	رکوع ع۶ حضرت صالح کا ذکر	۲۲۸
۱۵۷	رکوع ع۷ حضرت ابراہیم کا ذکر	۲۳۰
۱۵۸	بشارت	۲۳۰
۱۵۹	انوار لطیفہ	۲۳۲
۱۶۰	حضرت لوط کا ذکر	۲۳۴
۱۶۱	بنات کا معنی	۲۳۴
۱۶۲	رکوع ع۸	
۱۶۳	حضرت شعیب کا ذکر	۲۳۷
۱۶۴	رکوع ع۹ حضرت موسیٰ کا ذکر	۲۴۰
۱۶۵	سعید و شقی	۲۴۲
۱۶۶	رکوع ع۱۰	۲۴۳
۱۶۷	نماز کے اوقات	۲۴۵
۱۶۸	نماز کے فضائل	۲۴۶
۱۶۹	انسانی اختلاف کی وجوہ	۲۴۹
۱۷۰	مسئلہ علم غیب	۲۵۱
۱۷۱	دور حاضر میں علماء اعلام کے خلاف ہنگامہ	۲۵۴

سورۃ البرائۃ

یہ سورہ مدنیہ ہے اور اس کی کل آیات ایک سو انتیس (۱۲۹) ہیں۔ یہ سورہ سنہ ۹ھ میں نازل ہوا۔ اس کے خواص و فضائل یہ ہیں۔

(۱) جو شخص اس سورۃ کی تلاوت کرے گا بروز قیامت نفاق سے بری ہو کر اُٹھے گا

(۲) جو شخص اس کو لکھ کر اپنے عمامہ یا ٹوپی میں رکھے تو جہاں بھی ہو گا چوروں سے محفوظ رہے گا۔ اور اس کو جہاں بھی دیکھیں گے۔ چور اس سے کنارہ کر جائیں گے۔

(۳) اگر آگ پورے محلے کو گھیرے تب بھی — اس کے مکان کے قریب نہ جائے گی۔

(۴) کوئی دشمن اس پہ کارگر نہ ہو گا، جب تک یہ اس کے پاس لکھی ہوئی رہے گی۔ (برہان عن خواص القرآن۔

(۵) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سورہ الانفال اور سورہ البراۃ ایک ہیں (برہان)

(۶) تفسیر ثعلبی سے بروایت عائشہ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ قرآن آیت آیت اور حرف حرف نازل ہوا ہے سوائے سورہ برائت اور توحید کے۔ کہ یہ یکجا نازل ہوئے اور ان کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے اُترے۔

maablib.org

بسم اللہ کا جزو سورہ نہ ہونا

تفسیر مجمع البیان میں حضرت علی علیہ السلام سے اس کی وجہ یہ منقول ہے کہ سورہ براۃ کے اوّل میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں اتری کیونکہ بسم اللہ امان اور رحمت کے لئے ہے۔ اور براۃ رفع امان کے لئے ہے۔

حضرت امیرؑ کا یہ فرمانا کہ بسم اللہ اس سورہ کے اوّل میں نہیں اتری یہ جواب ہے ایک سوال کا کہ اس سورہ کے اوّل میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی پڑھی جاتی۔ یعنی قرآن مجید کی باقی سورتوں کے اوائل میں بسم اللہ کا ہونا تبرک یا ذاتی تصرف کے ماتحت نہیں۔ بلکہ مصلحت و حکمت پروردگار کے ماتحت بن سورتوں کے اوائل میں نازل ہوئی وہاں لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ کیونکہ جزو سورہ ہے۔ اور جہاں نہیں نازل ہوئی وہاں نہ لکھی جاتی ہے نہ پڑھی جاتی ہے۔ اور چونکہ اس سورہ کے اوّل میں نہیں اتری لہٰذا ترک کی گئی ہے۔ اور یہی دلیل قاطع ہے اس امر کی کہ بسم اللہ ہر سورہ کی جزو ہے سوائے سورہ براۃ کے اس کے بعد حضرت امیر علیہ السلام نے اس کی علت و وجہ بیان فرمائی کہ چونکہ بسم اللہ امان و رحمت کے لئے ہوا کرتی ہے۔ اور اس سورہ کا مضمون رفع امان ہے۔ لہٰذا شروع میں بسم اللہ نہیں اتاری گئی۔ تو اس پر سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ قرآن مجید میں کئی اور سورتیں بھی ایسی ہیں جن میں عذاب خداوندی کا تذکرہ ہے۔ اور کافروں سے بیزاری کا ذکر ہے۔ مثلاً سورہ معارج سورہ غاشیہ اور سورہ کافرون وغیرہ پھر ان سورتوں کے اوّل میں بسم اللہ کیوں نازل کی گئی۔ تو اس کا جواب ہے کہ یہ مصلحت و حکمت پروردگار ہے۔ اور حضرت امیر علیہ السلام نے من جملہ دیگر مصالح و حکم کے ایک مصلحت کا نام لے لیا اور اس مصلحت کے لیے ضروری نہیں کہ حکم کے لئے علت تامہ کی حیثیت رکھتی ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور وجہ بھی ہو جن کی بناء پر یہ سورہ خصوصی امتیاز کا حامل قرار دیا گیا ہو۔ اور من جملہ وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کو یہ یقین ہو جائے کہ بسم اللہ کا باقی سورتوں کے اوائل میں ہونا صرف تبرک نہیں۔ بلکہ حکمت تنزیل کے ماتحت ہے۔ جس کو خود اللہ بہتر جانتا ہے۔ اس کی مزید تحقیق تفسیر ہذا کی دوسری جلد میں گذر چکی ہے۔ اس سورہ مجیدہ کا نام برأت بھی ہے اور توبہ بھی اور ان کے علاوہ اس سورہ کے آٹھ نام اور بھی ہیں۔

موضوع سورہ

قرآن مجید کی تمام سورتوں میں سے اس سورہ کا نام بھی نرالا ہے۔ اور اس کا موضوع بھی نرالا ہے اور وہ ہے برأت یعنی بیزاری اور دوسرے لفظوں میں اس کو تبرّی کہتے ہیں جو غلط عام تبرّا استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے اس سورہ کے نام اور موضوع نے یہ ثابت کر دیا کہ برأت یا تبرّا کوئی گالی گلوچ نہیں۔ ورنہ قرآن مجید جو بالعموم سب اور گالی سے منع فرماتا ہے۔ اس میں تبرّی یا برأت کا ذکر تک نہ ہوتا چہ جائیکہ ایک سورہ کا عنوان بیان ہی تبرّی ہو حتیٰ کہ اس کا نام بھی برأت رکھ دیا جائے۔ اور خداوند حکیم نے اس سورہ کے اندر جو تفصیلات بیان فرمائیں ان سے تو صاف ہو گیا کہ برأت کا معنی گالی نہیں ہے۔ بلکہ جو قوم عقائد حقہ اور اعمال صحیحہ سے دور ہو۔ ان سے اہل ایمان کو برأت یعنی بیزاری کرنی چاہیئے۔ اور لطف یہ کہ قرآن مجید کے تمام سورتوں میں سے کسی سورہ کا نام مودت یا محبت یا ولا یا تولّا نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ برأت اور ولایت یا تبرّی و تولّی جسے غلط عام استعمال میں تبرا و تولا کہتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ ایک کے ذکر سے دوسرا خود بخود سمجھا جاتا ہے۔ جس سے برأت ہو گی اس کی ضد یا نقیض سے محبت ہو گی۔ اور جس سے محبت ہو گی اس کے مخالف پہلو سے برأت اور نفرت ہو گی۔ اسی سورہ مبارکہ میں مشرکوں اور کافروں سے برأت کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب صحیح یہ ہے کہ خدا اور رسول اور ان کے ماننے والوں یعنی مومنوں سے محبت واجب ہے۔ اسی بنا پر جب ایک سورہ کا نام برأت ہو گیا تو ولایت نامی دوسرا سورہ

تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ یہی سورہ برأت مفہوم مخالف کے اعتبار سے سورہ ولایت بھی ہو سکتی ہے۔ اب سمجھنے کے قابل یہ بات ہے کہ برأت منفی پہلو ہے۔ اور ولایت مثبت پہلو ہے۔ اس سورہ میں منفی پہلو کو عنوان بیان قرار دیا گیا ہے اور اسی منفی پہلو کی مناسبت سے سورہ کا نام بھی رکھا گیا حالانکہ مثبت پہلو کو پیش پیش ہونا چاہیئے تھا۔

اس کا جواب اور حل یہ ہے کہ یہاں پر دو مقام ہیں ایک مقامِ اعتقاد اور دوسرا مقام عمل۔ پس جہاں تک مقام عمل کا تعلق ہے وہاں صرف مثبت پہلو کو ہی معرض ظہور اور منصۂ شہود پر لانے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ جس سے منفی پہلو خود بخود مضمحل اور نیست و نابود رہتا ہے۔ لیکن جہاں تک اظہار عقیدہ کا تعلق ہے وہاں منفی پہلو کے اعلان کو زیادہ وقعت و اہمیّت دی جایا کرتی ہے۔ اگرچہ دل و دماغ میں وجود صرف مثبت کا ہی ہوتا ہے لیکن اقرار لسانی میں پیش پیش ذکر منفی ہوا کرتا ہے۔ اور کلمہ توحید اس کا بیّن گواہ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برأت کے ذکر کو ولایت کے ذکر سے مقامِ اعلان میں اہمیت دی گئی۔

ہو سکتا ہے کہ بعض ایسے لوگ جو منافقانہ رویّہ کے ماتحت یا ظاہری رواداری اور ملنساری کے روابط کے پیش نظر ادھر خدا اور رسول کی محبّت کا دم بھرتے ہوں اور اُدھر کفار و مشرکین سے بھی میل جول رکھتے ہوں تو کھرے کو کھرا اور کھوٹے کو کھوٹا ظاہر کرنے کے لئے اعلان برأت کی ضرورت ہوئی تاکہ اپنے اپنے ہو جائیں اور بیگانے بیگانے رہیں۔ پس جو لوگ ادھر بھی محبت رکھتے ہیں اور اُدھر بھی محبت رکھتے ہیں اب ایک طرف ہو جائیں گے یا خالص ادھر آجائیں گے یا صاف اُدھر ہو جائیں گے۔ نیز جو لوگ نہ اِدھر تھے نہ اُدھر تھے اب ان کو بھی اِدھر یا اُدھر ہو جانا پڑے گا۔ اور یہ مطلب صرف اقرار ولایت سے نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اعلانِ برأت سے ہی ہو سکتا تھا۔ تاکہ دونوں فریقین سے ایک جیسا تعلق رکھنے والے درمیان میں لٹکے نہ رہیں۔ بلکہ اعلانیہ طور پر ایک کنارے لگ جائیں۔

لطیفہ میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے۔ کہ معصوم ایک دفعہ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ ایک شخص وہاں بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ آپ نے اُس کو سلام کہا اور اس نے جواب سلام دیا پھر دوبارہ تشریف لے گئے تو ایک شخص کچھ پڑھ رہا تھا۔ آپ اس کے پاس سے گذر گئے اور اس کو سلام نہ دیا۔ لوگوں نے دریافت کیا حضور اس کی وجہ کیا ہے کہ پہلے شخص کو سلام دیا اور دوسرے کو سلام نہیں دیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ پہلا شخص محمدؐ و آل محمدؐ پر درود پڑھ رہا تھا۔ اس لئے میں نے اس کو سلام دیا۔ لیکن دوسرا محمدؐ و آل محمدؐ کے دشمنوں سے برأت کا ورد کر رہا تھا۔ اس لئے میں نے اس کو سلام نہیں دیا تاکہ اس کے ذکر خیر میں رکاوٹ نہ ہو۔

بہرکیف سورہ براۃ میں خدا اور رسول کے دشمنوں سے بیزاری کا اعلان ہے۔ اگرچہ کفار قریش اور مشرکین مکہ ہی وقت نزول اس کے مصداق تنزیلی تھے۔ لیکن چونکہ آیات کلام اللہ تا قیامت باقی اور زندہ ہیں۔ لہٰذا ان کے تاویلی مصداق باقی ہیں۔ اور تا قیامت باقی رہیں گے۔ اور تا قیامت اہلِ ایماں کو ان سے برأت کرنی واجب ہے۔ پس جن لوگوں کا عقیدہ خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے مطالب کے خلاف ہو یا جن کے اعمال و کردار اسلامی ہدایات کے منافی یا خلاف ہوں۔ ان سے برأت کرنا اور نفرت کرنا ہر مؤمن کا فرض ہے۔ اور وہ لوگ انہی آیات کے تاویلی مصداق ہو سکتے ہیں۔

شانِ نزول: مفسرین اور محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جب سورہ برأت نازل ہوئی تو حضرت رسالتمآبؐ نے اہلِ مکہ کو حکم،

خداوندی سنانے کے لئے حضرت ابوبکر کو مامور فرمایا اور پھر ان کو اس عہدہ جلیلہ سے معزول کر کے حضرت علیؑ کو متعین فرمایا۔ اس کی تفصیل میں الفاظ روایات میں قدرے اختلاف ہے۔ لیکن مقصد سب کا ایک ہے۔ کہ حضور نے ابوبکر کو روانہ فرمایا کہ سورہ برأت کی دس آیتیں ان کے سامنے جا کر پڑھے۔ اور اُن کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو منسوخ کر دے۔ اور پھر حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا کہ حضرت ابوبکر سے عہدہ لے کر خود جائے چنانچہ حضرت علیؑ جناب رسالتمآبؐ کی مخصوص سواری ناقہ عضباء پر سوار ہو کر تیزی سے روانہ ہوئے اور مقام ذو الحلیفہ یا عرج یا ضجنان یا جحفہ پر اُن کو جا ملے اور ان کو اپنی معزولی کا مژدہ سنا کر اپنے عہدہ کا چارج سنبھالا اور آگے روانہ ہوئے۔ کہتے ہیں حضرت ابوبکر واپس آئے اور خدمتِ نبوی میں پہنچ کر عرض کی کہ حضور کیا میرے حق میں کوئی سرزنش کی قسم کی آیت تو نہیں اتری آپ نے فرمایا نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ لیکن یہ اعلان چونکہ میری طرف سے ہے لہٰذا اس کو میں نے ہی پہنچانا ہے یا میری جانب سے صرف وہی پہنچا سکتا ہے جو مجھ سے ہو۔ روایت کے لفظ یہ ہیں۔ لَا یُؤَدِّی عَنِّی اِلَّا اَنَا اَوْ رَجُلٌ مِنِّی۔ اور یہ روایت اکابر صحابہ سے مروی ہے۔

(۱) حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام۔ جب جناب رسالتمآبؐ پر سورہ برأت کی دس آیتیں اتریں تو آپ نے ابوبکر کو بلایا تاکہ اہل مکہ پر پڑھے پھر مجھے بلایا اور فرمایا جلدی سے جاؤ ابوبکر کو جس مقام پر ملو اس سے کتاب لے لو اور خود جا کر اہل مکہ کو سناؤ پس میں مقام جحفہ پر جا ملا اور ان سے کتاب لے لی ابوبکر واپس آئے اور عرض کی یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کچھ اُترا ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ بلکہ جبریل پہنچا ہے اور اس نے اطلاع دی ہے کہ آپ خود پہنچائیں۔ یا وہ شخص پہنچائے جو تجھ سے ہو۔ درمنثور ج ۳ صـ ۲۰۹ کنز العمال۔ ج ۱ صـ ۲۴۷ مسند احمد ج ۱ صـ ۱۵۱ تفسیر شوکانی ج ۲ صـ ۳۱۹۔ تاریخ ابن کثیر ج ۵ صـ ۳۸ و ج ۷ صـ ۳۵۷ عینی شرح بخاری ج ۸ صـ ۶۳۷ خصائص نسائی صـ ۲ میں ہے کہ ابوبکر غمگین واپس آئے اور پوچھا کہ کیا میرے بارے میں کچھ اُترا ہے تو آپ نے فرمایا۔ نہیں لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ یا خود پہنچاؤں یا وہ شخص پہنچائے جو میری اہل بیت سے ہو۔

(۲) حضرت ابوبکر:۔ جناب رسالتمآبؐ نے برأت دیکر ان کو اہل مکہ کی طرف روانہ کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ اور کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے گا۔ اور جنت میں صرف مسلمان ہی جائے گا۔ اور جس جس کا جناب رسولخداؐ کے ساتھ عہد و پیمان ہے تو وہ اپنی مدت تک رہے گا۔ اور اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں۔ پھر تین روز کے بعد حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا کہ ابوبکر کو واپس بھیج دو اور خود برأت کا اعلان پہنچاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تو ابوبکر نے خدمت نبوی میں پہنچ کر رو دیا اور عرض کی حضور کیا مجھ سے کچھ صادر ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں تم سے کچھ صادر نہیں ہوا۔ لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ خود پہنچاؤں یا وہ پہنچائے جو مجھ سے ہو۔ مسند احمد ج ۱ صـ ۳ کنز العمال ج ۱ صـ ۲۴۶ کفایہ گنجی صـ ۱۲۵ تاریخ ابن کثیر ج ۷ صـ ۳۵۷

(۳) ابن عباس:۔ کہ جناب رسالتمآبؐ نے ابوبکر کو بھیجا کہ اہل مکہ میں مندرجہ بالا اعلان کرے پھر علیؑ کو پیچھے روانہ کیا۔ ابوبکر نے راستہ میں ایک مقام پر پیچھے سے جناب رسالتمآبؐ کی ناقہ قصواء کی آواز سنی تو گھبرا گیا کہ شاید حضور خود ہی تشریف لا رہے ہیں۔ پس حضرت علیؑ پہنچے اور ابوبکر سے جناب رسولخداؐ کا نوشتہ لے لیا اور جا کر اہل مکہ کو سنایا۔ الحدیث جامع ترمذی ج ۲ صـ ۱۳۵ سنن بیہقی ج ۹ صـ ۲۲۴ مناقب خوارزمی صـ ۹۹ مطالب السئول ابن طلحہ صـ ۱۷ تفسیر شوکانی ج ۲ صـ ۳۱۹

(۴) انس بن مالک:۔ کہ جناب رسالتمآبؐ نے ابوبکر کو برأت دی کہ اہل مکہ کو پہنچائے۔ لیکن پھر اُن کو واپس بلا لیا اور فرمایا کہ یہ اور کوئی نہیں

پہنچا سکتا۔ مگر وہ جو میری اہل سے ہو۔ پس علیؑ کو بلایا اور ان کو یہ عہدہ تفویض کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب ابوبکر ذوالحلیفہ پہ پہنچ گئے تو حضرتؐ علی کو مامور فرمایا کہ اس کو نہ پہنچائے۔ مگر میں خود یا وہ جو میری اہل بیت سے ہو۔ مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۲ و ص ۲۸۳ ترمذی ج ۲ ص ۱۳۵ خصائص نسائی ص ۲۰ تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۳۸ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۳ قسطلانی شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۱۳۶ فتح الباری ج ۸ ص ۲۵۶ عینی ج ۸ ص ۶۳۷ درمنثور ج ۳ ص ۲۰۹ وغیر ذالک

(۵) ابو سعید خدری :۔ حضورؐ نے برأت دے کر ابوبکر کو روانہ کیا پھر علی کو بلا کر فرمایا کہ اس کو یا میں پہنچاؤں۔ یا تم پہنچاؤ۔ پس اپنی ناقہ عضباء پہ سوار کر کے روانہ کیا اور راستہ میں انہوں نے ابوبکر سے وہ عہدہ سنبھال لیا۔ پس ابوبکر کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں میرے بارے میں کچھ اُترا نہ ہو تو خدمت نبوی میں آکر عرض کی کہ حضورؐ : کیا بات ہے۔ الحدیث درمنثور ج ۳ ص ۲۰۹ روح المعانی ج ص ۲۶۸ وغیر ذلک

(۶) ابو رافع :۔ حضرتؐ نے ابوبکر کو بھیجا تو بعد میں جبریل نازل ہُوا۔ کہ یا خود پہنچاؤ یا وہ پہنچائے جو تجھ سے ہو پس حضرتؐ نے علیؑ کو روانہ فرمایا۔ جنہوں نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ابوبکر سے اپنا عہدہ سنبھال لیا۔ فتح الباری ج ۸ ص ۲۵۶ درمنثور ج ۳ ص ۲۱۰

(۷) سعد بن ابی وقاص :۔ حضورؐ نے ابوبکر کو بھیجا اور بعد میں علی نے بحکم رسول ابوبکر سے عہدہ لے لیا۔ تو ابوبکر غمگین ہوئے جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا اس کو ادا نہیں کر سکتا مگر میں یا وہ جو مجھ سے ہو۔ خصائص نسائی ص ۲۰ درمنثور ج ۳ ص ۲۰۹ وغیر ذلک۔

اور ابن عباس نے حارث بن مالک سے روایت کی ہے کہ میں نے مکہ میں سعد بن ابی وقاص سے ملاقات کی اور پوچھا کہ تو نے علی کی کوئی فضیلت سُنی ہے۔ تو سعد نے جواب دیا کہ میں حضرت علی کی چار فضیلتوں کا شاہد ہوں۔ کہ اگر ان میں سے میرے لئے ایک بھی ہوتی تو میں پوری دُنیا کی حکومت سے افضل سمجھتا۔ جبکہ حضرت نوحؑ کے برابر عمر بھی دی جاتی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضورؐ نے ابوبکر کو برأت دے کر مشرکین مکہ کی طرف روانہ کیا وہ ایک دن رات کا سفر کر چکا تو علی کو فرمایا کہ ابوبکر کو جا کر ملو اور ان سے وہ لے لو اور خود جا کر پہنچاؤ اور ابوبکر کو واپس میری طرف بھیج دو۔ پس ابوبکر روتا ہوا واپس آیا اور عرض کی یا رسول اللہؐ کیا میرے بارے میں کچھ اترا ہے؟ تو آپ نے فرمایا، نہیں۔ بلکہ اچھائی ہے ہاں میری طرف سے نہیں پہنچا سکتا۔ مگر میں خود یا وہ جو مجھ سے ہو۔ یا وہ جو میری اہل بیت سے ہو۔

(۸) ابوہریرہ (۹) عبداللہ بن عمر (۱۰) حبشی بن جنادہ (۱۱) عمران بن حصین (۱۲) ابوذر غفاری (۱۳) جابر بن عبداللہ۔ ان سے بھی کتب صحاح میں اسی مضمون کی احادیث باختلاف الفاظ مروی ہیں۔ تفصیلی بحث الغدیر ج ۶ ص ۳۳۸۔ ص ۳۵۰۔ بہر کیف اگر کسی حدیث کو متواتر کہا جا سکتا ہے تو حدیث برأت یقیناً متواترات میں سے ہے۔ تیرہ اہل سنت کے علمائے اعلام نے اپنی معتبر تصانیف میں اس حدیث کو تیرہ اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے اگرچہ جزوی طور پر اختلاف ہے کہ حضرت علیؑ مقام ضجنان میں یا عرج میں یا ذوالحلیفہ میں یا جحفہ میں جا کر ابوبکر سے ملے اور عہدہ ان سے واپس لیا ہر کیف اس میں شک نہیں کہ حضرتؐ نے پہلے ابوبکر کو بھیجا تھا۔ اور وحی کے اترنے کے بعد حضرت علی کو بھیج کر ابوبکر کو اس عہدہ سے معزول کیا گیا۔

اس حدیث سے چند نتائج نکلتے ہیں جو ارباب بصیرت کے لئے غور و فکر کا محل ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر سے اس عہدہ کا چارج واپس لیا گیا۔ اور ان کو معزول کر کے واپس بلا لیا گیا۔

(۲) عہدہ کی اہمیت اس امر سے خوب واضح ہے کہ یا اس کو رسول خود پہنچائے یا وہ پہنچائے جو رسول سے ہو یا رسول کی اہل بیت سے ہو

(۳) عہدہ تبلیغ برأت کی معزولی سے حضرت ابوبکر کے دل پر صدمہ ہوا اور غمزدہ واپس آئے۔ حتیٰ کہ فرطِ غم سے رو دیا۔

(۴) رسول کا کسی کو اپنے عہدہ سے معزول کرنا وحی کی آمد اور اللہ کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے۔

(۵) اگر حضرت ابوبکر تبلیغ برات کے لئے اللہ کے نزدیک موزوں ہوتے تو ان کی بلاوجہ معزولی خلاف عدل قرار پاتی۔

(۶) حضرت ابوبکر کا پوچھنا کہ کیا میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہوئی ہے یا مجھ سے کوئی غلطی صادر ہوئی ہے (باختلاف روایت) اور حضور کا نہیں؛ میں جواب دیکر فرمانا کہ یہ میرا یا میری اہلبیت کا فریضہ ہے۔ یعنی ہم خود ہی اس کے اہل ہیں۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ تم کو اس لئے معزول کیا گیا ہے کہ تم اس کے اہل نہیں ہو۔

(۷) جو شخص دس آیتوں کی تبلیغ کے لئے صرف اہل مکہ کا مبلغ نہیں ہو سکتا تو کل قرآن کی تبلیغ کے لئے کل عالم کا مبلغ کیسے بن سکتا ہے؟

(۸) روایات سے صاف واضح ہے کہ حضرت علیؑ کی تبلیغ میں وہی شان و حیثیت تھی جو خود جناب رسالتمآبؐ کی ہے۔

(۹) حضرتؐ کا اپنی مخصوص سواری پر روانہ کرنا اس امر کی طرف واضح اشارہ ہے کہ جو مقام رسولؐ کے لئے ہے وہ ان کے بعد وہ مقام صرف علیؑ کو ہی زیب دے سکتا ہے۔ چنانچہ یہاں اپنی سواری عطا فرمائی اور شب ہجرت اپنا بستر عنایت فرمایا۔

(۱۰) سعد بن ابی وقاص کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت علیؑ کی فضیلت پر پردہ ڈالنے کے عادی تھے۔ اور اس امر کی کوشش کی جاتی تھی کہ حضرت علیؑ کی منقبت لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچ سکے اور ڈھونڈنے والے صحابۂ رسولؐ سے علیحدگی اور خلوت میں کچھ نہ کچھ پوچھ ہی لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت حارث بن مالک نے ایک ڈھنگ سے سعد بن ابی وقاص سے پوچھ لیا اور یہ فضیلت اتنی واضح تھی کہ سعد بن ابی وقاص کو کہنا پڑا کہ پوری روئے زمین کی حکومت سے یہ فضیلت بہتر ہے۔

حدیث برأت دلیل خلافت

حدیث کے الفاظ پر غور کرنے اور مطلب کی تہ تک پہنچنے کے بعد یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؑ تبلیغ آیات قرآنیہ کے لئے خداوند کریم کی جانب سے نامزد تھے۔ اور ان کی حیثیت خود رسولؐ کی حیثیت تھی تو جب قرآن کے ایک مختصر حصہ کی تبلیغ کے لئے ایک محدود قوم تک و محدود علاقہ میں کوئی شخص ان فٹ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ عقلِ سلیم کیسے تسلیم کرے۔ کہ وہ کل قرآن کا مبلغ ہو۔ اور تمام قوموں اور تمام ملکوں کا خدا کی جانب سے پیشرو ہو۔ پس حضرت علیؑ کی پوزیشن کو واضح کر کے گویا رسولِ اعلیٰ اعلان فرما رہے تھے۔ کہ میری جگہ پر تبلیغ قرآن کے لئے حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی بھی موزوں نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت ابوبکر اس کے اہل نہ تھے۔ تو جناب رسالتمآبؐ نے پہلے ان کا انتخاب کیوں کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف تصویر کا ایک رخ پیش کرنے سے کبھی حقیقت نہیں کھلتی۔ اگر آپ پہلے سے ہی حضرت علیؑ کو بھیج دیتے تو کہنے کو بات رہ جاتی کہ آپ اپنی مرضی سے ہر عہدہ جلیلہ کے لئے حضرت علیؑ کو ہی نامزد فرما لیتے ہیں ورنہ ہم کسی سے کیا کم ہیں؟ جنگِ احد میں جب علیؑ نے لَا فَتیٰ اِلّا عَلِی کا تمغہ پایا تو شاید کسی دل میں اس تمغہ کا لالچ بھی پیدا ہوا ہو۔ پس اس قسم کے شکوک رفع کرنے کی خاطر حضور نے بعض غزوات میں پہلی دفعہ حضرت علیؑ کو نامزد نہ فرمایا جیسا کہ غزوۂ ذات السلاسل کا قصہ تاریخوں میں محفوظ ہے۔ ایک صحابی کو فوج کی کافی جمعیت دے کر روانہ فرمایا جب وہ میدان جنگ سے بھاگ کر واپس آئے تو دوسرے کو علم عطا فرمایا تاکہ دل میں اس کی بھی حسرت نہ رہے۔ جب وہ بھی ناکام

واپس پلٹے توحضرت علیؑ کو روانہ فرمایا اور حضرت علیؑ فتح و کامرانی سے واپس پلٹے تو سورۂ والعادیات کی آیتیں اتریں جن میں پروردگار نے علیؑ کے گھوڑوں کی قسمیں کھائیں ینابیع المودّۃ سے بھی اس واقعہ کو نقل کیا گیا ہے۔ پھر جنگ خندق میں عمرو بن عبدود کے مقابلہ کے لئے صحابہ کو مخاطب فرمایا لیکن کَاَنَّ عَلٰی رُؤسِھِمُ الطَّیْر۔ (گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے تھے) اور بحکایت قرآن بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (سانس حلقوم تک پہنچ گئے تھے) اور آنکھیں خوف سے دھنس گئی تھیں۔ پس حضرت علیؑ نے مردانہ وار اس سے مقابلہ کیا۔ اور سر قلم کر کے خدمت نبوی میں لائے۔ جاتے ہوئے کل ایمان کا لقب لیا۔ بَرَزَ الایمان کلّہ۔ الخ اور پلٹ کر ضَرْبَۃُ علیٍّ یومَ الخندقِ افضلُ مِنْ عبادۃِ الثقلین کا تمغہ پایا۔ ایسے گرانقدر خطابات اور تمغے طبیعتوں کی للچاہٹ کے لئے مہمیز تھے۔ ضرور طبیعتیں اُبھرتی ہوں گی۔ تو حضرت رسالتمآبؐ نے حاصل کرنے والوں کے لئے راستہ کھول دیا اب خیبر کا معرکہ سامنے تھا۔ تو علم فوج ایک صحابی کو دیا تاکہ اس کا دلی ارمان مٹ جائے۔ جب وہ ویسے کے ویسے پلٹے تو دوسرے کو آگے بڑھایا۔ وہ بھی زرد رو ہو کر واپس پلٹے اور کہتے تھے کہ ساتھیوں نے بزدلی کی ساتھی کہتے تھے۔ علمبردار پہلے بھاگ کھڑے ہوئے اور ہم بعد میں میدان سے بھاگے۔ خیر سب کی حقیقت کھل گئی آخری دن حضرت علیؑ نے میدان جیت کر فوج اسلام کا بھرم رکھ لیا۔ اور بفرمان رسالت محب و محبوب خدا کرار و غیر فرار کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

حضرت رسالتمآبؐ جانتے تھے کہ ان مقامات میں علیؑ کے سوا دوسرا کوئی بھی اہل نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ وقت گذر جانے کے بعد کوئی دوسرا اپنی اہلیت کا ڈھنڈورا پیٹتا رہے۔ یہاں تبلیغ آیات برأت کے موقعہ پر بھی حضور کو معلوم تھا کہ حضرت علیؑ ہی اس عہدہ جلیلہ کے اہل ہیں۔ لیکن بعد کی چہ میگوئیوں کا سد باب کرنے کے لئے پہلی دفع حضرت علیؑ کا انتخاب نہ فرمایا بلکہ پہلے حضرت ابوبکر کو نامزد کیا۔ اور پھر بحکم پروردگار اُن کو معزول کر کے حضرت علیؑ کو متعین فرمایا

ان دونوں مقاموں میں فرق یہ ہے کہ مقام جنگ میں جب دوسروں کو علم عنایت فرماتے رہے تو اُن کو راستہ سے واپس نہیں بلوایا بلکہ وہ ناکام پلٹے تو دوسرے کو دیا اور آخر میں حضرت علیؑ کو مامور فرمایا۔ اور اس مقام پر راستے سے بلوالیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مقام جنگ میں بعض مجاہدین کی کمزوری یا پسپائی کا فوراً مرد میدان مجاہد اور جانباز بہادر سے تدارک کیا جاسکتا تھا۔ لیکن مقام تبلیغ میں ایک مبلغ کی ناکامی اُس نازک دور میں پورے اسلامی مشن کی توہین و تذلیل کے مترادف تھی جس کا تدارک صرف زور بازو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ بنا بریں خالق کو گوارا نہ ہوا اور جو اہل نہ سمجھا گیا اس کو فوراً واپس بلوالیا گیا۔ اور اہل کو مامور کر کے بھیج دیا گیا۔

بہر کیف سمجھنے والوں کے لئے یہ مقام تاریخ اسلام میں ایک اہم حقیقت کا حامل ہے۔ اور اس موقع پر فرمان نبوی حضرت علی کی خلافت بلافصل کا غیر مبہم بیان ہے ایک کی برطرفی اور دوسرے کا تعین دونوں کے مراتب و منازل میں زمین و آسمان کے فرق کا ببانگ دل اعلان ہے۔ جس کو حقیقت آشنا کان سن رہے ہیں۔ اور دوررس دماغ قبول کر رہے ہیں۔

علامہ حلّی اعلی اللہ تعالیٰ مقامہ نے اس حدیث کو دلیل خلافت قرار دیا تو فضل بن روز بہان متعصب سیخ پا ہو کر اس کے جواب میں لکھتا ہے۔ ۹ھ میں حضور نے حضرت ابوبکر کو امیر الحاج بنا کر مکہ روانہ فرمایا۔ اور یہ ہدایت کی کہ موسم حج میں سورہ برأۃ کی پہلی آیتیں مشرکین کو سنائیں اور چونکہ حضرت رسالتمآبؐ کا قبائل عرب کے ساتھ عہد و پیمان تھا۔ اس لئے ان کو حکم دیا کہ ان کے عہد و پیمان کی چار ماہ حد مقرر کر دیں۔

جیسے خود ارشاد خداوندی ہے۔ سورہ کی دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ تم زمین میں چار مہینے چل پھر لو۔ اور ابوبکر کو یہ بھی حکم دیا کہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے گا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ جب حضرت ابوبکر روانہ ہو چکے تو حضرت رسالتمآب کی سورہ برأۃ کی تبلیغ کے بارے میں رائے تبدیل ہو گئی کیونکہ اس میں عہد ختم کرنے کا اعلان تھا۔ یا اُن کی چار ماہ تک حد بندی کا حکم تھا اور عرب کسی عہد کو ختم کرنے کے لئے سوائے صاحب عہد یا اس کی قوم کے آدمی کے دوسرے کسی کی بات کو باور نہیں کرتے تھے۔ ابوبکر چونکہ بنی تیم سے تھا پس حضرت علی کو بھیجا۔ اب ابوبکر امیر حج بھی رہا اور دوسرے اعلانات بھی اس کے ذمے تھے۔ جب پیچھے سے حضرت علی پہنچے تو ابوبکر نے پوچھا کیا آپ امیر حج بن کر آئے ہیں تو حضرت علیؑ نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ میں تو عہد و پیمان ختم کرنے کی ڈیوٹی پر مامور ہوں۔ پس دونوں اکٹھے روانہ ہوئے۔ حج سے فارغ ہو کر واپس آئے تو ابوبکر نے پوچھا حضور کیا میرے بارے میں کوئی آیت اُتری تھی آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ چیز یا میں نے پہنچانی تھی یا وہ پہنچاتا جو میری اہلبیت سے ہو۔ اس کے بعد کہتا ہے یہ ہے حقیقت خبر نہ اس میں نص خلافت ہے اور نہ اس میں حضرت ابوبکر کی کوئی تنقیص ہے۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا مجھے جبریل نے بتایا ہے۔ یہ غلط بات ہے۔ اصل حدیث میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ دیکھئے اس ناصبی نے حضرت علیؑ کی دشمنی میں اندھے ہو کر کس قدر حق پر پردہ ڈالنے کی ناپاک سعی لاحاصل کی ہے۔ تمام کتب احادیث سے نقل شدہ روایات کو قطع و برید کر کے ایک نئے سانچے میں ڈھال کر نئی روایت تیار کر لی اور نہایت نڈر ہو کر آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ یہ ہے حقیقت خبر۔ حالانکہ اگر اس حقیقت خبر میں نظر تحقیق ڈالی جائے تو کئی وجوہ سے یہ خبر بے حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

(۱) کتب صحاح اور مسانید معتبرہ میں اس طریق بیان سے قطعاً یہ روایت کہیں نہیں ملتی چنانچہ ہم نے متعدد کتابوں سے یہ روایت نقل کی ہے اور الغدیر میں دیگر متعدد کتب سے اس روایت کے الفاظ منقول ہیں۔ لیکن یہ بیان کسی کتاب میں نہیں ہے۔

(۲) حضرت رسالتمآبؐ کی عمر اس وقت تقریباً ساٹھ برس تھی تو کیا اس لمبی عمر میں حضور کو عربوں کے عادات و اطوار اور طرز و تمدن سے واقفیت حاصل نہ ہو سکی تھی۔ کہ عرب لوگ کسی عہد کی ترمیم یا تنسیخ کے لئے صاحب عہد یا اس کی کسی قریبی کے علاوہ کسی دوسرے کی بات پر باور نہیں کیا کرتے؟ اور پاس بیٹھنے والے بھی سارے عرب تھے کیا عربوں کے اس دستور کا مہاجرین و انصار کو بھی پتہ نہیں تھا؟ اور حضرت ابوبکر جس کو پہلے یہ عہدہ دیا جا رہا تھا۔ وہ بھی عربوں کی خصوصاً مکہ والوں کی اس عادت کو نہیں جانتے تھے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ حضور عربوں کے عمومی دستور کو خوب جانتے تھے۔ لیکن جاننے کی صورت میں پہلی دفعہ معاذاللہ غلط قدم کیوں رکھا؟ کیا خدا نے اس غلطی پر آمادہ کیا۔ یا خود لاپرواہی سے کام لیا؟ اور یہ دونوں صورتیں بھی قابل قبول نہیں۔ علاوہ ازیں مہاجرین و انصار نے جو خود خالص عرب تھے۔ کیوں نہ روکا۔ اور خود حضرت ابوبکر نے یہ عہدہ دیدہ و دانستہ کیوں قبول کر لیا؟

(۳) حضرت علیؑ کی تقرری اگر دستور عرب کے مطابق تھی تو حضرت ابوبکر کو اپنی معزولی پر غم کیوں ہوا۔ اور وہ رونے کیوں لگ گئے۔ اور اُن کو واپس آکر یہ دریافت کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ کہ کیا میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہوئی ہے؟ بلکہ حق تو یہ ہے کہ وہ دستور عرب کے خلاف ایک عہدہ پر مامور تھے۔ جو ان کے لئے معرض خطر تھا۔ پس اُن کی معزولی اُن کے لئے باعث خوشی تھی۔ نہ کہ مقام گریہ۔

(۴) عربوں کا جو قاعدہ بیان کیا ہے۔ قطعاً بے بنیاد ہے۔ صاحب عہد کی طرف سے جو بھی بحیثیت سفیر یا قاصد جائے اسی کا ہی قول معتبر ہوا

کرتا ہے۔ خصوصاً جبکہ حضور کی طرف سے تحریر بھی اُس کے پاس موجود ہو۔

(۵) ان کے کہنے کے مطابق اگر وہ بدستور امیر الحاج رہے۔ تو صرف نسخ عہد کی ڈیوٹی سے سبکدوش کئے جانے پر تشویش اُن کو کیوں لاحق ہوئی؟

(۶) اگر عام عرب دستور کی مطابقت مقصود تھی تو اس کو صاحبان مسانید و صحاح نے حضرت کے فضائل و مناقب میں بلکہ خصوصیات میں کیوں درج کر لیا۔ حتیٰ کہ سعد بن ابی وقاص کو کہنا پڑا کہ حضرت نوح کی عمر کے برابر کی روئے زمین پر حکومت سے بھی یہ افضل اور محبوب تر ہے۔

(۷) روایات منقولہ میں صاف ہے کہ حضرت ابوبکر کو وہاں سے ہی واپس پلٹایا گیا جہاں حضرت علیؑ نے اپنے عہدہ کا چارج لیا اور بعض روایات میں صراحت سے مذکور ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ہدایت کی تھی کہ ابوبکر سے لے کر خود جاؤ اور ان کو واپس بھیج دو۔ چنانچہ وُہ روتے ہُوئے غمگین واپس آئے۔

(۸) روایات میں ہے کہ تنسیخ عہد کے علاوہ باقی اعلانات بھی حضرت علی علیہ السلام نے خود ہی کئے تھے۔ (۱) اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ (۲) بیت اللہ کا طواف کوئی برہنہ نہ کرے گا۔ (۳) جن لوگوں کے عہد کی جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ مدت مقرر ہے وہ اپنی مقررہ مدت تک رہیں گے۔ اور جن کی مدت مقرر نہیں ہے تو اب اس کی مدت چار ماہ تک ہے۔ (۴) جنت میں صرف مؤمن ہی جائیں گے۔۔

کنز العمال ج ۱ صفحہ ۲۴۶ ترمذی شریف۔ سُورہ توبہ۔

بہرکیف ہزار کوشش کر کے حضرت علی کی فضیلت پر پردہ ڈالا جائے۔ لیکن بالآخر حقیقت بے نقاب ہو کر رہتی ہے۔ خدا و رسُول کو علم تھا کہ اس عہدۂ جلیلہ کے لئے سوائے علیؑ کے کوئی دوسرا موزوں نہیں ہے۔ پس پہلے حضرت ابوبکر کو متعین کیا گیا اور جب یہ چرچا عام ہو گیا اور لوگوں میں خبر پھیل گئی تو اس کو معزول کر کے واپس بلا لیا گیا۔ اور حضرت علیؑ کو اس کی جگہ مقرر کیا گیا تاکہ ہر خاص و عام کے ذہن نشین ہو جائے کہ نیابت رسول کے عہدہ کے لئے حضرت ابوبکر موزوں نہیں تھے۔ اور حضرت علیؑ ہی موزوں تھے۔ اور جب جزوی تبلیغ میں حضرت علی کے سوا کوئی دوسرا رسول کی قائم مقامی کا اہل نہیں ہو سکا۔ تو کلی و عمومی تبلیغ کے لئے خدا و رسول اسکو کیسے نامزد کر سکتے ہیں؟ اور ظاہر ہے کہ اگر پہلی مرتبہ ہی حضرت علیؑ کو بھیجا جاتا۔ تو یہ تنبیہ حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

روایت بطریق اہل بیت

تفسیر برہان میں بروایت علیؑ بن ابراہیم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سنہ ۹ھ کو جب جناب رسالتمآبؐ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو یہ آیتیں اُتریں اور حضور نے جب مکہ فتح کیا تو مشرکین کو اس سال حج کرنے سے منع نہیں فرمایا تھا۔ اور عربوں کا دستور تھا۔ کہ جو مکہ میں داخل ہو کر اپنے لباس میں طواف کرتا تھا۔ پھر اس لباس کو صدقہ کر دیتا تھا۔ اور طواف کے بعد اس لباس کا پہننا وہ اچھا نہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا باہر سے آنے والے عاریتہً یا کرایہ پر بھی لباس لے لیا کرتے تھے۔ اور اس میں طواف کر کے مالک کو واپس لوٹا دیا کرتے تھے۔ اور جس کو عاریتہً یا کرایہ پر لباس نہ مل سکتا تھا وہ برہنہ طواف کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک حسین و جمیل نوجوان عورت مکہ میں بغرض طواف پہنچی تو اس کو عاریتہً اور کرایہ پر بھی لباس نہ مل سکا اور اس کو کہا گیا کہ اگر تو نے اپنے لباس میں طواف کیا تو یہ لباس تجھے صدقہ کرنا پڑے گا۔ کہنے لگی میرے پاس کوئی لباس تو ہے نہیں۔ اس کو کیسے صدقہ کر سکتی ہوں۔ پس اُس نے لباس اُتار کر برہنہ طواف کیا۔ اور لوگ گردنیں اُٹھا کر اُس کو دیکھنے لگے۔ تو اُس نے اپنے آگے اور پیچھے پر ہاتھ رکھ لئے اور اس مضمون کا

اس نے شعر بھی پڑھا۔ جب طواف سے فارغ ہوئی تو لوگوں نے اس سے شادی کی خواہش کی لیکن اُس نے صرف ایک بات کہہ کر سب کی امنگوں پر پانی پھیر دیا۔ کہ میں شوہردار ہوں۔

سورہ برأۃ کے نزول سے پیشتر حضور کا یہ دستور تھا کہ خود لڑائی کی ابتدا نہ کرتے تھے۔ بلکہ صرف ان سے جہاد کرتے تھے۔ جو پہل کریں اور سورہ برأۃ میں قتل مشرکین کا عام حکم تھا لیکن حضور نے بعض لوگوں کے ساتھ فتح مکہ کے موقعہ پر معاہدہ کیا تھا اب ان کو چار ماہ کی مدت دی گئی جو دسویں ذوالحجہ سے لے کر دسویں ربیع الثانی تک تھی۔ پس آپ نے سورہ برأت کی آیتیں ابوبکر کو دے کر روانہ فرمایا کہ مقام منیٰ میں لوگوں کو سنائیں جب ابوبکر روانہ ہو چکا تو جبریل نازل ہوا کہ یا آپ خود پہنچائیں یا وہ شخص پہنچائے جو آپ سے ہو پس حضور نے حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ مقام ذوحلیفہ پر حضرت علیؑ نے ابوبکر سے وہ آیات لے لیں اور ابوبکر واپس آگیا۔ اور عرض کی کہ حضور! کیا میرے بارے میں کوئی چیز اتری ہے تو آپ نے فرمایا۔ نہیں: بلکہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں خود پہنچاؤں یا وہ شخص جو مجھ سے ہو۔ پہنچائے۔ بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ فتح مکہ سنہ ۸ھ میں برأت سنہ ۹ھ میں اور حجۃ الوداع سنہ ۱۰ھ میں ہوئی۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے تلوار نیام سے نکال کر اعلان فرمایا کہ آئندہ کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی برہنہ طواف نہ کرے۔ اور جن کے عہد کی مدت مقرر ہے وہ اپنی مدت تک ہوگا۔ اور جن کی مدت مقرر نہیں اب اُس کی مدت چار ماہ ہوگی۔ اس کے بعد اس کا قتل حلال ہوگا۔ صافی۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کس لئے بھیجے گئے تھے۔ تو فرمایا چار چیزوں کے پہنچانے کے لئے (۱) کعبہ میں سوائے مؤمن کے کوئی داخل نہ ہو (۲) بیت اللہ کا طواف عریان ہو کر کوئی نہ کرے۔ (۳) اس سال کے بعد مؤمن و کافر مسجد الحرام میں جمع نہ ہوں گے۔ (۴) جن کے عہد کی مدت مقرر ہے وہی مدت رہے گی اور جس کی مدت مقرر نہیں اس کی چار ماہ مدت ہوگی۔ اور تفسیر برہان میں ہے کہ مشرکین نے جواب دیا کہ ہم تیرے اور تیرے چچا زاد کے عہد سے بیزار ہیں۔ اور اب ہمارے درمیان تلوار و نیزہ چلے گا۔ اور اگر آپ چاہیں تو ہم خود ہی اس کی ابتدا کریں گے۔ تب حضرت علی نے فرمایا کہ ا نتم غیر معجزی اللہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ہو، الخ۔

نظر و فکر

آل محمد کی تنقیص ان کے دشمنوں کا محبوب ترین مشغلہ رہا ہے حتیٰ کہ کسی شخص کی عمومی مقبولیت کا معیار بھی عداوت آل محمد قرار پاگئی پس جس کسی نے آل محمد کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہ علامہ بھی کہلایا پیر و مرشد بھی بنا اور امام کے لقب سے بھی نوازا گیا اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جس جس مقام پر آل محمد کی مدح موجود ہے وہاں سستی شہرت کے خواہشمند اور بڑے بڑے نقاب کے دلدادہ حضرات نے آل محمد پر زیادہ سے زیادہ کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی اور جہاں بھی آل محمد کے اعداء کی تنقیص قرآن مجید میں صراحۃً یا کنایۃً موجود ہے وہاں ان ضمیر فروش ملاؤں نے ان کی تاویلات کر کے کسی نہ کسی طریقہ سے انکو فضائل کا لباس اوڑھانے کی سعی نامسعود کی لیکن بقول شاعر ع نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا ۔۔ فضائل آل محمد کو چھپانا ان لوگوں کے بس کا روگ نہیں ہے بلکہ خود ان ہی لوگوں کے قلم بسا اوقات حق اگلنے پر مجبور ہو جایا کرتے ہیں اور حق بین نگاہیں باطل کے تہ بہ تہ گہرے پردوں کے باوجود حقیقت کا سراغ لگا لیا کرتے ہیں جیسا کہ سورہ برأت کے متعلق وارد شدہ روایات بہانگ دہل اس امر کی شاہد ہیں اور آل محمد کی صداقت کی اس سے زیادہ واضح دلیل اور کیا ہوگی کہ دشمن کا قلم بھی بے بس ہو کر دبے طریقہ سے انکی فضیلت کا اعلان کر جاتا ہے ع والفضل ما شہدت بہ الاعداء

بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ۔ یعنی خدا اور رسُول کا ذمہ مشرکین سے بری ہے۔ اُن جن سے عہد کیا جا چکا ہے۔ تو یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ عہد شکنی کو اس مقام پر کیوں روا رکھا گیا ہے۔ حالانکہ عہد کی وفا واجب ہوا کرتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تین صورتوں میں عہد کا توڑنا جائز ہوا کرتا ہے۔ (۱) جبکہ عہد مشروط ہو۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ ہمارے درمیان عہد اس وقت تک ہے جب تک کہ خدا بذریعہ وحی اس کو اٹھا نہ دے (۲) مشرکین کی جانب سے خیانت اور عہد شکنی کی ابتدا ہو چکی ہو۔ (۳) عہد کی مدت مقرر ہو اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ روایت میں ہے حضور نے مشرکین کے ساتھ عہد مشروط کیا تھا۔ اور نیز یہ بھی مروی ہے کہ مشرکین نے عہد شکنی کی ابتدا کی تھی یا یہ کہ وہ عہد شکنی کا ارادہ رکھتے تھے۔ پس خداوند کریم نے سورہ برأت نازل فرما دی۔

فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ۔ یعنی چار ماہ تک کی مدت یعنی ١٠ ذوالحجہ سے ١٠ ربیع الثانی تک۔ تم زمین میں با امن و امان چلو پھرو۔ اس میعاد کے گذرنے کے بعد مسلمانوں پر تمہارا خون مباح ہو گا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سال حج ١٠ ذوالقعدہ کو تھی اور یہی قربانی کا دن تھا۔ لہٰذا چار ماہ کی مدت ١٠ ربیع الاوّل تک تھی۔ اور دوسرے سال، حجۃ الوداع کے موقع پر ١٠ ذی الحجہ قربانی کا دن مقرر ہُوا۔ (مجمع البیان)

بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَی الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ
بیزاری اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے طرف ان کے جن سے تم نے عہد کیا مشرکین

مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ① فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ
میں سے (کہو کو) پس چل پھر لو زمین میں چار مہینے اور جانو کہ

اَشْھُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ ۙ وَاَنَّ اللّٰہَ
تحقیق تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ کو اور تحقیق اللہ

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ کا مصداق علیؑ ہے۔

(۱) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہاں اذان کا مصداق علی ہے۔ (۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے آسمان پر حضرت کا ایک نام اذان بھی مقرر کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جناب رسالتمآب صلعم کی جانب سے مشرکین مکہ کو برات پہنچائی تھی۔ کہ پہلے حضور نے ابوبکر کو بھیجا تھا۔ تو جبریل نازل ہوا کہ اس کو نہ پہنچائے۔ مگر تو خود یا وہ شخص جو تجھ سے ہو۔ پس حضور نے حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا پس حضرت علی نے راستہ میں ابوبکر سے صحیفہ لے لیا اور مکہ میں گئے تو خدا نے ان کا نام اذان مقرر کیا۔ اور یہ پروردگار کا حضرت علیؑ کو عطیہ ہے۔

(۳) نہروان سے واپسی پر حضرت امیر علیہ السلام نے کوفہ میں خطبہ پڑھا جبکہ آپ کو اطلاع پہنچی کہ معاویہ آپ کو سب کرتا ہے اور عیب جوئی کرتا ہے۔ نیز آپ کے طرفداروں کو قتل کرتا ہے۔ تو آپ نے حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد اپنے بیان میں ارشاد فرمایا انا المؤذن فی الدنیا والاخرۃ۔ میں دنیا و آخرت میں خدا کی جانب سے مؤذن ہوں۔ ایک مقام پر خدا فرماتا ہے۔ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَیْنَھُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۔ یعنی اس دن مؤذن اذان دے گا کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر انا ذلک المؤذن وہ مؤذن میں ہونگا

اور دوسرا ارشاد ہے۔ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ۔ اور یہاں اذان سے مراد میں ہوں۔ علامہ حلیؒ قدس سرہٗ نے اس آیت مجیدہ کو بھی حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کی دلیل قرار دیا ہے۔ اور مسند احمدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ اس اذان سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ اور دلائل الصدق میں درمنثور سے منقول ہے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں حضرت علیؑ کا نام موجود ہے۔ لیکن لوگ جانتے نہیں ہیں

مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ (۲) وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ
رسوا کرنیوالا ہے کافروں کو — اور اطلاع ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو

یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ
بروز حج اکبر کہ تحقیق اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور

وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ
اور اس کا رسول، پس اگر توبہ کرو تو بہتر ہے تمہیں اور اگر منہ پھیرو تو جانو کہ

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
تحقیق تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ کو اور خوش خبری دو کافروں کو

بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (۳) اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ
عذاب دردناک کی مگر جن مشرکین کے ساتھ تم نے عہد کیا اور پھر

یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْهِمْ
انہوں نے نہیں نقصان دیا تم کو کچھ اور نہ مدد کی تمہارے خلاف کسی کی تو پورا کرو ان

عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (۴)
کا عہد اپنی مدت تک تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے ڈرنے والوں کو

حکیم بن حمید راوی حدیث کہتا ہے میں نے دریافت کیا کہ کہاں ہے تو آپ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا فرماتا ہے۔ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ الخ۔ خدا کی قسم اس کے مصداق آپ ہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ خدا کی جانب سے یہ لقب حضرت امیر علیہ السلام کی عظمت شان اور رفعتِ مقام کا واضح معیار ہے۔ پس خدائی احکام کی تبلیغ اور رسول کی نیابت انہی کی ذات والا صفات کے لئے ہی زیبا ہے۔

یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد قربانی کا دن ہے اور اس کے مقابلہ میں حج اصغر سے مراد عمرہ ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ، اس سال چونکہ مسلمانوں اور مشرکوں نے مل کر حج کیا تھا۔ اس لئے وہ دن حج اکبر کا دن کہلایا اور اس کے بعد پھر مشرکین کا بیت الحرام میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔

اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ پہلی برأت سے مراد نقض عہد ہے اور یہاں برأۃ سے مراد دوستانہ تعلقات کا اختتام ہے۔ لہٰذا تکرار لازم نہیں آتا۔

فَاِنْ تُبْتُمْ۔ یعنی مشرکوں کو بتادو کہ اگر توبہ کرلیں اور شرک سے باز آجائیں تو فائدہ میں رہیں گے۔ لیکن اگر اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئیں اور شرک

پڑے رہیں تو وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ گویا یہ بھی دبے لفظوں میں اُن کی تہدید تھی۔ پھر اس کے بعد صاف طور پر فرمادیا۔ کہ ان کو دردناک عذاب کی بشارت دیدو۔

اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ یہ استثناء ہے۔ یعنی ایسے مشرک جن کے ساتھ تمہارا عہد و پیمان ہے۔ اور انہوں نے عہد شکنی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اور نہ تمہارے دشمنوں کے ساتھ مل کر تمہاری ایذا کے درپے ہوئے۔ تو ان کے عہد کو اپنی مدت تک پورا کرو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے عہد و پیمان ختم کردیئے گئے یا چار ماہ کی مدت مقرر کردی گئی ان سے مُراد وہ لوگ ہیں جو پہلے عہد شکنی کیطرف اقدام کر چکے تھے۔ اور مروی ہے کہ بنی کنانہ اور بنی ضمرہ کی قوم کے آدمیوں کے عہد کی مدت ابھی نو ماہ باقی تھی انہوں نے نہ عہد شکنی کی تھی۔ اور نہ مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کی امداد میں حصہ لیا تھا۔ پس حکم ہوکہ ان کا عہد ان کی مدت تک رہنے دیا جائے۔

اَلْاَشْهُرُ الْحُرُمُ یہاں حرمت والے مہینوں سے مراد وہ مدت ہے جو کفار کے عہد و پیمان کی مقرر کی گئی تھی یعنی چار ماہ یعنی اس مدت کے گذر جانے کے بعد کفار کا خون مباح ہے ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور ان کو پکڑلو اور قید کرو اور مسجد الحرام میں آنے سے روکو۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ
پس جب گذر جائیں مہینے حرمت والے تو قتل کرو مشرکوں کو جہاں ان کو پاؤ اور پکڑو ان کو
وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ
اور بند کرو ان کو اور بیٹھو ان کے لیے ہر گھات پر پس اگر توبہ
كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
کریں اور قائم کریں نماز کو اور ادا کریں زکوٰۃ کو
فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵﴾ وَاِنْ اَحَدٌ
تو چھوڑ دو ان کا راستہ تحقیق اللہ غفور رحیم ہے اور اگر کوئی
مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى یَسْمَعَ
مشرک تم سے پناہ لے تو اس کو پناہ دو تاکہ سُنے

وَاقْعُدُوْا لَهُمْ یعنی ہر حیلہ اور ہر طریقہ سے ان کو ذلیل کرو اور ان پر زندگی کا میدان تنگ کردو۔ یہ اس لیے کہ اسلام تمدن انسانی کی راہوں کو ہموار کرنے کے لیے آیا ہے، اور انسانوں میں سے جو بھی اس راہ میں روکاوٹ کا باعث بنے وہ از راہ عقلی واجب القتل ہے جس طرح انسانی اعضا میں سے اگر ایک عضو خراب ہو جائے تو باقی اعضاء کی حفاظت کے پیش نظر بتقاضائے عقل وہ خراب اور موذی عضو کاٹ دینے کے قابل ہوتا ہے اور یہ ظلم نہیں بلکہ دفع ظلم ہے جس پر انسانیت کی بقا کا دار و مدار ہے لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا بلکہ اسلام اپنے مبنی بر صداقت اصولوں کی بنا پر مقبول عام ہوا۔ اور انسانیت کی ناؤ کو ڈبونے کے درپے ہونے والوں کو اس راستہ سے بقوت بازو ہٹا دیا گیا۔

وَاِنۡ اَحَدٌ حضرت امیر علیہ السلام سے ایک مشرک نے سوال کیا تھا کہ یہ بتائیے اگر مدت گذر جائے اور ہم میں سے کسی نے جناب رسولِ خدا سے ملنا ہو تو اس کے لیے بھی عہد ختم ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ خدا نے فرمایا ہے اگر کوئی مشرک تم سے پناہ لے تو اس کو پناہ دو اور قرآن مجید سننے کا اس کو موقع دو۔ پھر با امن اس کو اپنے گھر پہنچاؤ اور یہ امان اس لیے ہے کہ وہ ایمان اور قرآن مجید کو جانتے نہیں ہیں۔ پس اس ایمان کے ذریعے سے ان کو موقع دیا گیا ہے کہ سنیں اور سمجھیں اور راہِ راست پر آئیں۔

رکوع نمبر ۸

کَیۡفَ یَکُوۡنُ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ قبائل بکر میں سے بنو خزیمہ بنو مدلج بنو ضمرہ اور بنو دئل نے قریش کے ساتھ مل کر حدیبیہ کے دن جناب رسالتمآب کے ساتھ عہد و پیمان کیے تھے پس ان عہدوں کو قریش اور بنو دئل نے توڑ دیا تو ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ اللہ و رسول کے نزدیک ان مشرکوں کے عہد کی کیا وقعت ہے جو عہد شکنی میں خود پہل کریں ہاں وہ لوگ جو اپنے عہد پر ثابت ہیں تو تم بھی ان کے لیے ثابت رہو اور عہد شکنی نہ کرو۔ کَیۡفَ وَاِنۡ یعنی ایسے لوگوں کا کیا عہد جو موقعہ کی تاڑ میں ہوں اگر ان کا بس لگے تو تم کو ہر ممکن ایذا دیں گے۔ پھر نہ تمہاری رشتہ داری کا لحاظ کریں گے اور نہ عہد کی پاس کریں گے۔

كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ؑ ﴿۶﴾
کلام خدا کو پھر پہنچاؤ اس کو اس کے امن کی جگہ پر۔ یہ اس لیے کہ وہ نادان قوم ہیں

كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ
کیسے رہ سکتا ہے مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک سوائے ان کے جن کے ساتھ تم نے عہد کیا

عَاهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ ۚ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَـكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
مسجد الحرام کے پاس پس جبتک وہ ثابت ہیں تو تم بھی ثابت رہو ان کے لیے تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے

يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۷﴾ كَيۡفَ وَاِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ لَا يَرۡقُبُوۡا فِيۡكُمۡ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ
ڈرنے والوں کو یہ کیسے ہو؟ حالانکہ وہ اگر غالب آجائیں تم پر تو نہ لحاظ رکھیں گے تمہاری قرابت کا اور

يُرۡضُوۡنَكُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَتَاۡبٰى قُلُوۡبُهُمۡ ۚ وَاَكۡثَرُهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۸﴾ اِشۡتَرَوۡا
نہ عہد کا۔ وہ تم کو راضی کرتے ہیں منہ سے اور نہیں جانتے ان کے دل اور وہ اکثر فاسق ہیں۔ جو خریدتے ہیں اللہ کی

اِلًّا اس کا لغوی معنی قرابت بھی ہے اور اس کا معنی عہد بھی ہوا کرتا ہے چنانچہ یہ الیل سے ماخوذ ہے اور الیل کا معنی ہے چمک۔ اَلَّ یَوُلُّ اَلًّا (چمکنا) اُذُنٌ مُؤَلَّلَۃٌ (تیز کان) اس مقام پر ال کا معنی قرابت ہے کیونکہ اس کے بعد ذِمَّۃً مذکور ہے جس کا معنی عہد ہے اور بعضوں نے ال کا معنی ہمسائیگی بھی کیا ہے نیز بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ خداوند کریم کے ناموں سے ایک نام ہے۔

اَکۡثَرُہُمۡ فَاسِقُوۡنَ۔ کافر سب کے سب فاسق ہوا کرتے ہیں اس جگہ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں۔ جو عہد و پیمان کی کوئی قدر نہیں کرتے بلکہ بے وفا اور غدار ہوتے ہیں۔

ثَمَنًا قَلِیۡلًا کہتے ہیں ابوسفیان نے عرب کی ایک قوم کو کھانے کی دعوت دی تھی تاکہ ان کے دلوں میں نبی علیہ السلام کی عداوت

راسخ ہو پس اسی کے متعلق فرماتا ہے کہ آیاتِ الٰہیہ کے بدلہ میں وہ معمولی منافع دنیا وہ خرید کر لیتے ہیں۔
لَا یَرْقُبُوْنَ۔ اس کا مادہ رقبہ ہے۔ اور مجمع البیان میں ہے۔ کہ رقبہ۔ انتظار۔ مراقبہ۔ مراعات اور محافظہ سب کا معنی ایک ہے۔
وَاِنْ نَّکَثُوْٓا۔ حنان بن سدیر سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سُنا۔ آپ نے فرمایا کہ بصرہ
ناکثین کے کئی آدمی میرے پاس آئے اور انہوں نے طلحہ اور زبیر کے متعلق مجھ سے پوچھا تو میں نے جواب دیا وہ اَئِمَّةَ الْکُفْرِ تھے۔ (یعنی کفر کے سرغنے اور امام تھے) کیونکہ بصرہ میں جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئیں تو حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا جلدی مت کرو۔ پہلے میں اپنا عذر تمام کر دوں۔ جو میرے ان کے اور اللہ کے درمیان ہے پس کھڑے ہو کر فرمایا۔ اے اہل بصرہ!

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑨
آیات کے بدلہ میں قیمت تھوڑی پس روکتے ہیں اس کے راستہ سے تحقیق وہ بُرا کرتے ہیں
لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩ فَاِنْ
نہیں لحاظ کرتے مومن کے بارے میں رشتہ کی اور نہ عہد کی اور وہ ہی ظالم ہیں پس اگر
تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ
توبہ کریں اور قائم کریں نماز اور دیں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں دین میں، اور ہم کھولتے ہیں
الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ⑪ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
آیات کو اس قوم کے لیے جو جانیں اور اگر توڑ دیں اپنی قسموں کو بعد عہد کرنے کے اور اعتراض کریں
عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ
تمہارے دین میں تو جنگ کرو کفر کے سرغنوں سے تحقیق ان کی کوئی قسم نہیں، تاکہ وہ باز آئیں تم کیوں
اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ ⑫ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا
نہیں لڑتے ایسی قوم سے جنہوں نے توڑا تمہارے عہد کو اور ارادہ کیا رسول

کیا میں نے حکم میں کوئی ظلم کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں: پھر فرمایا کیا میں نے قسم کی خلاف ورزی کی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ کیا میں نے اپنے اور اپنی عیال کے لئے مال دنیا جمع کیا ہے اور تم کو محروم کیا ہے؟ تو کہنے لگے نہیں پھر فرمایا کیا میں نے تم میں حدود کو جاری کیا اور غیروں کو معافی دی ہے؟ کہنے لگے کہ نہیں: پس فرمایا کیا وجہ ہے کہ میری بیعت کو تم توڑ رہے ہو اور غیر کی بیعت کو تم نے نہیں توڑا۔ میں نے معاملہ کی حقیقت کو پرکھا ہے پس سوائے کفر اور تلوار کے مجھے کوئی بات نظر نہیں آتی۔ یہ کہہ کر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ آیت پڑھی۔ وَاِنْ نَّکَثُوْٓا الایہ پھر قسم کھا کر فرمایا کہ اس آیت کے مصداق یہی لوگ ہیں اور آج تک اس آیت کے مصداق لوگوں سے لڑائی نہیں ہوئی تھی یعنی اس آیت پر پہلے پہل میں ہی عمل کر رہا ہوں اور جب سے اتری ہے آج تک تشنۂ تعمیل تھی (برہان۔ صافی)
اور تفسیر مجمع البیان اور برہان میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام جنگ جمل سے فارغ ہوئے۔ تو ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں

ذکر فرمایا۔ کہ جناب رسالتمآبؐ نے مجھ سے عہد کیا تھا۔ کہ اے علی لَتُقَاتِلَنَّ الْفِئَةَ النَّاكِثَةَ وَالْفِئَةَ الْبَاغِيَةَ وَالْفِئَةَ الْمَارِقَةَ۔ یعنی تم بیعت توڑنے والوں۔ بغاوت کرنے والوں اور دین سے خارج ہونے والوں سے ضرور لڑو گے۔ (پس پہلی جماعت سے مراد جنگ جمل والے ہیں جن کے سرغنے طلحہ و زبیر تھے۔ اور ان کو ناکثین کہا جاتا ہے۔ اور دوسری جماعت سے مراد جنگ صفین والے ہیں جن کا سرغنہ معاویہ تھا۔ اور ان کو قاسطین کہا جاتا ہے۔ اور تیسری جماعت نہروان کے خارجیوں کی ہے جن کو مارقین کہا جاتا ہے۔) بہرکیف یہ لوگ اس آیۃ مجیدہ کے تاویل میں مصداق ہیں۔ اور تنزیل کے لحاظ سے اس کے مصداق رؤسا قریش اور اکابر مشرکین تھے جنہوں نے عہد شکنی کی ابتدا کی تھی۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قوم یہود ہے۔ جنہوں نے عہد کو پہلے پہل توڑا اور مسلمانوں کے خلاف کفار کی امداد کی اور مدینہ سے رسولخداؐ اور مسلمانوں کے نکالنے کی تدبیریں کیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد بھی کفار مکہ ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں پر جور و ستم کی ابتدا بھی کی تھی اور مکہ سے نکال بھی دیا تھا۔ اور پھر عہد کے توڑنے کی ابتدا بھی انہوں نے ہی کی تھی۔

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی جو مؤمن مدت سے کفار کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہوئے تھے اب اُن کے دل ٹھنڈے ہوں گے۔ اور کافر لوگ ذلیل و خوار ہوں گے۔ پس ان سے لڑو اور خوب لڑو۔

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ۔ یعنی اب بھی اگر ان میں سے کوئی توبہ کرنا چاہے تو توبہ کا دروازہ بند نہیں بلکہ خدا توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ بشرطیکہ دل سے توبہ کرے۔ مشیت کی قید لگانے کا مقصد یہی ہے کہ وہ چونکہ دلوں کے حالات کا دانا بینا ہے پس جس کی توبہ صدق نیت سے ہوگی اس کو قبول کرے گا۔ اور جو زبان سے توبہ کریگا اور دل صاف نہ ہوگا تو خدا اس کی توبہ قبول نہ کرے گا۔

أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ
کے نکالنے کا ۔ اور وہ ابتدا کر چکے ہیں پہلی دفعہ
أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۱۳)
کیا ان سے ڈرتے ہو؟ تو اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس سے ڈرو اگر مومن ہو
قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ
ان سے لڑو خدا ان کو عذاب دیگا تمہارے ہاتھوں اور ان کو رسوا کریگا اور تمہاری مدد کریگا اور شفا
يَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ (۱۴) وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَ
دے گا مومن قوم کے دلوں کو اور ختم کریگا ان کے دلوں کے غصہ کو اور
يَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۱۵) أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ
توبہ قبول کریگا جس کی چاہے اور اللہ جاننے والا دانا ہے کیا تم نے خیال کیا کہ چھوڑ
تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ
دیے جاؤ گے اور نہ جانے گا اللہ ان کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور نہ بنائے اللہ اور اس

قاسطین بروایت عیاشی ابو الاغر تمیمی یا تیمی سے منقول ہے کہ جنگ صفین کا میں تماشا دیکھ رہا تھا کہ عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب

ہتھیار لگائے ہوئے سر پر خود رکھے ہوئے شکی گھوڑے پر سوار تھے۔ اور اُدھر فوج شام کی طرف سے ایک بہادر عرار بن ادھم نامی میدان میں نکلا اور اُس نے عباس کو للکارا پس حضرت عباس بن ربیعہ اس کے مقابلے میں نکلے۔ گھوڑوں سے اتر کر دونوں نے پاپیادہ تلوار سے لڑائی کی۔ کافی دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ اور زرہوں کی مضبوطی کی وجہ سے کوئی ایک دوسرے پر غالب نہ آسکا۔ آخر کار عباس نے اُس شامی کو مار گرایا۔ پس لوگوں میں نعرہ تکبیر کی گونج پیدا ہوئی۔ کہ زمین بھی لرزتی نظر آئی۔ میں نے سنا کہ ایک شخص نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ۔ الایہ۔ جب میں نے مڑ کر دیکھا تو حضرت علیؑ تھے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ ہماری طرف سے کون لڑ رہا تھا۔ تو میں نے جواب دیا آپ کی قوم کے بزرگ زادے عباس بن ربیعہ تھے۔ پس حضرت نے عباس کو بلایا اور فرمایا کیا میں نے تم کو اور حسنؑ و حسینؑ و عبداللہ بن جعفر کو ایک جگہ ٹھہرے رہنے کو نہیں کہا تھا۔ پھر کیوں تم میدان میں آگئے۔ اس نے عرض کی اے آقا! اس شامی نے مجھے للکارا تھا۔ اس لئے میں چلا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ معاویہ یہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم کی نسل ختم ہو جائے۔ تم ہرگز میدان میں نہ جاؤ۔ اور اپنے امام کی اطاعت کو لازم پکڑو۔ ادھر معاویہ نے اپنی فوج میں آواز دی کہ کوئی ہے جو عرار کا بدلہ لے۔ چنانچہ دو نجدی جوان میدان میں کود ے۔ اور عباس کو للکارا۔ عباس نے کہا میں اپنے سردار سے اجازت لے لوں۔ چنانچہ خدمتِ امام میں پہنچ کر حقیقت بیان کی۔ آپ نے فرمایا اپنے ہتھیار اور گھوڑا مجھے دیدو۔ چنانچہ عباس کے ہتھیار لگا کر اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر خود میدان میں پہنچے۔ انہوں نے پوچھا سردار سے اجازت لے لی ہے؟ تو آپ نے آیت قرآن پڑھی

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ۔ الایہ۔ یعنی جو لوگ جہاد کرتے ہیں اُن کو اجازت دی گئی ہے۔ کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ پس یداللّٰہی جنبش نے ایک کا سر قلم کیا اس کے بعد فوراً دوسرا آیا تو اُسکو بھی دربان جہنم کے حوالہ کیا اور واپس آکر گھوڑا اور ہتھیار عباس کو واپس کر دیئے۔ معاویہ یہ خبر سُن کر بہت شرمندہ ہُوا۔ (مختصر از بُرہان)

أَمْ حَسِبْتُمْ (وتم ۲۱) یعنی خداوند کریم مومنوں کو آزماتا ہے۔ اس بنا پر ارشاد ہے کیا انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ ہمیں ایسا ہی چھوڑ دیا جائیگا بلکہ خدا تو پرکھنا چاہتا ہے۔ کہ مجاہد کون ہیں اور میدانِ جنگ سے کنارہ کرنے والے کون ہیں؟ اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ اللہ و رسُول و مؤمنین کے ساتھ دل و جان اور قلب و لسان سے کون کون ہیں۔ اور ظاہری محبت رکھ کر اندرونی طور پر اغیار سے محبت رکھنے والے کون ہیں؟ اور اس کے باطنی مصادیق کے لحاظ سے معصومین علیہم السّلام سے متعدد روایات منقول ہیں۔ کہ آیت مجیدہ میں مومنین سے مُراد ائمہ ہُدیٰ علیہم السّلام ہیں۔ اور ولیجہ سے مُراد ہر وہ شخص ہے جو اولوالامر کے علاوہ ہو۔ اور لوگوں کو اپنی اطاعت کی دعوت دے۔

رکوع ۹ تعمیر مساجد ۲۳ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ یعنی مشرکین کا کوئی حق نہیں کہ وہ مساجد کی تعمیر کریں یا اس کی تولیت سنبھالیں بلکہ یہ حق صرف مسلمانوں کو ہی حاصل ہے اور تعمیر سے مراد عام ہے خواہ وہ تعمیر از قسم بنا و مرمّت ہو یا تعمیر از قسم عبادت و اطاعت ہو کیونکہ مسجد میں اطاعت کے لیے داخلہ مسجد کی آبادی و تعمیر کہلاتی ہے اور مشرکین کا اپنے نفس پر کفر کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے افعال و اعمال انکے کفر کے شاہد ہیں پس مساجد

میں آنا جانا انکی مرمت اور دیکھ بھال کرنا صفائی کرنا روشنی کا انتظام کرنا اور اس میں عبادت کرنا صرف مسلمانوں کے لیے ہی مخصوص ہے۔

مَسَاجِدَ اللّٰہِ بعض لوگوں نے اس لفظ کو واحد کے صیغے سے مسجد اللہ پڑھا ہے کیونکہ اس کے نزدیک یہ حکم صرف مسجد الحرام کے لیے مختص ہے لیکن مشہور قرأت کی بنا پر اس کو مساجد پڑھنا چاہیے تاکہ تمام مساجد کے لیے حکم عام ہو جائے لغت میں مسجد اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سجدہ کیا جائے لیکن اصطلاح میں اس مکان کو مسجد کہتے ہیں جو نماز کے لیے تیار کیا جائے نیز نمازی کے وہ سات اعضا جو بوقت سجدہ زمین پر ہوتے ہیں ان کو اصطلاح فقہ میں مساجد کہا جاتا ہے۔

احکام مساجد

بنا مسجد۔ ابو عبیدہ حذاد سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سُنا فرما رہے تھے کہ جو شخص مسجد بنائے تو خدا اس کے بدلہ میں اس کا گھر جنت میں تیار کرتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام راہِ مکہ میں میرے پاس سے گذرے جبکہ میں نے ایک مقام پر پتھروں کو درست کر کے مسجد کی جگہ بنا رکھی تھی۔ تو میں نے پوچھ لیا کہ حضور کیا یہ مسجد بھی اسی کا فرد ہے (جو آپ نے فرمایا تھا) آپ نے فرمایا ہاں۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص ایک پرندہ کے بیٹھنے کی جگہ کے برابر بھی مسجد بنائے خدا اس کا گھر جنت میں بنائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹی مسجد بنانا بھی جنت میں گھر بنانے کے مترادف ہے۔

دُوْنِ اللّٰہِ وَلَا رَسُوْلِہٖ وَلَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَۃً وَاللّٰہُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

سے رسول اور مومنوں کے علاوہ اندرونی دوست اور خدا جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰہِ شٰہِدِیْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِہِمْ

نہیں جائز مشرکوں کے لیے کہ تعمیر کریں اللہ کی مساجد کی درحالیکہ شاہد ہیں اپنے نفسوں پر کفر

بِالْکُفْرِ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُہُمْ وَفِی النَّارِ ہُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ ۱۷ اِنَّمَا یَعْمُرُ

کے ان لوگوں کے ضائع ہو گئے عمل اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے صرف تعمیر مساجد خدا

مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ

ان کا حق ہے۔ جو ایمان لائیں اللہ پر اور قیامت پر اور قائم کریں نماز کو

مسئلہ:۔ جو جگہ ایک دفعہ مسجد کے لئے وقف کی جائے اور اس میں نماز بھی ادا ہو جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے پھر اس جگہ کو دوسرے کام میں نہیں لایا جاسکتا۔

مسئلہ:۔ مسجد کے وقف کرنے کے لئے بالخصوص عربی میں صیغہ جاری کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ نیّت کافی ہے جیسا کہ محققین کا قول ہے اور اس میں ایک نماز پڑھنے سے وقف پختہ ہو جاتا ہے۔ خواہ وقف کرنے والا خود ہی پڑھ لے۔ اور اکثر مساجد اسی طریقہ سے بنائی جاتی ہیں۔ اور سابق روایت بھی ظاہراً اسی کی تائید کرتی ہے۔

مسئلہ:۔ اپنے گھر میں جو مقام نماز کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ اور اس کی تبدیلی بھی جائز ہے۔ اگرچہ اس پر گھر والے مسجد کا اطلاق بھی کرتے ہوں۔

maablib.org

مسئلہ :- جس طرح اصل مسجد میں یہ جائز نہیں کہ اس کو ایک جگہ سے نقل کر کے دوسری جگہ بنایا جائے۔ اس طرح جو اشیاء مسجد کے لئے وقف کی جائیں وہ بھی مسجد سے باہر استعمال نہیں کی جاسکتیں۔

مسئلہ :- مسجد گر جائے تو اس کو از سر نو بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح مسجد کی توسیع یا گرا کر پختہ بنانا بھی جائز ہے

مسئلہ :- اگر ایک مسجد سے کوئی سامان وافر ہو تو دوسری مساجد میں اسے صرف کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ :- اگر مسجد سے متعلق کسی چیز کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس مسجد میں یا دوسری مسجد میں وہ صرف بھی نہ کی جاسکتی ہو تو ایسی صورت میں اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد کی ضروریات میں صرف کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ :- مسجد کو ملکیت میں داخل کرنا حرام ہے۔ اور اسی طرح مسجد کو راستہ بنانا یا راستے میں اس کا کچھ حصہ داخل کرنا ناجائز ہے

مسئلہ :- اگر مسجد گر جائے اور مسجد کے آثار بھی ختم ہو جائیں تاہم اس جگہ کو کسی دوسرے تصرف میں لانا جائز نہیں۔ اور اس جگہ کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ اور اس میں پڑی ہوئی نجاست کو دور کرنا واجب ہے کیونکہ مسجد کو پاک رکھنا واجب ہے۔ اور اس کو نجس کرنا حرام ہے۔ اسی بناء پر مسجد میں سونا مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

مسئلہ :- اگر نماز کا وقت ہو اور مسجد میں نجاست موجود ہو تو نمازی پر واجب ہے کہ پہلے نجاست کو دور کرے اور پھر نماز پڑھے۔ بشرطیکہ نماز کا وقت تنگ نہ ہو۔ ورنہ پہلے نماز پڑھ کر پھر تطہیر مسجد کرے۔

مساجد میں مراتب کا فرق گھر میں نماز پڑھنا صرف فرض کی ادائیگی ہے۔ اور گلی کی مسجد میں ایک نماز بارہ نمازوں کے برابر ہے اور محلہ کی مسجد میں ایک نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ اور جامع مسجد میں ایک نماز ایک سو نماز کے برابر ہے۔

مسجد کوفہ :- حدیث میں وارد ہے۔ کہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ اس میں ایک ہزار ستر پیغمبروں نے نماز ادا فرمائی۔ الخ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں ایک ہزار نبی اور ایک ہزار وصی نے نماز پڑھی۔ بلکہ ایک روایت میں حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی عبد صالح نہیں گذرا۔ بلکہ کوئی نبی نہیں گذرا جس نے اس مسجد میں نماز نہ ادا کی ہو۔ حتیٰ کہ رسالتمآبؐ نے شب معراج اس مسجد میں نماز ادا کی۔ اور فرمایا اس مسجد میں ایک نماز فریضہ ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔ اور اس میں نافلہ پانچسو نماز کے برابر ہے۔ اور اس مسجد میں بغیر تلاوت وعبادت بیٹھ رہنا بھی عبادت ہے۔ الخ اور ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ پہلے پہل اس کا نشان حضرت آدمؑ نے قائم کیا تھا۔ حضرت امام باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ خدا اور رسول کے حرم کے بعد زمین کا کونسا قطعہ افضل ہے۔ تو آپ نے فرمایا کوفہ۔ یہ پاک وپاکیزہ ہے۔ اس میں نبیوں اور وصیوں کی قبریں ہیں۔ اس میں مسجد سہل ہے۔ جس میں ہر نبی نے نماز ادا کی ہے۔ اسی میں اللہ تعالیٰ کا عدل قائم ہوگا۔ الخ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا حرم ہے۔ اور نبیؐ و علیؑ کا حرم ہے۔ اس میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔ اور ایک درہم خرچ کرنا ایک لاکھ درہم کے برابر ہے۔ اور مدینہ اللہ ورسول وعلی کا حرم ہے

اس میں ایک نماز دس ہزار نماز کے برابر ہے۔ اور ایک درہم دس ہزار درہم کے برابر ہے اور کوفہ خدا اور رسول و علی کا حرم ہے۔ اس میں ایک نماز ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے ایک دن فرمایا اے اہل کوفہ تم کو خدا نے وہ چیز عطا کی ہے۔ جو اور کسی کو نہیں عطا کی گئی۔ تمہاری جائے عبادت حضرت آدم کا گھر ہے۔ حضرت نوح کا گھر ہے۔ اور حضرت ادریس کا گھر ہے اور حضرت ابراہیم حضرت خضر اور میرا مصلا ہے اور تمہاری مسجد ان چار مسجدوں میں سے ہے۔ جن کو خدا نے چن لیا ہے۔ اور یہ مسجد بروز محشر اپنے اہل کے لئے اور ان لوگوں کے لئے شفاعت کرے گی جس نے اس میں نماز پڑھی ہوگی اور اس کی شفاعت قبول ہوگی۔ اور زمانہ نہ گزرے گا کہ اسی میں حجر اسود نصب کیا جائے گا۔ اور ایک زمانہ ہوگا کہ یہ مسجد حضرت مہدی علیہ السلام کا مصلے ہوگا جو میری اولاد سے ہوگا۔ اور ہر مؤمن کا مصلےٰ ہوگا اور مؤمن جہاں بھی ہوں گے اس میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ پس اس کو نہ چھوڑو۔ اور اللہ کے قرب کے لئے اس میں نماز پڑھا کرو۔ اور اپنی حاجات طلب کیا کرو۔ اگر لوگ اس کی برکات جانتے ہوتے تو اطراف زمین سے اس کی طرف کھنچ کر آتے۔ اگرچہ برف پر بھی ان کو چلنا پڑتا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس میں ایک نماز حج کا ثواب رکھتی ہے۔ اور مروی ہے کہ حضرت نوحؑ نے کشتی اسی جگہ تیار کی تھی۔ اور کشتی یہیں سے چلی تھی۔ اسی جلد کے صفحہ ۲۲۰ پر مزید وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

مسجد سہلہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ کہ اس میں حضرت ادریسؑ اور حضرت ابراہیمؑ کا گھر ہے۔ اور حضرت خضر کا مقام ہے۔ اور اسی میں نفخ صور ہوگا۔ پس اس مسجد کے پہلو سے ستر ہزار آدمی اٹھیں گے جو بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ اس مسجد میں مغرب و عشاء کے درمیان دو رکعت نماز حاجت کا پڑھنا دفع مصیبت کا باعث ہے اور بعض روایات میں ہے۔ کہ بدھ کی رات یہ عمل کیا جائے۔ جیسا کہ صاحب جواہر نے ذکر کیا ہے اور مروی ہے کہ یہ مسجد بھی تمام انبیاء کا مصلّا ہے۔ اور ہم نے نجف کے قیام کے دوران میں دیکھا ہے کہ اکثر صلحاء بدھ کی شب کو وہاں جا کر ہمیشہ نماز مغربین وہاں ادا کرتے ہیں

مسجد خَیف یہ مروی ہے کہ اس میں ایک ہزار نبی نے نماز پڑھی ہے۔ یہ مسجد منیٰ میں ہے اور روایت میں ہے کہ اس مسجد میں ایک سو رکعت نماز ادا کرنا ستّر سال کی عبادت کے برابر ہے۔

مسجد الحرام یہ مسجد بیت اللہ کے ارد گرد ہے۔ مروی ہے کہ جو شخص اس میں ایک نماز ادا کرے گا اس کی عمر بھر کی تمام نمازیں مقبول ہو جاتی ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ میری مسجد میں نماز باقی مسجدوں کی ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔ اور مسجد الحرام کی ایک نماز میری مسجد کی ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اور مروی ہے کہ رکن اور مقام کے درمیان کی جگہ انبیاء کی قبروں سے پر ہے

مسجد براثا اس میں حضرت مریم حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم اور حضرت علیؑ علیہ السلام نے نماز پڑھی۔

حضرت امیر علیہ السلام جب واقعہ نہروان سے واپس تشریف لائے تو مسجد براثا کے مقام پر آکر رکے ادھر ایک راہب نے اپنے عبادتخانہ سے سر نکال کر کہا کہ اس جگہ مت اترو۔ کیونکہ یہاں نبی یا وصی نبی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں اتر سکتا۔ آپ نے فرمایا میں آخر الزمان پیغمبر کا وصی ہوں۔ راہب جلدی سے اترا اور مشرف باسلام ہوا۔ کہنے لگا میں نے انجیل میں تیرے اوصاف پڑھے ہیں کہ تو نے

زمین برآتا ہیں اتر نا ہے۔ جو حضرت مریم دبیٹے کا گھر تھا۔ پس حضرت نے ایک مقام پہ پاؤں سے ٹھوکر لگائی تو ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ حضرتؐ نے فرمایا یہ وہ چشمہ ہے جو حضرت مریم کے لئے ظاہر ہُوا تھا پھر اس سے سترہ فراع کے فاصلے سے زمین کو کھود کر ایک سفید پتھر نکالا۔ اور فرمایا کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر حضرت مریم نے عیسیٰ کو سلا کر نماز ادا کی تھی۔ پس آپ نے وہاں نماز پڑھی اور چار دن قیام فرمایا اور فرمایا یہاں نبیوں نے نماز ادا کی تھی۔

مسجد بیت المقدس: یہ ان چار مسجدوں میں سے ہے۔ جو دنیا میں جنّت کے محل ہیں اور وہ چار یہ ہیں۔ مسجد الحرام مسجد نبی۔ مسجد بیت المقدس۔ اور مسجد کوفہ جیسا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔

مسجد نبویؐ: معاویہ بن وہب سے روایت ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا۔ مَابَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ۔ یعنی میرے گھر اور منبر کے درمیان کا حصہ جنّت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ اس مسجد میں نماز کا ثواب مختصراً بیان ہو چکا ہے اور نماز حاجت کا پڑھنا بھی اس میں مستحب ہے۔ اس مسجد کے فضائل بہت ہیں جن کا ذکر طول کا باعث ہے۔

مسجد کو جانا: حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے تھے جو شخص مسجد کو جائے گا وہ آٹھ فائدوں میں سے کوئی ایک تو ضرور ہی حاصل کرے گا۔ (۱) خالص اللہ کی رضامندی کے لئے کسی مؤمن بھائی سے ملاقات (۲) علم کی کوئی بات۔ (۳) آیت محکمہ۔ (۴) ہدایت کا کلمہ۔ (۵) رحمت پروردگار۔ (۶) ہلاکت سے بچانے کا کلمہ۔ (۷) ترک گناہ خوف سے (۸) ترک گناہ شرم سے (وسائل)

(۲) آپ نے فرمایا خداوند کریم زمین والوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب عام میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن جب سفید ریش نماز کے لئے مسجد کا رُخ کرتے ہیں۔ اور بچے قرآن پڑھنے کو چلتے ہیں تو وہ اپنے عذاب کو ٹال دیتا ہے (مستدرک)

(۳) حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا۔ سات قسم کے لوگوں کو خدا اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دیگا (۱) امام عادل (۲) نوجوان عابد (۳) مسجد کا محب (۴) دو شخص جو اللہ کی اطاعت میں اکٹھا وقت گزاریں اور اسی حالت پر ایک دوسرے سے جُدا ہوں (۵) وہ شخص جو عالم تنہائی میں اللہ کی عظمت کو یاد کرکے گریہ کرے۔ اور اس کی آنکھوں میں آنسو آجائیں (۶) وہ شخص جس کو تنہائی میں خوبصورت عورت زنا کی دعوت دے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۷) جو شخص خفیہ صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے دیئے کا علم نہ ہو۔ (وسائل)

(۶) حدیث قدسی میں خدا ارشاد فرماتا ہے۔ زمین پر مساجد میرے گھر ہیں طوبیٰ ہے اس شخص کے لئے جو اپنے گھر میں طہارت کرکے میرے گھر میں میری ملاقات کو آئے اور میزبان پر واجب ہے کہ وہ آنے والے مہمان کی عزت کرے (وسائل)

(۷) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا جنت میں بیٹھنے سے مسجد میں بیٹھنا افضل ہے۔ کیونکہ جنّت میں بیٹھنا نفس کے لئے ہوگا۔ اور مسجد میں بیٹھنا اللہ کے لئے ہے۔

(۸) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص مسجد کی طرف روانہ ہو زمین کے خشک و تر پر جہاں بھی قدم رکھتا ہے ساتوں زمینیں اس کے لئے تسبیح کرتی ہیں۔

(۹) جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص مسجد کی طرف چلتا ہے اس کے ہر قدم کے بدلہ میں اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ دس گناہ محو کئے جاتے ہیں۔ اور اس کے دس درجے بلند کئے جاتے ہیں۔ (وسائل)

(۱۰) آپ نے فرمایا، مسجد میں نماز کی انتظار میں بیٹھنا عبادت ہے۔ (مستدرک)

(۱۱) آپ نے فرمایا، کہ خدا فرماتا ہے۔ زمین میں میرے گھر مساجد ہیں جو اہل آسمان کے لئے ایسے چمکتے ہیں جس طرح ستارے اہل زمین کو چمکتے نظر آتے ہیں۔ طوبیٰ ہے اس عبد کے لئے جو گھر میں وضو کر کے میرے گھر میں میری زیارت کو آئے اور جس کی زیارت کی جائے اس پر اپنے زائر کی عزت واجب ہے۔ جو لوگ تاریکیوں میں مساجد کی طرف جاتے ہیں ان کے لئے بشارت ہو کہ قیامت کے دن ان کے چہروں سے نور ساطع ہو گا۔

(۱۲) آپ نے فرمایا بہتر انسان وہ ہے جو سب سے پہلے مسجد میں جائے اور سب کے آخر میں باہر نکلے۔ (مستدرک)

(۱۳) آپ نے فرمایا جب دیکھو کسی انسان کو کہ وہ مسجد کا عادی ہے۔ تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ الآیہ۔ یعنی مساجد کی آبادی وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ و قیامت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز و زکوٰۃ کے پابند ہوں الخ

(۱۴) آپ نے فرمایا جب لوگ مسجد میں قرآن مجید پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے کو سناتے ہیں تو اس وقت وہ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں۔ اور فرشتے ان پر اپنے پروں سے سایہ کرتے ہیں۔ جب تک وہ اس عبادت میں مشغول رہیں۔ الخبر (مستدرک)

مسجد سے کنارہ کشی

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا جو ہمسایہ مسجد ہو کر فراغت رکھتے ہوئے بھی نماز فریضہ مسجد میں نہ ادا کرے تو اس کی کوئی نماز نہیں ہے۔

(۲) حضرت امیر علیہ السلام کو ایک مرتبہ اطلاع پہنچی کہ ایک قوم مسجد میں نماز کے لئے حاضر نہیں ہوتی تو آپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا جو لوگ مسجد میں نماز کے لئے حاضر نہیں ہوتے تو ان کا کھانا پینا مشورہ نکاح اور باقی لین دین ہمارے ساتھ بند ہے جب تک کہ ہماری جماعت میں شریک نہ ہوں اور اگر وہ باز نہ آئے تو قریب ہے کہ میں ان کے گھروں کو جلا کر خاکستر کر دوں۔ پس لوگوں نے ان سے قطع تعلق کر لی۔ کھانا پینا وغیرہ سب بند کر دیا۔ تو وہ مسجد میں آنے لگ گئے۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تین چیزیں قیامت کے روز شکوہ کریں گی۔ (۱) مسجد خراب جس میں نماز کوئی نہ پڑھے۔ (۲) جہال کے درمیان عالم (۳) قرآن لٹکا ہوا۔ جس پر گرد و غبار جمع ہو چکا ہو۔ اور دوسری حدیث نبوی میں عالم کی جگہ عترت کا ذکر ہے قرآن کہے گا اے اللہ! انہوں نے مجھے جلایا تھا۔ اور پھاڑا تھا۔ مسجد کہے گی انہوں نے مجھے معطل کیا تھا۔ اور ضائع کیا تھا۔ اور عترت کہے گی انہوں نے ہمیں قتل کیا تھا۔ جلاوطن کیا تھا۔ اور گھروں سے نکال دیا تھا۔ پس میں زانوؤں کے بل خصومت کے لئے بیٹھوں گا تو خدا فرمائے گا اس خصومت کے لئے میں خود سزاوار تر ہوں (۴) مروی ہے کہ غیر مسجد میں باجماعت نماز سے مسجد کی فرادیٰ نماز افضل ہے۔ اور

افضل ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہے۔
دوسری روایت میں ہے کہ جماعت افضل ہے ہرکیف مسجد بھی ہو اور جماعت بھی ہو تو اس کے
باہر نکل جائے تو وہ منافق ہے مگر یہ کہ پلٹنے کا ارادہ رکھتا ہو
(۴) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص پہلے مسجد میں موجود ہو اور اذان سن کر

آداب مسجد

(۱) مسجد میں باطہارت داخل ہونا چاہئے جیسے بعض احادیث کے مضمون سے معلوم ہو چکا ہے۔ (۲) خوشبو لگانا۔
(۳) اچھا لباس پہنکر اور مسجد میں جانا مستحب ہے۔ چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام ٹھنڈی راتوں میں بھی اسی تیاری سے مسجد نبوی میں جاتے تھے (۴) مسجد میں جھاڑو دینا مستحب ہے۔ حضرت رسالتمآب نے فرمایا جو جمعرات کو مسجد میں جھاڑو دے اور آنکھ میں ڈالنے کے برابر بھی خس و خاشاک نکالے تو خدا اس کے گناہ بخش دیتا ہے نیز آپ نے فرمایا جو مسجد میں جھاڑو دے اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے نیز ایک روایت میں آپ نے فرمایا جو شخص مسجد سے اس قدر خس و خاشاک نکالے جو آنکھ کو چندھانے میں کافی ہوتا ہے تو خدا اس کے لئے اپنی رحمت کے دو کفل معین فرما دیتا ہے۔

(۵) مسجد میں چراغ جلانا۔ حضرت رسالتمآب نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں چراغ روشن کرے تو فرشتے اور حاملین عرش اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے جب تک کہ اس چراغ کی روشنی مسجد میں رہے گی۔

(۶) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا مسجد میں داخل ہو تو پہلے دایاں پاؤں داخل کرے اور باہر نکلتے ہوئے پہلے بائیں پاؤں سے ابتداء کرے

(۷) مسجد میں درود شریف پڑھ کر داخل ہو۔ اور قبلہ رُخ بیٹھ کر حمد و ثناء بجا لائے۔

(۸) ہر مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز تحیۂ مسجد پڑھنا مستحب ہے۔

(۹) حضور نے فرمایا مسجد قرآن کے لئے ہے۔ شعر خوانی کے لئے نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص شعر پڑھتے ہوئے مسجد میں سنو تو اس کو ٹوک دو

(۱۰) آپ نے فرمایا آخر زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہونگے جو مساجد میں حلقہ باندھ کر دُنیاوی باتیں کریں گے۔ پس ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا چھوڑ دو کیونکہ خدا کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۱) مسجد کے کنگرے مینار اور نقش نگار ممنوع ہیں اور حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السلام نے ایک حدیث طویل میں فرمایا، جب حضرت قائم آلِ محمدؐ تشریف لائیں گے تو کنگرے مینار گرا دیں گے۔

(۱۲) مسجد کے قبلہ میں آیات قرآنی نہ کہ سجانی کی کتابت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱۳) مسجد میں دنیاوی کاروبار کرنا مکروہ ہے

(۱۴) مسجد میں منہ ناک وغیرہ کی غلاظت ڈالنا مکروہ ہے۔

(۱۵) پیاز و تھوم وغیرہ کی بد بو منہ میں لے کر مسجد میں جانا مکروہ ہے۔

(۱۶) مسجد میں خرید و فروخت کرنا۔ فیصلے کرنا، آواز بلند کرنا، لغو و باطل کی گفتگو اور گم شدہ چیز کا اعلان مکروہ ہیں۔

(۱۷) وہ بچے جن کو طہارت کا پتہ نہ ہو اور اسی طرح دیوانوں کو مسجد میں ٹھہرانا مکروہ ہے۔

(۱۸) ناف سے زانوں تک کا حصہ مسجد میں داخل ہونے والے کا مستور ہونا چاہیے۔

(۱۹) جنبی حائض اور نفاس والی عورت کا مسجد میں ٹھہرنا ممنوع ہے۔ البتہ مسجد الحرام اور مسجد نبی کے علاوہ باقی مساجد سے گذر جانا ان کے لئے جائز ہے۔

(۲۰) جنبی انسان مسجد میں کوئی چیز رکھ نہیں سکتا۔ لیکن وہاں سے حسب ضرورت چیز اٹھا سکتا ہے۔

(۲۱) نوافل گھر میں پڑھنا مستحب ہے۔ اور فرائض مسجد میں ادا کرنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔

(۲۲) عورت کے لئے اپنا گھر مسجد ہے۔ پس اس کے لئے گھر میں نماز ادا کرنے کا وہی ثواب ہے جو مرد کے لئے مسجد میں مقرر ہے۔

وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا

اور دیں زکوٰۃ اور نہ ڈریں مگر اللہ سے تو یقین ہے کہ ایسے لوگ

مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ

ہدایت یافتہ ہوں گے کیا بنا یا ہے تم نے حاجیوں کی سیرابی اور مسجد الحرام کی آبادی کو برابر

الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

اس کے جو ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اور جہاد کرے اللہ کے راستہ میں

لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ

یہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں اور اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو جو لوگ

اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ

ایمان لائیں اور ہجرت کریں اور جہاد کریں اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور نفسوں

اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

کے ساتھ بڑے درجہ والے ہیں اللہ کے نزدیک اور وہی ہیں کامیاب۔

اَجَعَلْتُمْ

شان نزول:- بروایت مجمع البیان ایک دن حضرت عباس بن عبدالمطلب اور شعبہ ایک دوسرے پر اپنی اپنی ثنائی بیان کر رہے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام پہنچ گئے اور فرمایا کس چیز پر فخر کر رہے ہو تو عباس نے جواب دیا کہ مجھے وہ فضیلت دی گئی ہے جو کسی کو نہیں ملی اور وہ ہے حاجیوں کا پانی پلانا پھر شیبہ نے کہا مجھے مسجد الحرام کی عمارت کی یہ فضیلت عطا ہوئی ہے۔ یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے ورنہ میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ باوجود چھوٹی عمر کے جو فضیلت مجھے عطا ہوئی ہے تم دونوں اس سے محروم ہو۔ پس دونوں نے پوچھا یا علیؑ وہ کونسی فضیلت ہے جو تو نے پائی ہے تو آپ نے فرمایا میں نے تمہارے منہ منہ پر تلوار مار کر تمہیں خدا اور رسول پر ایمان لانے کے اہل بنایا۔ عباس یہ سن کر طیش میں آیا اور چادر کا دامن زمین پر گھسیٹتے ہوئے خدمت نبوی میں آیا اور عرض کی آپ دیکھتے ہیں حضرت علیؑ ہمیں کیسی باتیں کہتا ہے؟ پس آپ نے علی کو بلوایا اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو علیؑ نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے حق بات کہی ہے۔

خواہ کوئی ناراض ہو یا راضی ہو۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام نازل ہوا کہ پروردگار بعد سلام کے فرماتا ہے۔ اَجَعَلۡتُمۡ سِقَایَۃَ الۡحَآجِّ الآیہ ۔ حضرت عباس نے جونہی خطاب خداوندی سُنا تو تین مرتبہ کہا۔ ہم راضی ہیں۔ نیز یہ بھی مروی ہے کہ جنگ بدر کے موقعہ پر جب عباس اسیر ہوئے تو لوگوں نے اُن کو قطع رحمی اور کفر کا طعنہ دیا۔ تو عباس نے جواب دیا تم لوگ ہماری برائیاں ذکر کرتے ہو اور ہماری خوبیاں ذکر نہیں کرتے۔ لوگوں نے پوچھا وہ خوبیاں تم میں کونسی تھیں تو جواب دیا مسجد الحرام کی عمارت وخدمت۔ کعبہ کی دربانی حاجیوں کی سقائی اور اسیروں کا چھڑانا ہم یہ سب کام کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی جس کا یہ مقصد ہے۔ کہ ایمان کے بغیر کوئی نیکی ہی قابل فخر نہیں ہوسکتی بلکہ انسان کا پہلا فخر ہے ایمان۔

بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ اپنی کوئی فضیلت بیان کیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں اور عباس اور عثمان بن ابی شیبہ بیٹھے ہوئے تھے۔ عثمان نے کہا کہ مجھے جناب رسول خدا نے خزانہ دیا ہے یعنی بیت اللہ کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہیں عباس نے کہا کہ مجھے حضور نے حاجیوں کی سقائی عنایت کی ہے۔ کہ زمزم میرے ہاتھ میں ہے اور یا علی تجھے تو کچھ نہیں ملا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض روایات میں طلحہ بن شیبہ دارمی کا نام مذکور ہے۔

اور علامہ حلی نے اس آیت مجیدہ کو بھی حضرت علی کی خلافت بلافصل کی دلیل قرار دیا ہے۔ چونکہ روایت مسلماتِ فریقین میں سے ہے۔ حتّٰی کہ اس کو فضل بن روزبہان نے بھی تسلیم کیا ہے۔ کہ اہل سنّت کی کتب صحاح میں موجود ہے۔ لہذا تقریب دلیل اس طرح ہوگی کہ مقام مفاخرت میں حضرت علیؑ نے ان دونوں سے اپنی افضلیت کا دعوٰی کیا اور وہ دونوں اپنے اپنے مقام پر تمام اُمّت سے بیان کردہ مضمون میں افضلیت کا دعوٰی رکھتے تھے۔ پس خداوند کریم کا علیؑ کے حق میں فیصلہ یہ ثابت کرتا ہے۔ کہ علیؑ ایمان ہجرت اور جہاد میں تمام امت سے افضل ہے۔ اور اس کا درجہ اعظم ہے خود اندازہ کیجیے جس کو خدا اعظم کہے اس کی عظمت کا کوئی کیا اندازہ کرسکتا ہے۔ پس جب تمام امت سے افضلیت ثابت ہوئی تو خلافت کا استحقاق خود بخود ثابت ہوگیا اور اس کے بعد فائز ہونے کی سند اور پھر رحمت رضوان اور جنّت کی بشارت حضرت علیؑ کے بلند کردار کی مقبولیت ومحبوبیت کی دلیلیں ہیں۔ اور جو شخص واقعات کو پارٹی بازی اور جنبہ داری کی سطح سے بلند ہو کر دیکھے تو اس کے لئے حق کی راہیں بالکل روشن اور واضح ہیں لیکن جس کے دل ودماغ پر ایک طرف کی محبت اور دوسری طرف کا عناد سوار ہو۔ وہ بیچارہ تعصب کے شکنجے سے جان نہیں چھڑا سکتا۔ وہ انصاف وعدل اسی فیصلہ میں سمجھتا ہے جو اس کی طرف داری کے رجحان سے موزونیت رکھتا ہو۔ اور جو بات اس کی منشاء طبع کے خلاف ہو۔ اس کی تردید یا تاویل پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ فضل بن روزبہان اگرچہ اس فضیلت کو حضرت علی کے لئے مانتا ہے۔ لیکن چونکہ خلافت کے نظریہ میں وہ علی کا طرفدار نہیں ہے۔ لہذا وہ کہتا ہے۔ یہ بات نص خلافت نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے ان لوگوں کے نزدیک خلافت کا معیار ہی کوئی نہیں پس جس کو لوگ کہہ دیں کہ تو خلیفہ ہے۔ تو وہ خلیفہ ہوتا ہے۔ اور وہ افضل بھی ہو جاتا ہے۔ ہم چونکہ ایک معیار کے قائل ہیں کہ جو افضل ہو وہ خلیفہ ہو۔ لہذا یہ آیت نص خلافت ہے۔ کیونکہ اس میں اعلانِ افضلیت ہے۔ اور وہ کہتے ہیں جو خلیفہ بن جائے وہی افضل ہے کیونکہ علیؑ کو خلیفہ نہ مانا گیا۔ لہذا وہ افضل نہ ہوسکے۔ گویا فرق صرف اتنا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ جس کو حق سمجھا جائے اس کی طرف جھکا جائے۔ اور وہ کہتے ہیں جس کی طرف جھکا جائے اس کو ہی حق سمجھا جائے۔

یَاۤ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ ۔ ابن عباس سے منقول ہے۔ کہ جب ہجرت کا حکم ہوا۔ اور لوگوں نے تیاری کی۔ تو کسی کے سامنے زوجہ رونے

تکی کسی کو ماں باپ نے منع کیا کسی سے بچوں کی جدائی گوارا نہ ہو سکی۔ پس اس طرح کئی لوگ ہجرت کی سعادت سے محروم ہو گئے۔ تو خداوند کریم نے یہاں ہجرت کی اہمیت کو بیان فرمایا۔ کہ تمام دنیاوی تعلقات سے خدا و رسول کا رشتہ زیادہ محبوب ہونا چاہیئے۔ اور مومن کو چاہیئے کہ ایمان کے راستہ میں حائل ہونے والے سے قطع تعلقی کرے خواہ وُہ اس کے والدین ہی کیوں نہ ہوں۔ اور جو شخص ان رشتہ داروں کو اور دنیاوی فوائد کو محفوظ رکھے گا اور خدا اور رسول کے حُکم سے کنارہ کرے گا۔ وہ ظالم ہو گا۔ اور یہ ایک تنبیہ ہے کہ ایمان کی محبت انسان میں اگر راسخ ہے۔ تو وہ ہر قسم کی قربانی دے سکتا ہے۔ اور جو شخص یہ قربانیاں نہیں پیش کر سکتا۔ اس کا دعوئی ایمان جھوٹا ہے۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ہجرت کا معنٰی صرف وطن چھوڑنا نہیں۔ بلکہ ایمان کے منافی ہر محبت کو خیر باد کہنے کا نام ہجرت ہے۔ تفسیر باطنی کے طور پر معصوم نے ایمان سے مُراد ولایت علی بیان کی ہے۔ اور اس سے منہ پھیرنے کا نام کفر ہے۔ اور ایسوں سے محبت کرنے والے ظالم ہیں تو جو لوگ دعوئی ایمان کرتے ہیں اور غیر مومن لوگوں سے محبت و انس بھی رکھتے ہیں حتیٰ کہ ان سے رشتے ناطے بھی کرتے ہیں تو وہ اپنے ایمانوں کا گہری نظر سے مطالعہ کریں اور ایمان کی پختگی کا علاج کریں۔ جب اس سلسلہ میں ماں باپ کو چھوڑا جا سکتا ہے تو پھر دوسری رشتہ داری اور محبت کا جوڑ کیسا؟ ہاں والدین کی دنیاوی معاملات میں اطاعت کرنا ہر حال فرض عین ہوا کرتا ہے۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا

ان کو خوشخبری دیتا ہے ان کا رب اپنی رحمت کی اور رضامندی اور باغات کی کہ ان کے لیے وہاں

نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿٢١﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٢﴾

دائمی نعمتیں ہیں ہمیشہ رہیں گے وہاں تحقیق اللہ کے نزدیک بڑا بدلہ ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ

اے ایمان والو نہ بناؤ اپنے آباء اور بھائیوں کو دوست اگر وہ

اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

دوست رکھیں کفر کو بدلے ایمان کے اور جو ان سے دوستی رکھے گا تو وہ ظالم

الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ

ہوں گے کہہ دو اگر تمہارے آباء اور اولاد اور بھائی اور

وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ

بیویاں اور قبیلہ اور وہ مال جو تم نے کمائے اور تجارت جس کے

رکوع ۱۰

جنگِ حنین کا بیان

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ ﴿۲۵﴾ چونکہ اس سے پہلے مومنوں پر ہجرت کے وجوب کی تاکید فرمائی کہ تمام محبتیں چھوڑ کر اللہ و رسول کی محبت کی طرف آجاؤ۔ اور اس آیت میں اپنی نصرت کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ کہ باوجود تمہاری ظاہری کمزوریوں کے خداوند کریم نے تمکو کیسی کامیابی اور کامرانی عطا فرمائی ہے۔ اور ایک دو نہیں بلکہ بہت سے مقامات پر رحمتِ خدا نے

تمہاری دستگیری کی۔ پس اللہ کا رشتہ تمام رشتوں سے مفید تر اور پائیدار ہے۔ لہٰذا اس رشتہ کی خاطر تمام رشتوں سے بائیکاٹ قرین عقل اور ضروری ہے۔

مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ:۔ اور صادقین علیہما السلام سے مروی ہے کہ ان کی تعداد اسی تھی۔ مروی ہے کہ ایک دفعہ متوکل عباسی سخت بیمار ہُوا۔ تو اس نے منّت مانی۔ اگر خدا نے شفا دی تو مال کثیر خیرات کروں گا۔ چنانچہ وہ شفایاب ہُوا تو علماء کو بُلا کر مال کثیر کی حد پوچھی انہوں نے اس کا جُدا جُدا معنی بتایا۔ جس سے متوکل مطمئن نہ ہو سکا۔ تو کسی نے امام علی نقی علیہ السلام سے دریافت کرنے کا مشورہ دیا۔ اور آپ اس زمانہ میں متوکل کے ہاں قید تھے۔ پس بذریعہ خط سوال کیا گیا جس کے جواب میں امام علیہ السلام نے تحریر فرمایا کہ اسی درہم صدقہ کیا جائے۔ جب اس کی دلیل طلب کی گئی تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا تاریخ سے معلوم ہُوا ہے کہ وہ مقامات اسّی ہیں جن میں مسلمانوں کی خداوند کریم نے نمایاں نصرت کی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ کثیر کا شرعی اصطلاح میں معنی صرف اسّی نہیں ہے مثلاً کثیر الشک یا کثیر السفر کا معنی یہ نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ایسے مقامات پر کثیر کا ایک معنی اسّی بھی ہو سکتا ہے۔ پس آپ نے آیت قرآنی سے ایک مثال پیش کر دی اور اگر اسّی سے زیادہ مراد لئے جائیں تو وہ بدرجہ اولیٰ کثیر کا فرد بن سکتے ہیں۔ پس یوں سمجھئے کہ یہ معنی کثیر کے معنی عمومی کا ایک فرد ہے۔

تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَ

نقصان کا تم کو اندیشہ ہے اور رہائشی مکان جو تم کو پسند ہیں (یہ سب) تم کو زیادہ پیارے ہیں اللہ اور

رَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ

اس کے رسول سے اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے تو ٹھہر و تا کہ لائے اللہ اپنا فیصلہ اور اللہ نہیں ہدایت کرتا

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي

فاسق لوگوں کو تحقیق تمہاری مدد کی اللہ نے بہت

مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ

مقامات پر اور حنین کے دن جب کہ ناز تھا تم کو اپنی کثرت کا تو اس

تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

نے فائدہ دیا تم کو کچھ اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود کشادگی کے

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ:۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد آٹھ ہزار سے بارہ[12] ہزار تک منقول ہے۔ اور حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔

وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ[۲۳] :۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت رسالتمآبؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ایک ان میں سے حضرت علیؑ اور چند آدمی بنی ہاشم سے تھے۔

واقعہ کی تفصیل:۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد ماہِ رمضان کے آخر یا شوال کی ابتدا میں حضور نے معہ صحابہؓ کے حنین کا رُخ کیا۔ قبیلہ ہوازن اور

قبیلہ ثقیف سے جہاد کرنے کے لیے۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا تو قبیلہ ہوازن کے سردار لوگ مالک بن عوف نضری کے پاس جمع ہوئے اور اس کو اپنا سردار مقرر کیا اور مسلح ہو کر اپنی پوری جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مال و متاع بچے اور عورتیں سب کو ساتھ لے لیا یہاں تک کہ مقام اوطاس میں نازل ہوئے۔ قوم جشم کا سردار درید بن صمہ بھی ان میں تھا اور وہ کافی سن رسیدہ ہونے کے علاوہ نابینا بھی تھا اس نے پوچھا کہ اب ہم کہاں پہنچے ہیں تو اس کو جواب دیا گیا کہ مقام وادی اوطاس ہے اس نے کہا خوب جگہ ہے نہ زیادہ سخت ہے اور نہ بہت نرم ہے۔ اس میں گھوڑے خوب دوڑ سکتے ہیں لیکن میں اونٹوں گدھوں بیلوں بکریوں اور بچوں کی آوازیں سن رہا ہوں یہ کیا معاملہ ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مالک بن عوف کے حکم سے بال بچے عورتیں اور مال مویشی سب ہمراہ ہیں تاکہ لوگ اپنے مال و ناموس کی غیرت سے خوب جم کر لڑیں۔ درید نے کہا رب کعبہ کی قسم یہ شخص صرف گڈریا ہی ثابت ہوا ہے اس کو میرے پاس لاؤ چنانچہ جب وہ آیا تو اس کو درید نے کہا تو کیسا قوم کا رئیس ہے؟ فالتو قوم کو کہیں محفوظ مقام پر بھیجدو۔ اور صرف جنگی مردوں کو گھوڑوں کی پشت پر ڈال کر بلا خوف جنگ کرو یہاں صرف مردِ میدان تلوار اور گھوڑے کی ضرورت ہے۔ اگر تمہاری فتح ہوئی تو باقی قوم خود بخود مل جائے گی اور اگر کوئی دوسری بات ہو تو بچوں اور ناموس کی ذلت تو نہ ہوگی۔ مالک نے درید کا مشورہ سن کر جواب دیا کہ تو بوڑھا ہو گیا ہے اور تیرا دماغ خراب ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔

ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ

پھر تم بھاگ گئے پشت دکھاتے ہوئے۔ پھر نازل کیا اللہ نے اپنا سکون اوپر اپنے رسول

رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا

کے اور اوپر مومنوں کے اور اتاری فوج جو تم نے نہ دیکھی اور عذاب دیا ان

وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ

کو جو کافر تھے اور یہ بدلہ ہے کافروں کا پھر

يَتُوبُ اللَّهُ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٧﴾

توبہ قبول کرتا ہے اس کے بعد جس کی چاہے (جو صاف نیت رکھتا ہو) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

ادھر جناب رسالتمآب کو قبیلہ ہوازن کا وادی اوطاس میں پہنچنا معلوم ہو گیا تو آپ نے قبائل کو جمع کر کے ان کو جہاد کی ترغیب دی اور نصرت کا وعدہ دیا کہ اللہ کا وعدہ ہے ان کی عورتیں بچے اور اموال سب غنیمت ہوں گے چنانچہ لوگ اپنے اپنے جھنڈے بلند کر کے نکلے۔ حضور نے فوج کا علم حضرت علی علیہ السلام کے حوالہ کیا اور مکہ میں پندرہ دن کے قیام کے بعد آپ روانہ ہوئے تھے۔ صفوان بن امیہ سے ایک سو زرہ عاریۃً لی تھی اور صفوان خود بھی ہمراہ تھا فتح مکہ کے

نتیجے میں جو لوگ مسلمان ہوئے تھے ان میں سے بھی دو ہزار مجاہد ہمراہ تھے اور دس ہزار مسلمان پہلے سے حضور کے ہمرکاب تھے۔ پس کل بارہ ہزار کی تعداد میں روانہ ہوئے بروایت امام محمدؑ باقر علیہ السلام تازہ ملنے والوں میں سے ایک ہزار آدمی بنی سلیم کا تھا جن کا سردار عباس بن مرداس تھا اور ایک ہزار آدمی بنی مزینہ کا تھا ادھر مالک بن عوف نے اپنی فوج میں اعلان کیا کہ ہر سپاہی اپنے بیوی بچوں اور مال کو اپنی پیٹھ کے پیچھے رکھے اور تلواروں کے نیام توڑ ڈالو اور اس وادی میں مورچے خوب جما کر بیٹھ جاؤ اور صبح کی تاریکی میں یکبارگی حملہ کر دو کیوں کہ محمدؐ نے ابھی جنگ جو بہادروں کا منہ نہیں دیکھا

جناب رسالتمآبؐ نے صبح کی نماز ادا کی اور وادی میں اترے ہی تھے کہ ہر طرف سے قبیلہ ہوازن کی فوج نے احاطہ میں لے لیا اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی پس مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے سب سے آگے بنی سلیم تھے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو پھر سارا لشکر تتر بتر ہو گیا اس موقعہ پر چونکہ مسلمانوں کو اپنی کثرت کا ناز تھا جس کو خدا نے توڑ دیا صرف حضرت علیؑ بچ گئے جو برابر داد شجاعت دے رہے تھے عباس بن عبدالمطلب نے حضور کی سواری کی لگام تھامی ہوئی تھی فضل بن عباس اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آپ کے دائیں بائیں تھے غرضیکہ نو تن بنی ہاشم تھے اور دسواں ام ایمن کا لڑکا ایمن تھا جو شہید ہو گیا۔

ادھر جناب رسالتمآبؐ خود آوازیں دے رہے تھے کہ اے انصار! تم کہاں جا رہے ہو میں رسول خدا یہ موجود ہوں لیکن اب کون سنتا تھا کہتے ہیں قبیلہ مازن کی ایک عورت جس کا نام نسیبہ بنت کعب تھا وہ بھاگنے والوں کے منہ پر مٹی ڈالتی تھی اور کہتی تھی کہ خدا و رسول کو چھوڑ کر کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ اتنے میں اس کے قریب سے حضرت عمرؓ کا گذر ہوا تو کہنے لگی تم پروائے ہو کیا کر رہے ہو تو انہوں نے جواب دیا تقدیر ایسی تھی جب رسول خدا نے لوگوں کی پسپائی دیکھی تو اپنی سواری کو حضرت علیؑ کے قریب لے گئے اور عباس کو حکم دیا کہ اس چھوٹے سے ٹیلے پر بلند ہو کر آواز دو کیونکہ عباس کا آواز بلند تھا پس انہوں نے با آواز بلند صدا دی اے اصحاب شجرہ کہاں بھاگے جا رہے ہو یہ رسول خدا موجود ہیں پھر حضور نے ابوسفیان بن حارث کو فرمایا مجھے سنگریزوں کی مٹھی اٹھا کر دو پس شَاهَتِ الْوُجُوْهُ کہہ کر مشرکین کی طرف پھینکی

انصار نے جب عباس کی آواز سنی تو واپس آنا شروع ہو گئے اور علم کے ارد گرد جمع ہوتے گئے لیکن شرم کے مارے حضور کے سامنے نہیں آتے تھے حضور نے عباس سے پوچھا یہ کون ہیں تو جواب دیا کہ حضور یہ لوگ انصار ہی تو ہیں آپ نے فرمایا آج کا دن بہت سخت ہے اور فرمایا انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب پس خداوند کریم کی جانب سے نصرت نازل ہوئی اور قبیلہ ہوازن کو شکست ہوئی مالک بن عوف بھاگ کر طائف کے قلعہ میں گھس گیا ایک سو کے قریب مارے گئے ان کے اموال بچے اور عورتیں سب مسلمانوں کے قبضے میں آ گئیں۔

بنی نضر کا ایک شخص شجرہ بن ربیعہ جب مسلمانوں کے ہاتھ میں قیدی ہوا تو پوچھنے لگا کہ وہ ابلق گھوڑے کہاں ہیں

اور سفید پوش سوار کہاں ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ لڑائی کی ہے اس وقت تم لوگ تو ان میں نظر بھی نہیں آتے تھے، تو اس کو جواب دیا گیا کہ وہ فرشتے تھے اس دن حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں چالیس مشرک داصل جہنم ہوئے تھے۔

سعید بن مسیب کی روایت ہے کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا جو حنین کے دن فوج کفار میں تھا کہ جب دونوں لشکر آپس میں ملے تو ہم نے بکری کے دو ہنے کی دیر تک بھی مسلمانوں کو اپنے سامنے نہ ٹھہرنے دیا اور سب کو پسپا کر دیا لیکن جب حضور کی سواری کے قریب گئے تو نورانی چہروں والے جوان دیکھے جنہوں نے کہا شَاہَتِ الْوُجُوْہُ پس انہوں نے ہمیں شکست دی اور قید کیا اور وہ فرشتے ہی تھے۔

حضور مال غنیمت لے کر مقام جعرانہ پر آئے اور یہاں بدیل بن ورقاء خزاعی کو محافظ مقرر کر کے خود معہ فوج مالک بن عوف کے تعاقب میں طائف کی طرف روانہ ہوئے شوال کا باقی مہینہ طائف کا محاصرہ رہا اور ذوالقعدہ کے اوائل میں واپس پلٹ کر اوطاس حنین کی غنیمتوں کو تقسیم فرمایا اس جنگ میں چھ ہزار غلام و کنیزیں غنیمت میں تقسیم ہوئیں اور مال کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا اور یہ تقسیم صرف مہاجروں اور دیگر عرب قبائل پر تھی انصار کو کچھ نہ دیا گیا جس سے وہ ناراض ہوئے اور حضرت رسالتمآب کے سمجھانے پر وہ رضامند ہو گئے آپ نے فرمایا کیا تمہارے لیے یہ کم ہے کہ لوگ مال لے کر گھروں کو جائیں گے اور تم لوگ اللہ کا رسول اپنے ہمراہ لے جاؤ گے کیا یہ تمہاری شان ہے کہ چند دنیا کے سکوں سے میں نے نئے اسلام لانے والوں کے دلوں کو مضبوط کیا ہے تو تم ناراض ہو جاؤ پس سب انصار راضی ہو گئے۔

اس کے بعد قبیلہ ہوازن کے وفد مسلمان ہو کر مقام جعرانہ پر حاضر خدمت نبوی ہوئے اور ان کے خطیب نے کھڑے ہو کر عرض کی ان قیدیوں میں حضور کی خالائیں اور دائیاں بھی موجود ہیں جنہوں نے آپ کی کفالت کی تھی اگر ہم نعمان بن منذر کے ساتھ لڑتے اور ہم کو شکست ہوتی اور پھر اس سے التجا کرتے تو ہمیں توقع ہے کہ وہ بھی ہم کو واپس کر دیتا اور آپ کی شان تو بہت اجل ہے پھر اس نے کچھ اشعار بھی اسی مطلب کے پڑھے پس آپ نے فرمایا دو چیزوں میں سے ایک اختیار کر لو، قیدیوں کی واپسی یا مال کی واپسی تو اس نے جواب دیا ہمیں مال سے ناموس عزیز تر ہے ہم اونٹوں بکریوں کے خواہشمند نہیں ہیں، تو آپ نے فرمایا جو کچھ بنی ہاشم کے حصہ میں آیا ہے وہ تو میں واپس کرتا ہوں اور باقی مسلمانوں سے بھی تمہاری سفارش کرتا ہوں، لہذا تم خود بھی اپنے اسلام کا اعلان کرو اور خواہش بیان کرو پس جب نماز ظہر ادا ہوئی تو انہوں نے اپنا مطلب بیان کیا تو حضور نے فرمایا کہ جو کچھ بنی ہاشم کے حصہ میں ہے میں واپس کرتا ہوں اور جو کچھ تم میں سے کسی کے حصہ میں آیا ہے اگر تم میں سے کوئی بغیر زبردستی کے اپنی مرضی سے واپس کرنا چاہے تو فبہا ورنہ اگر مفت نہ واپس کرنا چاہے تو فدیہ لے لے اور فدیہ میں ہی ادا کر دوں گا پس سوائے چند کے سب نے مفت واپس کر دیا اور تھوڑے لوگوں نے فدیہ لے کر واپس کیا اس کے بعد حضور نے مالک بن عوف کی طرف پیغام بھیجا کہ اگر تو مسلمان ہو کر آ جائے تو میں تیرا سب کچھ تجھے واپس کر دوں گا اور انعام میں ایک سو ناقہ بھی دوں گا تو وہ شخص طائف سے واپس آ کر مشرف باسلام ہوا اور حضور نے

ایفاء عہد میں اسے اپنا سب کچھ واپس کرنے کے علاوہ ایک سو اونٹنی بھی عطا فرمائی اور اس کو اپنی جانب سے اپنی مسلمان قوم کا عامل بھی مقرر کیا

نجاست مشرکین

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ۔ نجس کا معنی ناپاک ۔ یہ لفظ جب رجس کے ساتھ مستعمل ہو تو نون پر کسرہ آجایا کرتا ہے مثلاً رجس نجس کہتے ہیں آیت مجیدہ کے ظاہر سے کفار کا نجس العین ہونا ثابت ہوتا ہے اور مذہب امامیہ میں بلا استثناء کافر و مشرک سب نجس ہیں اگر یہ کسی چیز کو تر ہاتھ لگائیں یا کسی تر چیز کو چھوئیں تو وہ نجس ہو جائے گی اور ان کو نجس قرار دیا گیا تاکہ مسلمانوں کو ان سے پوری نفرت ہو جائے اور میل جول باہمی ختم ہو جائے ۔ اور ان کے اعتقادات فاسدہ کے جراثیم مسلمانوں کے اذہان پر اثر انداز نہ ہو سکیں کیونکہ باہمی دوستی اور میل ملاپ اعتقادات میں تعدی کا باعث بن جایا کرتے ہیں مذہب امامیہ میں ناصبی خارجی اور غالی بھی کفار و مشرکین کی طرح نجس ہیں لہٰذا اہل ایمان کو ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا ضروری ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا
اے ایمان والو تحقیق مشرک پلید ہیں ، پس نہ نزدیک جائیں
يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ
مسجد حرام کے بعد اس سال کے اور اگر ڈرو فقر سے تو عنقریب
خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۚ
غنی کر دے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے تحقیق اللہ

وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً

جب کفار کو حرم کعبہ میں داخلہ کی ممانعت ہوئی تو مسلمانوں کو ڈر پیدا ہوا کہ ہماری تجارت میں کمی واقع ہو جائے گی تو خداوند کریم ان کی تسلی و تشفی فرما رہا ہے کہ اس کا تدارک وہ خود اپنے فضل سے فرما دے گا چنانچہ کہتے ہیں اس کے بعد یمن و جدہ کے لوگ مشرف باسلام ہوئے تو انہوں نے اونٹوں گھوڑوں اور خچروں پر غلہ لاد کر اہل مکہ کے گھروں میں پہنچا دیا اور ان کی کسر پوری ہو گئی پھر خداوند کریم نے مسلمانوں کو فتوحات دیں جن کی غنیمتوں سے وہ مالا مال ہو گئے

اِنْ شَآءَ مشیت کا ذکر اس لیے ہے کہ انسان اپنے رزق کی وسعت کو صرف اسباب خارجیہ کا مرہون منت قرار نہ دے بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھے اگر وہ چاہے تو بلا اسباب ظاہریہ رزق فراوانی سے بھیج دیتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے ۔ تو اسباب ظاہریہ کی کثرت بھی مفید ثابت نہیں ہوتی ۔

مشرکین و کفار کی نجاست کے بارے میں رازی کی تحقیق

اہل سنت کا امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر ج ۴ مطبوعہ مصر ص ۴۱۸ پر آیت مجیدہ کی تفسیر میں رقمطراز

ہے کہ صاحب کشاف نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اِنَّ اَعْیَانَھُمْ نَجِسَۃٌ کَالْکِلَابِ وَالْخَنَازِیْرِ یعنی وہ کتے اور سور کی طرح نجس العین ہیں اور آگے چل کر کہتا ہے واما الفقہاء فقد اتفقوا علی طہارۃ ابدانھم ترجمہ لیکن تمام فقہاء، ابوحنیفہ، شافعی احمد بن حنبل اور مالک وغیرہ نے ان کی جسمانی طہارت پر اتفاق کیا ہے اور اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔ واعلم ان ظاہر القرآن یدل علی کونھم انجاسا فلا یرجع عنہ الا بدلیل منفصل۔ ترجمہ یہ جانو کہ ظاہر قرآن ان کے نجس ہونے پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اس ظاہر سے عدول نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ کوئی الگ دلیل موجود نہ ہو نیز یہاں اجماع کا دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اس کے بعد فقہاء کی دلیلوں کو ذکر کیا ہے جو کافر و مشرک کی جسمانی طہارت پر انہوں نے قائم کی ہیں پھر ان سب کا جواب مختصر لفظوں میں اس طرح دیا ہے واعلم ان کل ھذہ الوجوہ عدول عن الظاہر بغیر دلیل یعنی جو کچھ فقہاء نے اپنے مسلک کی تصحیح کے لیے ذکر کیا ہے وہ سب قرآن مجید کے ظاہر سے بلا دلیل منہ پھیرنے کے مترادف ہے بہرکیف رازی کے نزدیک کفار و مشرک نجس العین ہیں اور اس کے نزدیک فقہاء اہل سنّت کے اقوال بلا دلیل ہیں۔

اس کے بعد اس نے ایک عجیب پتے کی بات لکھی ہے کہ ابوحنیفہ اور اس کے شاگردوں کے نزدیک محدث (خواہ حدث اصغر رکھتا ہو یا حدث اکبر) کے اعضا نجس ہیں چنانچہ اس بنا پر انہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ وہ پانی جو وضو اور غسل جنابت میں استعمال ہو (بدنی ظاہری طہارت کے بعد) وہ نجس ہے یہ الگ بات ہے کہ ابویوسف کے نزدیک وہ نجاست خفیفہ ہے اور حسن کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے بہرکیف اس بات پر متفق ہیں کہ محدث کے اعضا نجس ہیں اور ان کو چھونے والا پانی بھی نجس ہو جاتا ہے لیکن قرآن مجید ان کے اس قول کو باطل قرار دیتا ہے کیونکہ فرماتا ہے اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ اور اِنَّمَا کلمہ حصر ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں میں صرف مشرک ہی نجس ہیں اور بس، پس محدث کے اعضا کی نجاست کا قول مفہوم قرآن کے خلاف ہے کیوں کہ قرآن کا مفہوم کہتا ہے کہ صرف مشرک نجس ہے اور مومن نجس نہیں ہے لیکن ان لوگوں نے بالکل اس کا الٹ کیا ہے کہ مومن بعض حالات میں جب کہ محدث ہو نجس ہے اور مشرک کسی بھی حالت میں خواہ وہ محدث بھی ہو نجس نہیں ہے اور اسی بنا پر وہ اس کے قائل ہیں کہ مشرک کے اعضا سے مس شدہ پانی نجس نہیں ہے خواہ وہ کسی حالت میں ہی ہو اور مومن کے اعضا سے مس شدہ پانی نجس ہے حتیٰ کہ ان کے نزدیک اکابر انبیاء علیہم السّلام کا حدث میں استعمال شدہ پانی بھی نجس ہے اور اس پر جس قدر تعجب کیا جائے کم ہے اس کے بعد رازی نے قرآن وحدیث واجماع سے ثابت کیا ہے کہ مومن کسی وقت بھی نجس نہیں ہوا کرتا۔

تعجب بالائے تعجب

بے شک اس منطقی نتیجہ سے فخر الدین رازی کو بہت زیادہ روحانی کوفت ہوئی ہے اور ان کا تعجب آخر عمر تک ختم نہیں ہو سکا کہ آخر فقہاء نے متفقہ طور پر ظاہر قرآن کے خلاف اکٹھ کیوں کر لیا لیکن ہمیں تو خود رازی کے استعجاب پر تعجب ہوتا ہے کہ جن کو امام تسلیم کرتا ہے خواہ قرآن کی مخالفت

کریں یا موافقت تو پھر ان کو تنقید کا نشانہ بنانے کی کیا ضرورت ہے بلکہ ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہیے لیکن اگر تحقیق کا مادہ طبیعت میں ہے اور حق کی تلاش میں قدم آگے بڑھانا ہے تو ذرا تعصب کی عینک اُتار کر اپنے نظریے کا جائزہ لے لے کہ رسول نے کیا فرمایا تھا کہ قرآن کی تفسیر ایسے لوگوں سے دریافت کرو جو خود قرآن فہمی سے قاصر ہوں اُنہوں نے تو بار بار ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک قرآن دوسرے اہل بیت اگر قرآن فہمی کے لیے اہل بیت اطہار کے دروازے پر جھکا ہوتا تو اس ذہنی کوفت میں مبتلا کیوں ہوتا خدا اس تعصب کا بیڑا غرق کرے کہ باوجود جاننے کے کہ یہ امام قرآن کو نہیں سمجھ سکتے تاہم امام انہی کو ہی کہتا ہے اور اہل بیت کو اہل سمجھنے کے باوجود ان سے دُور ہے۔

نجاست کے بلیے دو اہم سبب ہیں (۱) یہ کہ اس چیز کے اثرات بد کی تعدی سے بچنا مطلوب ہو (۲) وہ چیز بنفسہ ایسی ہو کہ طبیعت انسانی اس سے متنفر ہو یعنی وہ چیز خبائث میں سے ہو پس ہر نجس چیز ان دو باتوں میں سے خالی نہ ہوگی۔

وہ چیزیں جو نجس العین ہیں۔

(۱) پیشاب (۲) پاخانہ۔ ارشاد قرآنی ہے۔ ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص حاجات ضروریہ سے فارغ ہو کر آئے اور پانی میسر نہ ہو تو تیمم کرے زمین سے۔ اس حکم قرآنی کے مفہوم سے پیشاب و پاخانہ کا نجس ہونا صاف ظاہر ہے۔ عقلی طور پر اگر دیکھا جائے تو تمام عقلائے زمانہ خواہ مسلمان ہوں یا کافر پیشاب و پاخانہ کو نجس اور واجب الاجتناب جانتے ہیں۔ (۳) منی خواہ انسانی ہو یا غیر انسانی اس کی نجاست بھی حسب سابق معلوم ہے (۴) خمر (شراب) خواہ کسی قسم کی ہو قرآن میں اس کو رجس کہا گیا ہے۔ (۵) میتہ (مردار) خواہ آدمی کا ہو یا کسی حیوان کا نجس ہے البتہ آدمی کے مردہ کو غسل پاک کر دیتا ہے اور حیوان پاک اگر تکبیر کے ساتھ صحیح ذبح کیا جائے تو اس کا مردہ پاک ہو گا ورنہ مردہ نجس ہو گا۔

(۶) خون۔ ہر قسم کا نجس ہے بشرطیکہ خون جہندہ رکھنے والے جانور کا ہو البتہ ذبح شدہ جانور سے حسب معمول خون نکل جانے کے بعد جو اندر بچ جاتا ہے وہ پاک ہے اسی طرح جس جانور کا خون جہندہ نہ ہو مثلاً مچھر پسو وغیرہ تو اس کا خون بھی پاک ہے اور نجس العین جانور کے خون اور عورت کے مخصوص ہر سہ خون کے علاوہ، کا خون درہم بغلی سے کم نمازی کے لیے لباس یا بدن سے معاف ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ درہم بغلی سے کم خون پاک ہو گا بلکہ وہ ہو گا تو نجس اور دوسری تر چیز سے لگے گا تو اس کو بھی نجس کریگا لیکن نماز میں خون کی اتنی مقدار معاف کر دی گئی ہے (۷) خنزیر (۸) کتا۔ (۹) کافر و مشرک، چنانچہ فرق اسلامیہ میں سے ناجی، خارجی اور غالی بھی انہی کے حکم میں ہیں اور ان کی وجہ نجاست پانچویں جلد میں ملاحظہ ہو۔

اہل کتاب کا حکم [۳۶]

کافر کا وجود خدا کی پاک و پاکیزہ زمین پر ایک ناپاک دھبہ ہے۔ جو اہل حق کی پر امن زندگی کے لیے ہر وقت باعث خطرہ ہے پس اس ناپاک دھبہ کو ہٹانا ضروری قرار دیا گیا اس سے پہلے مشرکین کے متعلق یہی خطاب تھا اور اب اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے متعلق فرما رہا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ کہ اہل کتاب ہیں سے جو لوگ دین حق کو قبول نہیں کرتے ان کو قتل کر دو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر جزیہ پیش کریں اور جزیہ کی صورت میں ان سے قتل کو اٹھا لیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی جزیہ کی زندگی قابل رشک زندگی نہیں تاکہ ان کے خیالات کی تعدی کا خطرہ ہو پس ایسی صورت میں ان کی بقا اسلامی تعلیمات ہیں مخل ثابت نہیں ہوتی اور ان کی آئندہ نسلیں خود بخود اپنی پست زندگی سے ترقی کرکے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اوج اسلام کی طرف قدم رکھنے کا شوق پیدا کریں گی، اور اس طریقہ سے زمین خدا دین حق والوں کی پُر امن قرار گاہ بن جائے گی مذہب امامیہ میں کفار و مشرکین کی طرح یہود و نصاری و مجوس وغیرہ سب نجس العین ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ

دانا بینا ہے — لڑو ان سے جو نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور نہ روز آخرت پر

الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ

اور نہیں حرام کرتے وہ جو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور نہیں قبول کرتے دین حق کو

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

ان لوگوں میں سے جو کتاب دیے گئے حتی کہ دیں جزیہ دست بدست درحالیکہ وہ ذلیل ہوں۔

آیت مجیدہ کے مضمون سے واضح ہے کہ اہل کتاب کے لیے تین چیزوں ہیں سے ایک ہے اسلام یا قتل یا جزیہ پس اگر اسلام لائیں تو قتل و جزیہ ختم لیکن اگر اسلام کو قبول نہ کریں تو پھر اگر جزیہ مان لیں تو قتل سے بچ جائیں گے ورنہ قتل کیے جائیں گے۔ اور ان کا مال غنیمت ہو گا اور عورتیں بچے قید ہو کر غلامی و کنیزی میں آجائیں گے۔

کفار و مشرکین کے لیے جزیہ نہیں ہے بلکہ یا قتل یا اسلام اور ان کا حکم یہ ہے کہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں ان کے مردوں کو قتل کیا جائے گا اور ان کا مال غنیمت ہو گا اور ان کی عورتیں بچے اسیری میں آجائیں گے۔

معصوم سے سوال کیا گیا کہ عورتوں سے جزیہ کیوں ساقط ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ دار الحرب میں عورتوں اور بچوں کے قتل کی خدا نے نہی فرمائی سوائے اس کے کہ وہ لڑیں بلکہ ان کے لڑنے کی صورت میں بھی حتی الوسع ان کے قتل سے گریز کیا جائے بشرطیکہ کسی اہم نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو جب دار الحرب میں رہتے ہوئے ان کا قتل جائز نہیں تو دار الاسلام میں ان کا قتل کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اب اگر عورت جزیہ سے انکار کر دے تو اس کو قتل تو کیا نہیں جا سکتا پھر اس کی وصولی کی دوسری کیا صورت ہو سکتی ہے بخلاف اس کے کہ اگر مرد جزیہ سے انکار کرے گا تو یہ اس کی عہد شکنی متصور ہو گی پس اس کا قتل مباح ہو جائے گا جیسا کہ دار الحرب میں بھی اس کا قتل مباح تھا لہذا عورت سے جزیہ معاف ہے اور اپاہج اندھے اور بہت بوڑھے اور بچے بھی اسی حکم میں ہیں کہ ان کا قتل ناجائز ہے مگر بصورت

مجبوری ؛ ادران سے جزیہ بھی معاف ہے ۔ نیز پاگل اور دیوانے لوگوں سے بھی جزیہ معاف ہے ۔
معصوم سے سوال کیا گیا کہ اہل کتاب ذمی سے جزیہ کی کوئی حد بھی مقرر ہے تو آپ نے فرمایا اس کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ امام وقت کو اس میں اختیار حاصل ہے جس انسان سے جو چاہے وصول کر سکتا ہے وہ جزیہ دینے والے کی حیثیت کو دیکھے گا اس لیے کہ جزیہ ان کے سر کا فدیہ ہے انہوں نے قتل و غلامی کے بدلہ میں یہ چیز اپنے اُوپر قبول کی ہے لہٰذا جب تک مسلمان نہ ہوں گے وہ امام کی مرضی کے مطابق جزیہ ادا کرتے رہیں گے پس امام اگر چاہے تو جزیہ ان کے سروں پر رکھ دے اور چاہے تو ان کے مالوں اور دیگر آمدنیوں پر رکھ دے

ایک روایت میں ہے کفار مکہ نے خواہش کی تھی کہ ہم سے جزیہ وصول کیا جائے تو حضور نے جواب دیا تھا کہ ہم جزیہ صرف اہل کتاب سے لے سکتے ہیں تم لوگوں کے لیے صرف دو چیزیں ہیں یا اسلام یا قتل تو انہوں نے کہا تھا کہ مجوسی بھی تو ہم جیسے ہیں پھر ان سے آپ جزیہ کیوں قبول کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا تھا کہ نہیں بلکہ وہ ایک نبی کی اُمت تھے اور انہوں نے اس کو قتل کر کے اس کی کتاب کو جلا دیا تھا یعنی وہ صاحب کتاب ہیں، جزیہ قبول کر لینے کے بعد اہل کتاب ذمی کافر کہلائیں گے اب ان کی جان و مال و عزت سب محفوظ ہوگی اور حدود و تعزیرات میں یہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں گے اور شرائط ذمہ کی مخالفت سے وہ ذمہ سے خارج ہوں گے پھر حربیوں کی طرح ان سے برتاؤ کیا جائے گا۔

رکوع ۱۱

یُضَاهِئُوْنَ مضاہاۃ باب مفاعلہ سے ہے اس کا معنی ہوتا ہے مشابہت ہم نے مرادی معنی نقل اُتارنا کیا ہے۔ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ پانچ گروہوں کے لوگ حضرت رسالتمآبؐ کی بارگاہِ فیض میں حاضر ہوئے یہود۔ نصاریٰ، دہری ثنوی اور مشرک یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے نصرانیوں نے کہا حضرت عیسےٰ اللہ کے فرزند ہیں دہریوں نے عالم کو قدیم کہا ثنویوں نے نور و ظلمت دو خداؤں کا دعویٰ کیا اور مشرکوں نے اپنے بتوں کی عبادت کو پیش کیا اور ہر ایک نے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ اتفاق کریں تو پھر ہم آپ سے افضل ثابت ہوں گے اور اگر آپ انکار کریں گے تو ہم مناظرہ کے لیے حاضر ہیں حضور نے ان سب لوگوں کی باتوں کو سن کر اپنے ایمان

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى
کہا یہودیوں نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصرانیوں نے مسیح
الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ
اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں نقل اتارتے ہیں ۔ ان
قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾
کافروں کی بات کی جو پہلے گزرے لعنت ہو ان پر اللہ کی کیسے جھوٹ میں پڑ جاتے ہیں

کا اظہار فرمایا اس کے بعد آپ نے سب سے پہلے یہودیوں سے اپنے نظریہ کی دلیل طلب فرمائی تو انہوں نے کہا حضرت عزیر نے تورات کے چلے جانے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کیا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کا بیٹا ہے آپ نے فرمایا، کہ عزیر توالد و تناسل کے طریقہ پر خدا کا بیٹا ہے یا اکرام کی وجہ سے بمنزلہ فرزند کے ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ توالد و تناسل کے لحاظ سے خدا کا بیٹا کہنا تو کفر ہے بلکہ چونکہ خدا نے عزیر کو خاص عزت و کرامت بخشی تھی لہذا وہ بمنزلہ بیٹے کے ہے جس طرح کوئی عالم اپنے پیارے شاگرد کو بیٹا کہہ دیا کرتا ہے حالانکہ وہ اس کا نسبی بیٹا نہیں ہوتا حضور نے فرمایا پھر اس لحاظ سے تو حضرت موسےٰ حضرت عزیر سے بلند تر ہیں کیونکہ ان کی عزت و منزلت خدا کے نزدیک زیادہ تھی اور اس پر اصل تورات نازل ہوئی تھی تو جس طرح پیار و اکرام کی وجہ سے چھوٹے کو بیٹے سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اکرام کی بنا پر بڑے کو بھائی یا چچا یا بابا کہا جاتا ہے بنا بریں اگر عزیر اکرام کیوجہ سے خدا کا بیٹا ہے تو حضرت موسےٰ کو خدا کا بھائی یا چچا یا بابا ماننا چاہیے حضور کا فرمان و استدلال سن کر یہودی خاموش ہو گئے۔ پھر آپ نصاریٰ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کیا خدائے قدیم نے حادث

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ

بنایا اپنے عالموں اور عبادت گذاروں کو رب بجائے اللہ کے اور

وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰھًا وَّاحِدًا ج

عیسےٰ بن مریم کو حالانکہ نہیں حکم دیے گئے مگر یہ کہ عبادت کریں معبود

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط سُبْحٰنَہٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝۳۱

ایک کی کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے پاک ہے وہ اس سے جس کو وہ شریک کرتے ہیں

ہو کر عیسےٰ کو بیٹا بنایا یا عیسےٰ قدیم ہو کہ خدائے قدیم کا بیٹا بنا حالانکہ عقلاً قدیم کا حادث یا حادث کا قدیم ہونا محال ہے اور اگر ازراہ اکرام خدا کا بیٹا ہے تو تمہارا جواب وہی ہے جو یہودیوں کا سن چکے ہو ان میں سے ایک نے کہا جس طرح تم ابراہیم کو خلیل اللہ کہتے ہو ہم عیسیٰ کو ابن اللہ کہتے ہیں اگر وہ درست ہے تو یہ بھی درست ہے آپ نے فرمایا خلیل مشتق ہے خَلّہ سے جس کا معنی ہے فقر و احتیاج چنانچہ جب آتش نمرود میں ڈالے گئے اور حضرت جبرئیل نے آکر پوچھا کہ اگر مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں حضرت ابراہیم نے جواب دیا حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ پس خدا نے اس کا لقب خلیل اللہ رکھا یعنی وہ اللہ کے علاوہ کسی کی طرف حاجتمند نہیں ہوتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلّہ تخلل کے معنی میں ہو یعنی وہ خداوند کریم کے اسرار و صفات میں دسترس رکھتے تھے پس خلیل اللہ کا معنی ہے عارف باللہ، لہذا خلیل اللہ پر ابن اللہ کا قیاس کرنا ناجائز ہے۔ پس اگر اکرام کی وجہ سے عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہنا جائز ہے تو حضرت موسےٰؑ کے لیے پھر کیا خطاب تجویز کرو گے انہوں نے کہا کہ حضرت عیسےٰؑ نے خود فرمایا تھا کہ میں اپنے باپ کی طرف جاتا ہوں آپ نے فرمایا انہوں نے تو کہا تھا کہ میں اپنے

اور تمہارے باپ کی طرف جاتا ہوں لہٰذا صرف حضرت عیسیٰ نہیں بلکہ وہ تمام لوگ بھی ابناء اللہ ہوں گے جن کے متعلق حضرت عیسےٰ نے فرمایا تھا پھر فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ باپ سے مُراد آدمؑ یا نوحؑ ہوں جو سب کے باپ ہیں اور حضرت عیسےٰ کا مطلب یہ ہو کہ میں حضرت آدم یا حضرت نوح کے پاس جاتا ہوں یعنی اُٹھائے جانے کے بعد میں ان کی صحبت میں ہوں گا۔ پس وہ لاجواب ہو گئے۔

پھر دہریوں سے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر لیل و نہار سب قدیم ہیں یعنی ابتداء ہیں ان کی کوئی حد نہیں تو یہ بتاؤ زمانہ کا یہ حصّہ آج کل والا تم تک کیسے پہنچ گیا جب کہ اس کی پہلے کوئی حد و انتہا نہیں ہے نیز موجودات عالم سب ایک دوسرے کے محتاج ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا واقعی موجودات کو ایک دوسرے کی احتیاج ہے آپ نے فرمایا اگر ایک دوسرے کی طرف محتاج ہونے والے تمام عالمی موجودات قدیم ہیں تو مجھے حادث کا معنی سمجھایئے یہ سُن کر ان کو جواب نہ آسکا اور خاموش ہو گئے

پھر ثنویوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تمہاری دلیل کیا ہے انہوں نے کہا چونکہ دنیا میں دو چیزیں ہیں خیر یا شر یعنی اچھی چیزیں ہیں یا بُری اور دونوں کا خالق ایک تو ہو نہیں سکتا لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ خالق دو ہیں ایک خالق خیر اور دُوسرا خالق شر خالق خیر کو نور کہتے ہیں اور خالق شر کو ظلمت سے تعبیر کرتے ہیں آپ نے فرمایا اگر ضدیں صرف دو ہوں تو خالق دو ہوں گے لیکن اگر ضدیں زیادہ ہوں مثلاً رنگ کی قسمیں سفید سیاہ سرخ زرد سبز وغیرہ اور ہر رنگ دوسرے کی ضد ہے لہٰذا چاہیے کہ ہر رنگ کے لیے خدا الگ الگ ہو اور نیز یہ بتاؤ کہ جب دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں تو دونوں کے اجتماع سے یہ عالم کیسے خلق ہوا۔ تمہارے قاعدے سے اس کی تخلیق محال ہونی چاہیے تو وہ بھی سن کر مبہوت اور لاجواب ہو گئے۔

آخر میں مشرکین سے خطاب فرمایا انہوں نے بُت پرستی کی وجہ بتلائی کہ ہم قرب خدا کے لیے ایسا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا ان کو تم لوگ اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو پس تم ان کے صانع ہو حق تو یہ تھا کہ اگر ان میں عقل ہوتی تو وہ تمہاری عبادت کرتے نہ کہ تم کو اپنی عبادت کی دعوت دیتے اور خدا اجل ہے کہ اپنی قربت کے لیے کسی صانع کو مصنوع کی عبادت کی دعوت دے اس کے بعد کافی بحث ہوئی اور آخر میں وہ لاجواب ہو گئے۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور کو برحق نبی مبعوث فرمایا تین روز نہیں گذرنے پائے تھے کہ پچیس آدمی یعنی ہر گروہ سے پانچ پانچ آدمی خدمت اقدس میں پہنچ کر مشرف باسلام ہوئے

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ تفسیر برہان کی متعدد روایات میں ہے کہ ان لوگوں نے احبار و رہبان کی پرستش نہیں کی تھی۔ اور نہ ان کو احبار و رہبان نے اپنی عبادت کی دعوت دی تھی۔ بلکہ معصیت خدا میں یہ لوگ ان کی اطاعت کرتے تھے لہٰذا ان کو کہا گیا کہ انہوں نے احبار و رہبان کو اپنا رب بنایا ہے یعنی اگر وہ حرام کو حلال بناتے یا حلال کو حرام بناتے تو یہ لوگ بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلتے تھے اس لیے ان کی مذمت کی گئی ہے کاش جن لوگوں نے آل محمدؐ کے علاوہ غیروں کی اقتدار کو دین سمجھا وہ ان آیات سے عبرت حاصل کرتے۔

maablib.org

یُرِیْدُوْنَ ۔ اس کا ترجمہ شاعر نے اُردو میں خوب کیا ہے ع

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن — پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ھُوَ الَّذِیْ بروایت ابو بصیر امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا اس آیت مجیدہ کی تاویل ابھی تک نہیں کھلی اور وہ اس وقت کھلے گی جب حضرت قائم آل محمدؐ علیہ السّلام تشریف لائیں گے پس جب آپ کا خروج ہو گا تو اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا اور امامت کے ساتھ شریک کرنے والا کوئی بھی ایسا نہ ہو گا جو امام کے خروج کو پسند کرتا ہو پس اس وقت اگر کوئی کافر پتھر کے اندر بھی چھپ کر پوشیدہ ہو گا تو پتھر پکار کر کہے گا اے مومن! میرے اندر ایک کافر

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَیَاْبَى اللّٰهُ
چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنے پھونکوں سے اور نہیں چاہتا اللہ مگر یہ

اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ
کہ پورا کرے گا اپنے نور کو اگرچہ ناپسند کریں کافر وہ وہ

الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ
ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ساتھ ہدایت کے اور دین حق

الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○
کے تاکہ غالب کرے اس کو اوپر سب دینوں کے اگرچہ ناپسند کریں مشرک ۔

پوشیدہ ہے اس کو نکال کر قتل کر۔ **لِیُظْهِرَهٗ** ، اس غلبہ سے مراد اگر غلبۂ دلیل و برہان لیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ اسلام اس لحاظ سے تمام دینوں پر غالب ہے اور اگر غلبہ سے مراد اقتدار ظاہری ہو تو وہ حقیقتاً اس وقت ہی ہو گا جبکہ حضرت صاحب الامر کا ظہور ہو گا جیسا کہ روایت میں ہے کہ اس وقت دین اسلام ہر دین پر غالب ہو گا اور اس وقت کے آنے سے قبل قیامت آ ہی نہیں سکتی، پس خدا کا فرمان پورا ہو کر ہی رہے گا اور مقداد سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ سے سنا کہ پشت زمین پر کوئی کچا یا پکا گھر ایسا نہ بچ سکے گا جس میں اسلام داخل نہ ہو خواہ اس کو باعزت قبول کریں یا ذلیل و رسوا ہو کر اس کے حلقہ میں داخل ہوں تفسیر صافی میں بروایت اکمال حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جس طرح فرعون نے موسٰیؑ کو ختم کرنے کے لیے بنی اسرائیل کی عورتوں کے پیٹ چاک کروا دیے تھے اسی طرح بنی عباس اور بنی امیہ کو جب معلوم ہوا کہ جابروں اور ظالموں کا اقتدار حضرت قائم آل محمدؐ کے ہاتھوں ختم ہو گا تو انہوں نے آل محمدؐ کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا اور نسل رسولؐ کی تباہی کے درپے ہوئے لیکن خدا کا نور پھیل کر ہی رہے گا۔

بروایت عیاشی حضرت امام محمدؐ باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہمارے قائم کی رعب سے تائید ہو گی زمین کی اطراف

سمٹ جائیں گی خزانے ظاہر ہوں گے مشرق سے مغرب تک ان کی حکومت ہو گی خدا ان کے ذریعے اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب کرے گا زمین آباد ہو گی اور حضرت عیسٰے اتر کر ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے ۔

مال جمع کر جانے والوں کو تنبیہ

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ یہودی علماء و راہب لوگ عوام سے کئی ناجائز طریقوں سے پیسے بٹورتے تھے حکم میں رشوت لے کر بڑے بڑوں کی خوشامد کر کے اور امیروں و رئیسوں کی مرضی کے مطابق فتوٰی دے کر وغیرذلک پس خداوند کریم ان کی برائی بیان فرما کر اہل اسلام کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ اس طرح کما کر پیٹ بھرنا حرام ہے اور یہودیوں کا صریح ذکر کر کے مسلمانوں کو کنایہ کے رنگ میں منع فرما رہا ہے اور یہ طریقہ تبلیغ نہایت احسن و ابلغ سمجھا جاتا ہے ۔

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ

اے ایمان والے تحقیق بہت سے (یہودیوں کے) عالم و عابد کھاتے ہیں

وَالرُّهْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ

مال لوگوں کا غلط طریق سے اور روکتے

عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

ہیں اللہ کے راستہ سے اور جو لوگ خزانہ کرتے ہیں سونا اور چاندی اور ان کو

وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ ۳۴

نہیں خرچ کرتے راہ خدا میں تو ان کو خوشخبری دو دردناک عذاب کی

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ مجمع البیان میں حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے وہ خزانہ ہے خواہ زمین کے اوپر ہی ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا کی جائے، وہ خزانہ نہیں خواہ زمین کے نیچے دفن کر دیا جائے ۔

اَلذَّهَبَ اس کو ذہب اس لیے کہا جاتا ہے کہ چلے جانے والی چیز ہے کیوں ذہاب کا معنی جانا ہوتا ہے اور فضہ کو فضہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ تقسیم ہو جانے اور بٹ جانے والی چیز ہے پس ان دونوں کے نام ان کے فنا ہو جانے پر دلالت کرتے ہیں پس ان سے دل لگانا اور محبت کرنا فضول ہے پس اسی قدر اپنے پاس رکھے جس قدر اپنا گذارا ہو سکے ۔

وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا یہ لفظ بتلاتا ہے کہ عذاب کی پیش کش ان جمع کرنے والوں کے لیے ہے جو اپنے اموال سے حقوق مالیہ کی ادائیگی سے گریز کرتے ہیں ورنہ جو لوگ اپنے حقوق ادا کرنے والے ہوں زکوٰۃ ادا کریں خمس دیں دیں اور حج میں پیسہ لگائیں اسی طرح دوسرے امور خیر مثلاً خیرات صدقات صلہ رحمی عزاداری وغیرہ میں بھی خرچ کریں اور پھر ان کے پاس پیسہ بچ رہے اور اپنے پاس کچھ چھوڑ کر مر جائیں تو وہ اس سرزنش سے یقیناً بری ہوں گے پس یہ ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے جو اپنے مال سے حقوق ادا نہیں کرتے بلکہ ایسے لوگ اگر اپنا تمام پیسہ حرام کاریوں بدمعاشیوں میں فنا کر کے جائیں تب

بھی بروز محشر ان خزانہ کرنے والوں کے ساتھ شریک عذاب ہوں گے جو بچا کر گئے تھے دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو کنوں کنجروں اور اوباشوں پر پانی کی طرح پیسہ بہا دیتے ہیں لیکن دین خدا کی ایک پیسہ سے امداد نہیں کرتے بدمعاش ان کے ہاں زردے گوشت پلاؤ وغیرہ صبح شام کھاتے ہیں اور فقیر و مسکین کو ان کے دسترخوان سے ایک خشک روٹی بھی بمشکل نصیب ہوتی ہے۔ سینماؤں، کلبوں ناچ گانوں اور سیر و تماشہ کے لیے ہزاروں روپے خرچ کیے جاتے ہیں لیکن زکوٰۃ و خمس میں ایک دمڑی کا خرچ کرنا بار خاطر ہوتا ہے ایسے لوگ بروز قیامت سخت ترین عذاب کے حق دار ہوں گے۔ انہی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ

جس دن گرم کیا جائے گا ان پر دوزخ کی آگ کو پس داغ دیا جائے گا ان کے

وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ

منہ اور پہلوؤں اور پشتوں کو کہ یہ وہ ہے جو تم نے

لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ ۳۵

خزانہ کر رکھا تھا اپنے لیے پس چکھو وہ جو تم جمع کرتے تھے۔

تکوی بہا یعنی ان کے منہ پہلو اور پشتوں پر ان کی جمع شدہ رقوم کو آتش جہنم میں گرم کر کے داغ دیے جائیں گے پس جب وہ لوگ درد و عذاب سے چیخیں گے۔ اور چلائیں گے تو ان کو جواب ملے گا گھبراتے کیوں ہو یہ تمہارا اپنا جمع کردہ مال ہے جو دنیا میں چھوڑ کر آئے تھے اب وہ وصول کر لو اور اس کو چکھو روی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور نے تین مرتبہ فرمایا تَبًّا لِلذّھب والفضۃ۔ تو اصحاب پر یہ چیز شاق گذری حضرت عمر نے پوچھا یا رسول اللہ پھر ہم کون سا مال جمع کریں تو آپ نے فرمایا زبان ذاکر دل شاکر اور عورت مومنہ جو دین میں تمہاری ممد و معاون ہو۔

اور بعض نے کہا ہے منہ سے مراد بدن کا اگلا حصہ اور جنب سے مراد دو نوں طرفین اور پیٹھ سے مراد بدن کا پچھلا حصہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے جسموں کے تمام اعضاء داغ دیے جائیں گے۔ اور ان کا تمام جسم مبتلائے عذاب کیا جائے گا۔ اس وقت اس پیسہ جمع کرنے یا خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے کا وبال معلوم ہو گا لیکن وہاں اس کا کوئی علاج نہ ہو سکے گا پس نیک بخت ہے وہ انسان جو دنیا میں سنبھل جائے اور اپنی عاقبت کی فکر کرے۔

بارہ مہینے ۳۶ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ کہتے ہیں یہودی لوگ اور ان کے علاوہ کئی قومیں وہ سال ۱۲ مہینے قمری شمار کرتے تھے اور تیسرے سال کے مہینے تیرہ بنا دیتے تھے تا کہ شمسی حساب سے موسم میں تبدیلی واقع نہ ہو تو خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں مسلمانوں کو ہمیشہ بارہ مہینوں کے شمار کا حساب بتایا ہے۔ اور دین

کا معنی حساب بھی ہوتا ہے پس اس جگہ فرمایا کہ یہ حساب سیدھا ہے وہ بارہ مہینے یہ ہیں (۱) محرم وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ عرب اس مہینے کی عظمت وحرمت کے قائل تھے حتےکہ اس ماہ میں اگر کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل کو کہیں تنہا بھی پالیتا تھا تو اس سے انتقام نہ لیتا تھا لیکن کس قدر نااہل اور ناقدر شناس تھے وہ لوگ جنہوں نے اس حرمت والے

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ
تحقیق تعداد مہینوں کی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں کتاب خدا میں جس
اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ
دن پیدا کیا آسمان اور زمین کو ان میں سے چار حرمت والے ہیں
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا
یہ دین سیدھا ہے ۔ پس نہ ظلم کرو اپنے نفسوں پر اور لڑو مشرکوں تمام
الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝
سے ۔ جس طرح وہ لڑتے ہیں تم سب سے اور جانو تحقیق اللہ ساتھ ڈرنے والوں کے ہے

مہینے میں اپنے رسول کی عزت کو ظلم کا نشانہ بنایا اور ان کو بے گناہ قتل کر ڈالا (۲) صفر اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی ہے کہ چونکہ یہاں حرمت والے مہینے ختم ہو جاتے تھے اور لوگوں کے لیے وقت کی حُرمت کی پابندی باقی نہ رہتی تھی پس گھروں سے نکل کھڑے ہوتے حتی کہ مکہ مردوں سے خالی ہو جاتا تھا اور صفر کا معنی بھی یہی ہے (۳) ربیع الاوّل (۴) ربیع الثانی، ان دو مہینوں میں زمین کی سرسبزی وشادابی کی بنا پر نام تجویز کئے گئے (۵) جمادی الاولی (۶) جمادی الثانیہ پانیوں کی خشکی اور جمود کی وجہ سے ان کے یہ نام تجویز ہوئے (۷) رجب کیوں کہ یہ مہینہ بھی حرمت والا ہے اور اس میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے تھے اور رجب کا معنی بے کار ہونے سے ملتا جلتا ہے حضرت رسالتمآبؐ سے ایک روایت منقول ہے کہ جنت میں ایک نہر ہے جس کا پانی برف سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ شیریں ہے جو شخص ماہِ رجب میں کم از کم ایک دن بھی روزہ رکھے گا، اس کے لیے اس نہر پر تصرف کی اجازت ہو گی (۸) شعبان، شعب کا معنی ہے شاخ اور حضورؐ نے فرمایا اس کو شعبان اس لیے کہتے ہیں۔ کہ اس میں نیکی کی شاخیں پھوٹتی ہیں یعنی ایک نیکی چند در چند نیکیوں کے برابر ہوتی ہے (۹) رمضان کہتے ہیں یہ اللہ کے ناموں میں سے ہے اور یہ مہینہ بالخصوص اللہ کی طرف منسوب ہے نیز اس کا معنی ہے گرمی اور روزہ دار کو بوجہ روزہ کے گرمی و خشکی کا سامنا کرنا پڑتا ہے خواہ سردیوں کا موسم ہی کیوں نہ ہو (۱۰) شوال یہ شول سے ہے جس کا معنی ہے چھوڑ دینا چونکہ عرب اس ماہ میں اپنے مکانوں کو چھوڑ دیتے ہیں اس لیے اس کو شوال کہا جاتا ہے (۱۱) ذوالقعدہ۔ قعدہ کا معنی ہے بیٹھ جانا اور چونکہ یہ حرمت والا مہینہ ہے اس میں بھی عرب جنگ وجدال سے رک کر بیٹھ جاتے تھے پس اس کو ذوالقعدہ

کہا گیا (۱۲) ذوالحجہ، اس کی وجہ تسمیہ واضح ہے مقصد یہ ہے کہ جب ان مہینوں کے نام تجویز ہوئے اس وقت یہ مناسبات موجود تھیں پس یہ نام رکھ دیئے گئے لہٰذا بعد میں ان مناسبات کا نہ باقی رہنا ان کی وجہ تسمیہ کا منافی نہیں ہو سکتا۔

مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۔ چار حرمت والے مہینے یہ ہیں رجب ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم۔

فَلَا تَظْلِمُوْا ان حرمت والے مہینوں میں خصوصیت کے ساتھ ظلم نفس سے منع فرمایا ورنہ ہر وقت ظلم نفس ناجائز اور حرام ہوتا ہے ظلم نفس سے مُراد ہے ہر وہ کام جو فرمودۂ خدا کے خلاف ہو اور یہ ظاہر ہے کہ زمان و مکان کی سعادت و شرافت افعال و کردار کی جزا و سزا میں کمی یا زیادتی کی موجب ہو جایا کرتی ہے مثلاً نیک وقت میں نیک کام کی جزا زیادہ اور بدفعل کی سزا زیادہ ہوتی ہے مثلاً جمعہ کے دن کی عبادت اور ایام کی عبادت سے زیادہ ثواب رکھتی ہے ماہ رمضان کی عبادت خصوصاً لیالی قدر کی عبادت دوسرے مہینوں اور باقی راتوں سے بدرجہا بلند و بیش قیمت شمار ہوتی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس اسی طرح نیک مکان میں نیکی کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے چنانچہ گھر مسجد جامع مسجد، مسجد کوفہ اور مسجد الحرام میں نمازوں کے ثواب میں زمین و آسمان کا فرق ہے پس جس طرح زمان و مکان کی شرافت سے نیکی کی قیمت بڑھتی ہے اسی طرح برائی کی سزا میں بھی اضافہ ہوتا ہے عام دن کی بُرائی اور روز جمعہ کی برائی اور ماہ رمضان کے دن میں بُرائی کے عذاب میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ان ایام کے مراتب میں فرق ہے نیز عام مکان مسجد اور بیت اللہ میں بُرائی کی سزاؤں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ ان مکانات کے مدارج میں تفاوت ہے پس اسی بنا پر حرمت والے مہینوں میں تاکید سے حکم دیا گیا کہ ان مہینوں میں بالخصوص ظلم نفس سے یعنی پروردگار کی نافرمانیوں سے بچو۔

تاویل آیت تفسیر برہان میں ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ ایک دن میں امام محمدؑ باقر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا جب اور لوگ چلے گئے تو مجھے فرمانے لگے اے ابوحمزہ ہمارے قائم کی تشریف آوری محتوم ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور جو میری بات میں شک کرے وہ کافر اور منکر ہے پھر فرمایا میرا ماں باپ قربان ہو اس پر جس کا نام و کنیت میرے جیسا ہوگا اور وہ میرے بعد ساتواں ہوگا میرا ماں باپ قربان ہو اس پر جو زمین کو عدل و انصاف سے پر کرے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے پر ہو گی اے ابوحمزہ جو شخص اس کا زمانہ پائے اور اس کے لیے وہ چیز نہ تسلیم کرے جو حضرت محمد مصطفےٰؐ و علی مرتضےٰؑ کے لیے تسلیم کرتا ہے تو اس پر جنت حرام ہو گی اور اس کا ٹھکانہ آتش جہنم ہوگا اور اس مطلب پر واضح ترین اور روشن ترین خدا کا یہ فرمان ہے۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ الخ فرمایا مہینوں کا پہچاننا کہ محرم صفر الخ یہ دین قیم نہیں کیونکہ یہودی نصرانی، مجوسی اور باقی مذاہب بلکہ تمام لوگ خواہ موافق ہوں خواہ مخالف ان مہینوں کو ترتیب جانتے ہیں بلکہ اس جگہ مراد ہیں وہ امام جو اللہ کے دین کے محافظ ہیں اور محرم ان میں سے حضرت علیؑ اور ان کے تین فرزند ہیں جو اسی نام سے موسوم ہیں علی زین العابدین، علی رضا اور علی نقی کیونکہ یہ نام خداوند کریم نے اپنے نام سے مشتق فرمایا جس طرح نام محمد اپنے نام محمود سے مشتق کیا ہے۔

داؤد بن کثیر سے ایک روایت ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں موجود تھا آپ نے سماعہ سے فرمایا مجھے کھجور کا دانہ اٹھا دو پس آپ نے وہ کھا کر اس کی گٹھلی کو زمین میں دفن کیا فوراً خرما کا درخت تیار ہوا اس میں پھل لگ گیا اور خوشے تیار ہوگئے آپ نے ایک دانہ توڑا اور اس کو چیرا اس سے ایک کاغذ نکلا اس کو کھول کر فرمایا پڑھو میں نے پڑھا تو ایک سطر پر کلمۂ توحید اور دوسری سطر پر یہی آیت ان عدۃ الشھور الخ لکھی ہوئی تھی اور پھر حضرت علی سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک تمام ائمہ کے نام مندرج تھے آپ نے مجھے فرمایا اے داؤد تم جانتے ہو کہ یہ کب سے لکھا ہوا ہے میں نے عرض کی خدا اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے آپ نے مجھے فرمایا حضرت آدم کی خلقت سے دو ہزار سال قبل کی تحریر ہے۔

بروایت جابر جعفی امام محمد باقر علیہ السّلام سے مثل سابقہ روایت کے ایک حدیث مروی ہے جس میں اس بات کا اضافہ ہے کہ سال کی تاویل ہمارا نانا حضرت محمد مصطفےٰ ہے اور بارہ مہینوں کی تاویل بارہ امام ہیں جو مخلوق خدا پر حجت خدا اور اس کی وحی و علم کے امین ہیں چار حرمت والے ہیں جن کا نام علی ہے ان کا اقرار کرنا دین قیم ہے پس ان کے بارے میں خدا نے ظلم و تعدی سے منع فرمایا ہے اور ان تمام کا اقرار راہ ہدایت ہے۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ ۔ نسائ سے ہے (مہموز اللام) اور امام جعفر صادق علیہ السّلام کی قرأت اَلنَّسِیُّ منقول ہے گویا ہمزہ کو یاء سے تبدیل کیا گیا ہے عام مشہور قرأت اَلنَّسِیْٓءُ ہے بروزن فعیل۔ اور یہ کہ النذیر اور النکیر کی طرح یہ بھی مصدر ہے نہ کہ صیغہ اسم مفعول اور اس کا معنی ہے موخر کرنا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اسم کا صیغہ قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ موخر کیا ہوا مہینہ گناہ و کفر ہے حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ موخر کرنا گناہ و کفر ہے پس اس کا مصدر ہونا درست ہے

اس کی وضاحت یہ ہے۔ کہ عرب لوگ حرمت والے تین مہینوں کے پے در پے آنے سے تنگ آجاتے تھے پس وہ بعض اوقات اس میں تبادلہ کر لیتے تھے پس محرم کی جگہ صفر کو حرمت والا بناتے تھے اور محرم میں جنگ چھیڑ لیا کرتے تھے

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّ

سوائے اس کے نہیں کہ تبدیلی زیادتی کفر ہے اس کے ذریعے گمراہ کیے جاتے ہیں وہ جو کافر ہیں حلال کرتے ہیں ایک سال اور

یُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ

حرام کرتے ہیں دوسرے سال تاکہ پوری کریں تعداد اس کی جو حرام کیا اللہ نے پس حلال کرتے ہیں جس کو اللہ نے حرام

زُیِّنَ لَہُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِہِمْ وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۳۷﴾ ع

کیا زینت پائی ان کے لیے ان کے بداعمالوں نے اور اللہ نہیں ہدایت کرتا کافر لوگوں کو

پھر حسب ضرورت محرم کو ہی حرمت والا قرار دے لیتے تھے کہتے ہیں اس فیصلہ کا ٹھیکیدار بنی کنانہ کا ایک شخص تھا جس کا نام نعیم بن ثعلبہ تھا پس وہ حکم سُنا دیتا تھا کہ اس سال مثلاً محرم کی بجائے صفر حرمت والا ہوگا اور اس کے بعد

جنادہ بن عوف اس کا فیصلہ سناتا تھا اور اس کو نسی کہتے تھے اور کہتے ہیں نسی کی ابتدا عمر بن لحی نے کی تھی نیز اس طرح بھی کر لیا کرتے تھے کہ ایک سال محرم کو صفر بنا لیا کر صفر اول اور صفر ثانی نام رکھ دیا پھر دوسرے سال دونوں مہینوں کو محرم بنا لیتے تھے یعنی محرم اول اور محرم ثانی یعنی حسب ضرورت حرمت والے مہینوں کی ایر پھیر کیا کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ حج کو ہر مہینے چکر دیتے تھے اور ہر ماہ کا نمبر دو سال رہتا تھا مثلاً دو سال ذوالحجہ میں پھر دو سال محرم میں وعلی ہذا القیاس اور فتح مکہ کے بعد جب سورہ برأت لائی گئی تو اس سال حج ذوالقعدہ میں تھی اور دوسرے سال حجۃ الوداع ذوالحجہ میں ہوئی اور پھر ہمیشہ کے لیے اسی ماہ میں رہ گئی اور نسی کا قصہ ختم کر دیا گیا۔

رکوع ۱۲

اِثَّاقَلْتُمْ یعنی عمداً بھارے ہو کر زمین سے چمٹ جاتے ہو ثقل سے باب تفاعل تثاقل ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے تثاقلتم ہونا چاہیے تھا لیکن علم صرف کا قانون ہے کہ جب باب تفاعل میں فاء کے مقابلہ میں ث آ جائے تو تاء کو ثاء سے تبدیل کر لیتے ہیں اور دونوں حرفوں کو ایک دوسرے میں ادغام کر کے شروع میں ہمزہ وصلی کو بڑھا دیتے ہیں پس تفاعل سے یہ باب اِفّاعل بن جاتا ہے یہاں تثاقل میں تاء کو ثاء سے بدلا اور ادغام کر کے شروع میں ہمزہ بڑھایا تو اِثّاقل بن گیا اور اثّاقلتم اسی باب سے جمع مخاطب فعل ماضی ہے بحث اللفظی معنی واضح ہے آیت مجیدہ کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضورؐ طائف سے واپس آئے تو آدمیوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہوا اور یہ زمانہ میوہ جات کے پکنے کا تھا۔ تو لوگوں کو گھروں سے نکلنا دشوار معلوم ہوا۔ حضورؐ نے جب ان کو جہاد کی دعوت دی تو بعض لوگوں نے عذرداری کی اور چونکہ یہ جنگ سخت تھا۔ سفر لمبا تھا اور دشمنوں کی جمعیت زیادہ تھی۔ اس لیے زیادہ تعداد میں مجاہدین کو سربکف ہو کر جانے کی ضرورت تھی۔ لیکن بہت سے لوگ دور دراز کے سفر سے گھبرا گئے اور ادھر میوہ جات کو چھوڑنا ناپسند نہ کیا پس خداوند کریم نے ان کی سرزنش کے لیے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور یہ غزوہ تبوک کہلاتا ہے جس کے لیے مومنوں کو تہدیدی طور پر تیاری کی دعوت دی گئی ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّا

اے ایمان والے تم کو کیا ہے کہ جب کہا جائے تمہیں نکل پڑو اللہ کی راہ میں تو لگ جاتے ہو

قَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ

زمین سے کیا تم راضی ہو دنیا کی زندگی پر آخرت کے بدلہ میں پس نہیں فائدہ زندگی دنیا کا بمقابلہ

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا

آخرت مگر معمولی   اگر تم نہ نکلو گے تو تم کو عذاب دیگا دردناک

وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اور تمہارے بدلہ میں لائیگا دوسری قوم اور تم نہ ضرر دو گے اس کو کچھ اور اللہ ہر شئی پر قدرت والا ہے

قوموں کی ترقی کا راز

تاریخ ماضی کے مطالعہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک برسراقتدار رہ سکتی ہے جب تک وہ جفاکش اور محنت شعار رہے اور اقوام عالم میں کسی قوم کی سربلندی کا معیار اس کی بیداری ہی ہوا کرتی ہے بخلاف اس کے جو قوم آرام طلب عیش پرست اور سکون پسند ہو جائے وہ باوجود زندگی کے مردہ کہلاتی ہے اور باوجود بیداری کے خفتہ سمجھی جاتی ہے پس ایسی قوم ترقی کرنا تو بجائے خود اپنا مقام کھو بیٹھتی ہے اور تنزلی و پستی کے عمیق ترین گڑھے میں دھکیل دی جایا کرتی ہے۔ آیہ مجیدہ میں خداوند کریم مسلمانوں کو اسی نکتہ کی طرف متوجہ فرما رہا ہے۔ کہ آرام طلبی وعیش پرستی چھوڑ دو اور میدان جہاد میں قدم آگے بڑھاؤ ورنہ اگر تم سست ہو گئے اور میدان عمل میں آگے بڑھنے سے گریز کرنے لگ گئے تو اس جمود کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم لوگ ذلت وخواری بلکہ عذاب شدید میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور دنیا کی بیدار و متحرک قومیں تمہاری جگہ سنبھال لیں گی چنانچہ فرمایا إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ یعنی اگر تم جہاد کرنے کے لیے گھروں کو نہ چھوڑو گے تو تمہیں وہ سخت عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ میں دوسری قوم کو لے آئے گا جو برسراقتدار ہوگی۔ الخ۔

کہتے ہیں۔ ارسطو نے جو سکندر کو خط لکھا تھا اس میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ ممالک فارسیہ کے لوگوں کو آرام سے نہ بیٹھنے دو ورنہ زوال حکومت کا خطرہ رکھو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ محنت وسختی کو زیادہ دیر تک برداشت کر سکتے ہیں اور سکون وآرام کو زیادہ دیر تک نہیں برداشت کر سکتے اور یہی وجہ ہے کہ لڑائی کے زمانہ میں جوش وحرکت شعور وبیداری اور چہل پہل لوگوں میں ہوا کرتی ہے وہ آرام وسکون کی گھڑیوں میں ناپید ہو جایا کرتی ہے اس کے بعد اس نے امم ماضیہ اور اقوام سالفہ کی مثالیں دے کر اپنے مقصد کی وضاحت کی کہ اقوام کی ترقی واقتدار کا راز حس وحرکت میں ہی مضمر ہے اور سکون وجمود زوال اقتدار کا پیش خیمہ ہے۔

یا یوں سمجھ لیجیے کہ پورا عالم مقام صعود وارتقاء میں ہے پس جو قوم صعودی وارتقائی کوششوں میں مصروف رہے وہ آگے بڑھتی جاتی ہے اور جو آرام کرنے کے لیے ایک جگہ جم کر بیٹھ جائے یا تھک کر پیچھے سرکنے لگ جائے تو دوسری ہوشیار وتازہ دم قوم ان کی جگہ لے لیا کرتی ہے اور اسی طرح انسان درجہ بدرجہ ارتقائی منازل کو طے کرتا ہے اور یہی خدائے علام کی حکمت وتدبیر ہے جو بقائے عالم اور اس کے تدریجی ارتقا کی کفیل ہے اور اسلامیان پاکستان پر تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ ان کے سترہ روزہ بھارت کے دفاع نے جتنا ان کو تعلیمات اسلامیہ کے قریب کیا ہے اتنے قرب کا تصور بھی قبل کے آزادی کے سترہ سال میں ان کے دماغ میں نہ آسکا۔

ہجرت کا بیان

إِلَّا تَنصُرُوهُ سرزنش اور تہدید کے طور پر فرما رہا ہے کہ اگر تم جہاد میں میرے رسول کی نصرت نہ کرو گے تو خدا تمہارا محتاج نہیں وہ مختلف طریقوں سے اپنے نبی کی مدد کیا کرتا ہے چنانچہ اور مقامات کے علاوہ خدا نے اپنے حبیب کی اس وقت مدد کی جب کہ تمام لوگ اس کو چھوڑ چکے

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے (تو کیا ہوا) اللہ نے تو اس کی اس وقت مدد کی جب اس کو کافروں نے نکال دیا تھا

ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ

درحالیکہ وہ صرف دو میں سے دوسرے تھے جب کہ وہ غار میں تھے جب کہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے غم نہ کرو

اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَـتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ

تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ نے اس پر اپنا سکینہ نازل فرمایا اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی

تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى ؕ وَكَلِمَةُ

کہ تم نے نہ دیکھے اور ان کے قول کو پست کر دیا جو کافر تھے اور اللہ کا قول ہی بلند ہے

اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۴۰﴾

اور اللہ غالب حکمت والا ہے

تھے۔ اور کفار قریش قتل کے درپے تھے اور وہ صرف دو ہی دو تھے کہ ان میں دوسرا رسول تھا اور اس جگہ نصرت خداوندی کی صورت یہ تھی۔ کہ جب رسالتمآبؐ اپنے ساتھی یعنی ابوبکر کے ہمراہ غار میں داخل ہوئے اور کفار نے ان کا تعاقب کیا تو خدا نے غار کے دروازہ پر فوراً ایک درخت لگا دیا۔ اور عنکبوت کو حکم دیا کہ اس نے جالا تن دیا اور کبوتر نے ایک جوڑے نے وہاں اپنا گھونسلا بنا لیا (تفسیر مظہری) پس اس مقام پر نصرت خداوندی کے کئی وجوہ ہیں (۱) درخت کا اُگانا عنکبوت کو جالا تننے کا حکم دینا اور کبوتروں کے جوڑے کا بھیجنا تاکہ کفار کا تصور اس جانب سے ہٹ جائے (۲) اپنی جانب سے سکینہ کا نازل فرمانا (۳) کفار پر رعب طاری کرنا (۴) ملائکہ کو بھیجنا۔ پس آیت مجیدہ میں مومنین کو نصرت پیغمبر میں سستی کرنے سے سرزنش کی گئی ہے کہ اگر تم مدد نہ کرو گے تو کیا ہوا خدا کسی اور مخصوص ذریعہ سے اس کی مدد کرے گا جیسا کہ شب ہجرت اس نے مدد کی۔

تفسیر مجمع البیان میں زہری سے مروی ہے کہ جب حضرت رسالتمآبؐ غار میں داخل ہوئے تو باذن پروردگار غار کے دروازہ پر کبوتروں نے انڈے دے دیئے اور عنکبوت نے جالا تن دیا جب سراقہ بن مالک تعاقب میں وہاں پہنچا تو کبوتروں کے انڈے اور عنکبوت کا جال دیکھ کر کہنے لگا اگر اس غار میں کوئی داخل ہوا ہوتا تو انڈے ٹوٹ جاتے اور جالا ختم ہو جاتا پس مایوس ہو کر واپس پلٹ گئے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ ابوکرز خزاعی نے نشان قدم پہچان لیا اور کہا غار کے دروازہ پر جو قدم کا نشان ہے۔ یہ بعینہٖ اسی قدم کا نشان ہے جو محمدؐ کے گھر سے نکلتے وقت تھا اور ساتھ دوسرا نشان قدم ابوقحافہ کا ہے یا اس کے بیٹے کا ہے بہر کیف وہ دونوں اس مقام تک ضرور پہنچے ہیں اس سے آگے یا تو وہ آسمان کی طرف پرواز کر گئے ہیں۔ یا زمین میں روپوش

maablib.org

ہوگئے ہیں نیز خداوند کریم نے ایک حفاظتی انتظام یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک فرشتہ کو غار کے دروازہ پر بصورت انسان بھیج دیا۔ جب کفار وہاں پہنچے تو اس نے ان سے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ اور اِدھر اُدھر پہاڑی گھاٹیوں میں ڈھونڈو کیونکہ وہ یہاں نہیں ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت جابرؓ منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ اپنی ناقہ عضباء پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ تو جبریل نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میں بحکم پروردگار آپ کے ہمراہ ہوں گا پس راستہ میں حضرت ابوبکر ملے اور ساتھ جانے کی درخواست کی لیکن حضور نے انکار کر دیا پس اس نے کہا کہ اب اگر مجھ سے کفار حلفیہ آپ کے متعلق پوچھیں گے تو مجھے سچ سچ بتانا ہوگا۔ لہذا آپ کا راز فاش ہو جائے گا۔ لہذا مجھے اپنے ساتھ ہی لے جائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تو ایسا ہی کرے گا تو اس نے کہا ہاں بخدا اگر وہ مجھ سے حلفیہ دریافت کریں گے۔ تو قتل کے خوف سے ان کو سچ ہی بتانا ہوگا۔ پس آپ نے اس کو ہمراہ لے لیا۔ اسی طرح بروایت ابن طاؤس ابن صباغ کی کتاب نور و برہان سے منقول ہے کہ حضور نے علی کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور حضرت ابوبکر کو ہمراہ لے گئے کہ مبادا کفار کو اطلاع دے دیں۔ تفسیر برہان میں مروی ہے۔ کہ واقعہ ہجرت جناب خدیجہ اور حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد ہوا کیونکہ ان دونوں کی وفات کے بعد مکہ میں آپ کی زندگی خطرہ میں تھی اور آپ ہر وقت رنجیدہ خاطر رہتے تھے پس وحی خداوندی ہوئی اُخْرُجْ مِنَ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا یعنی اس ظالم لوگوں کی بستی سے نکل جائیے کیونکہ اب یہاں کوئی ناصر نہیں رہا۔ تفسیر منار میں محمدؐ بن عبدہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوطالب جناب رسالتمآبؐ کی حفاظت کرتے تھے۔ اور حضرت خدیجہ چونکہ قریش میں بلند مقام و عظمت کی مالکہ تھیں اور لوگوں کو ان کا بہت حیا تھا پس ان کا وجود بھی ایذاء رسول میں کمی کا باعث تھا پس جب یہ دونو بزرگوار ایک ہی ہفتہ میں رحلت فرما گئے۔ تو قریش نے حضورؐ کو زیادہ ایذیتیں دینا شروع کر دیں پس انہوں نے مل جل کر قتل کرنے کا پروگرام بنایا تاکہ کوئی ایک قبیلہ آپ کے خون میں ملوث نہ ہو اور تمام قبیلے جب شریک ہوں گے تو خون بہا تقسیم کیا جائے گا اور ہر قبیلہ اپنے حصہ کے مطابق ادا کر دے گا۔ اور اس صورت میں بنی ہاشم کو مجبوراً خون بہا پر رضامند ہونا پڑے گا کیونکہ تمام قبائل سے لڑنا ان کے لیے ناممکن ہوگا پس اللہ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا اور ہجرت کے بعد شہر کا نام مدینہ منورہ ہو گیا حالانکہ پہلے اس کو یثرب کہا جاتا تھا اور اس جگہ کے بعض لوگ پہلے موسم حج میں آپ پر ایمان لا چکے تھے جن کو ایمان میں تقدم کا شرف حاصل ہے۔

اسی تفسیر میں ہے کہ حضور نے لوگوں کو حکم خداوندی سنا دیا تھا کہ مجھے ایسے شہر میں ہجرت کر کے جانے کا حکم ہوا ہے جہاں کھجوریں زیادہ ہیں اور اس کے دونوں طرف سیاہ سنگریزے زار زمین ہے پس لوگوں نے خفیہ خفیہ مدینہ کی طرف جانا شروع کر دیا۔

محمد عبدہ کی تحقیق کے مطابق آپ جمعرات کو مدینہ سے نکلے اور تین روز غار ثور میں قیام کر کے سوموار کے دن وہاں سے روانہ ہوئے اور بعد از طے منازل دو ربیع الاول بروز سوموار مدینہ منورہ میں پہنچے جب مدینہ والوں کو حضور کی مکہ سے

maablib.org

روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے انتظار کی گھڑیاں مشکل سے گذاریں چنانچہ صبح کو شہر سے باہر آ کر انتظار میں آکر کھڑے ہو جاتے اور ظہر تک انتظار کرنے کے بعد واپس گھروں کو چلے جاتے پس حضور کے قدوم میمنت لزوم کے روز انتظار کر کے واپس جا ہی چکے تھے کہ ایک یہودی نے جو اپنے قلعہ پر بیٹھا تھا دیکھ لیا اور مسلمانوں کو آپ کی آمد کی بشارت سنائی پس تمام لوگ استقبال کے لیے دوڑے پس آپ نے پہلے پہل بنی عمرو بن عوف میں نزول اجلال فرمایا اور کچھ دن وہاں رہے اور وہاں ایک مسجد بنائی اور اس میں نماز بھی ادا کی۔

وہاں سے روانہ ہو کر چلے اور آپ کی سواری اس جگہ آ کر بیٹھی جہاں اب مسجد نبوی موجود ہے یہ زمین سہل اور سہیل نامی دو لڑکوں کی تھی اور انہوں نے نذرانہ کے طور پر پیش کی جو آپ نے قبول فرمائی اور اس پر مسجد کی تعمیر ہوئی۔

غار ثور کا محل وقوع

شیخ محمد عبدہ جو اپنے دور میں مصر کے مفتی اعظم اور جامعہ ازہر کے پرنسپل تھے انہوں نے اپنی تفسیر منار کے دسویں جلد میں ابراہیم رفعت پاشا کی زبانی نقل کیا ہے جنہوں نے ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۱۸ھ میں غار ثور کو دیکھا تھا۔

وہ کہتا ہے مکہ سے جبل ثور کا راستہ دو پہاڑیوں کے درمیان جاتا ہے پہلے چڑھائی آتی ہے اور پھر اترائی کے بعد جبل ثور تک انسان پہنچتا ہے اور یہ راستہ چند منٹوں میں ختم ہو جاتا ہے راستہ پر سات پتھر نصب ہیں جو جانے والے کے بائیں طرف آتے ہیں ہر دو کا درمیانی فاصلہ دو سو میٹر سے لے کر ہزار میٹر تک ہے (ایک میٹر تقریباً نصف فٹ کا ہوتا ہے) یہ پتھر راستہ کے ہر موڑ کے اوپر بلند مقام پر نصب ہیں جن کو چونے سے سفید کر دیا گیا ہے ہر پتھر کی بلندی تین میٹر ہے

پس پہاڑ تک پہنچ کر ہم نے اوپر چڑھنا شروع کیا اور ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جا پہنچے کیوں کہ چڑھائی اس قدر مشکل تھی۔ کہ ہر پانچ فٹ کے بعد دو منٹ وقفہ کرنا پڑتا تھا بلکہ بعض اوقات پانچ منٹ کا وقفہ آرام کیا جاتا تھا راستہ نہایت خطرناک اور پر پیچ تھا یہاں تک کہ نصف پہاڑ تک ہم نے ۵ موڑ شمار کئے اور یہ بھی تھا کہ کبھی چڑھائی آجاتی تو بعض دفعہ اترائی بھی آجاتی پھر بمشکل ہم غار تک پہنچ سکے یہ باوجود ان سہولتوں کے تھا جو عثمان پاشا اور اسماعیل پاشا نے راستہ کے طے کرنے کے لیے بہم پہنچائی تھیں جو علی الترتیب ۱۲۹۹ھ اور ۱۳۰۷ھ میں حجاز کے حکمران ہوئے تھے ورنہ یہ راستہ اس سے بھی نہایت مشکل ہوتا اور چلنے والا رستہ میں ہی بھٹک جاتا اور غار تک کبھی نہ پہنچ پاتا اور ان کی اصلاحات میں سے ہے کہ انہوں نے راستہ کی چڑھائی اور اترائی کو سیڑھی نما بنا دیا ہے اور یہاں ہمہ چڑھائی بہت سخت ہے چنانچہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کا رنگ زرد ہو گیا اور طاقت بدن ختم ہو گئی حتٰی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اگر ہم اس کے منہ اور سینہ پر پانی نہ چھڑکتے اور اس کے منہ میں چلو بھر پانی نہ ڈالتے تو وہ یقیناً مر جاتا اور ہم ہر جانے والے کو نصیحت کرتے ہیں کہ غار ثور کی طرف جاتے ہوئے اپنے ساتھ پانی کا انتظام ضرور کریں
ہم نے دیکھا کہ وہ غار پہاڑی کی چوٹی پر ایک بڑے پتھر کا خول ہے جو بالکل کشتی نما ہے اور اس میں جانے کے دو راستے ہیں ایک مشرقی دوسرا مغربی چنانچہ میں ہاتھ آگے کی طرف پھیلا کر پیٹ کے بل رینگتا ہوا غار میں غربی راستہ سے داخل ہوا اور

مشرقی سے باہر نکل آیا اور یہ پہلے کی نسبت ذرا زیادہ کھلا تھا۔ غربی سوراخ تین بالشت تقریباً چوڑا اور دو بالشت اونچا ہوگا۔ اور یہی وہ اصلی راستہ تھا جس سے حضور داخل ہوئے تھے اور شرقی راستہ بعد میں بنایا گیا تاکہ لوگ آسانی سے اندر آجا سکیں اسی تفسیر میں مذکور ہے کہ حضور اپنے بستر پر حضرت علی کو سلا کر گئے تھے اور کفار یہی سمجھتے رہے کہ حضور خود محو خواب ہیں۔ تفسیر روح المعانی میں ہے۔ کہ مکہ سے غار ثور تک پہنچنے کے لیے ایک گھنٹہ کا راستہ ہے یعنی تقریباً تین میل کا فاصلہ ہے اور اسی تفسیر میں بیہقی اور ابن عساکر سے نقل کیا ہے۔ کہ اثناء راہ میں حضرت ابوبکر کسی وقت آگے چلتے تھے اور کسی وقت پیچھے نیز کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں جانب یہ دیکھ کر حضور نے وجہ دریافت کی تو عرض کی کہ آپ کی حفاظت کے خیال سے ایسا کرتا ہوں تاکہ کسی جانب سے دشمن آپ پر اچانک حملہ نہ کر دے حضور پاؤں کے کناروں پر چل رہے تھے یہاں تک کہ ان پر آبلے پڑ گئے جب حضرت ابوبکر نے دیکھا تو حضور کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور تیز دوڑنے لگا یہاں تک کہ در غار پر پہنچ کر آپ کو اتار دیا اور عرض کی کہ حضور آپ اس میں داخل نہ ہوں بلکہ پہلے میں اندر جاتا ہوں مبادا کوئی موذی جانور موجود ہو اور آپ کو گزند پہنچ جائے چنانچہ وہ اندر داخل ہوئے اور پھر باہر نکلے اور حضور کو اٹھا کر غار کے اندر داخل کیا اندر پہنچ کر معلوم ہوا کہ غار میں چند ایسے شگاف موجود ہیں جن میں چھوٹے بڑے سانپ رہتے ہیں تو اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر ان کو بند کیا پھر بھی ایک سوراخ بچ گیا جس کو اپنی ایڑی سے بند کیا اور ایک روایت میں صرف ایک سوراخ مذکور ہے جس کو انہوں نے اپنے قدم سے بند کر دیا اور سانپ جب کاٹتے تھے تو درد سے آنسو جاری ہوتے تھے لیکن قدم سوراخ سے نہ اٹھاتے تھے۔ تفسیر خازن میں ہے کہ اپنی شلوار کو پھاڑ پھاڑ کر سوراخوں کو بند کیا اور صرف دو سوراخ بچ گئے جن کو اپنے دونوں پاؤں سے بند کیا۔ پس جناب رسالتمآبؐ اندر آکر اس کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے جب سانپ نے ڈسنا شروع کیا تو وہ پاؤں کو حرکت تک نہ دیتے تھے تاکہ حضور بیدار نہ ہو جائیں پس رونا شروع کر دیا جب رسالتمآبؐ کے چہرہ پر آنسو ٹپکے تو آپ نے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا۔ کہ سانپ نے کاٹا ہے پس آپ نے لعاب دہن ملا اور اس کا درد جاتا رہا پس خاموش ہو گئے مگر اس بیان کا تجزیہ ص ۹۲ پر دیکھیں

نکات علمیہ

① اِنْ لَّا تَنْصُرُوْهُ شرط ہے جس کا جواب محذوف ہے یعنی فَسَيَنْصُرُهُ اللّٰهُ (ترجمہ) اگر تم ان کی مدد نہ کرو گے تو اللہ خود اس کی مدد کرے گا کیوں کہ وہ مختلف طرق و متفرق ذرائع سے مدد کر سکتا ہے چنانچہ دیکھتے نہیں ہو کہ جب تمام دنیا ساتھ چھوڑ چکی تھی اور کفار در پے قتل تھے تو خدا نے ہجرت کا حکم دے کر ان کی کیسے مدد کی؟ پس فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ۔ الآیۃ کا جملہ خدائی نصرت کی ایک مثال کا ذکر ہے لہذا اس کو جواب شرط نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ جواب شرط میں استقبال کا معنی چاہیے اور یہ لفظاً و معنیً ماضی ہے

② اِذْ کا کلمہ ظرف زمان ہے اور اس کا عامل نَصَرَ ہے اور اس کے بعد اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ میں اِذْ پہلے اِذْ سے بدل بعض ہے اور اِذْ يَقُوْلُ دوسرا بدل بعض ہے اور اِذْ کا یہ تکرار کلام مجید میں حسن و بلاغت کا آئینہ دار ہے۔ نیز نصرت خداوندی اور تائید ایزدی کا ایسا اچھوتا اور پر لطف انداز ہے جس کو صرف صاحبان ذوق ہی پا سکتے ہیں۔

③ اِذْ اَخْرَجَهُ یعنی جب کہ کافروں نے ان کو وطن سے نکال دیا تھا مقصد یہ ہے کہ کفار نے حالات اس قسم

کے پیدا کر دیے تھے جن کی وجہ سے حضور کو مکہ چھوڑنا پڑا اور مومنین کو بھی ہجرت کرنا پڑی گویا فعل کی نسبت سبب کی طرف دی گئی ہے

آیت غار سے فضائل کا استنباط

اس آیۂ مجیدہ سے لوگوں نے حضرت یار غار کے بہت سے فضائل اخذ کیے ہیں (۱) پہلی فضیلت: آیۂ مجیدہ کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر جناب رسالت مآبؐ کے محبوب اور محرم راز تھے اس لیے ان کو ساتھ لے گئے اور علی کو بستر پر سلا گئے کیوں کہ ان کے قتل سے اسلام کو کوئی گزند پہنچنے کا اندیشہ نہ تھا بخلاف اس کے اگر ابوبکر قتل ہو جاتے تو اسلام کے کمزور ہو جانے کا اندیشہ تھا پس یہ آنحضورؐ کی حفاظتی تدبیر تھی جس کے پیش نظر ان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ (لوامع)

علامہ سید علی حائری مرحوم نے تفسیر لوامع التنزیل میں اس کے چار جواب دیے ہیں (۱) حضرت رسالتمابؐ خود ان کو ساتھ نہ لے گئے تھے بلکہ یہ از خود پیچھے سے ان کو جا ملے تھے اور راز فاش ہونے کے خطرے سے آپ نے اس کو واپس کرنا مناسب نہ سمجھا تھا چنانچہ تفسیر لوامع جلد ۱۰ صفحہ ۵۰ قلمی نسخہ میں بروایت امام ابونعیم۔ ابن مردویہ اور سیوطی حضرت ابن عباس سے مروی ہے جس کی عبارت یہ ہے لما خرج النبی من اللیل لحق بغار ثور وتبعه ابوبکر فلمّا سمع رسول اللہ حسّه خلفه خاف ان یکون الطلب فلما رای ذلك ابوبکر تنحنح فلمّا سمع النّبی عرفه فقام له حتی تبعه ترجمہ جب حضرت نبی علیہ السلام بوقت شب گھر سے غار ثور کی طرف متوجہ ہوئے تو ابوبکر پیچھے چل پڑا جب حضور نے پیچھے سے پاؤں کی آہٹ سنی تو ڈر گئے کہ کہیں دشمن نہ ہو پس ابوبکر اس بات کو سمجھ گیا تو اس نے کھانسنا شروع کیا پس حضور اس کو پہچان گئے اور انتظار میں رک گئے۔ پس وہ حضور کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا نیز تفسیر درمنثور میں ضبة بن محصن کی روایت کے الفاظ سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے

دوسرا جواب۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضور بنفس نفیس اس کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ تو اس میں کوئی فضیلت ظاہر نہیں ہوتی کیوں کہ سفر میں مومن وکافر اور نیک و بد بھی ایک دوسرے کے رفیق ہوا کرتے ہیں

تیسرا جواب۔ اگر وہ محرم راز نبوی ہوتے تو ان کو یقین ہونا چاہیے تھا کہ خدا اپنے رسول کا محافظ و ناصر ہے۔ لہذا ہر مقام پر جزع و فزع کا اظہار نہ ہوتا اور لاتحزن سے خاموش کرانے کی ضرورت پیش نہ آتی بلکہ اس کا جزع و فزع تو ظاہر کرتا ہے کہ خدا و رسول کے وعدوں پر اس کو وثوق نہ تھا پس فضیلت تو بجائے خود یہ چیز ان کے اصل ایمان کے منافی ہے

چوتھا جواب۔ اگر حضرت علی بستر رسول پر نہ سوتے تو ہجرت کا سارا قصہ ختم ہو جاتا کیوں کہ کفار بستر رسول کو خالی دیکھتے تو فوراً تعاقب کرتے اور غار تک پہنچنے کا معاملہ سرے سے صاف ہو جاتا امن و سکون کے متلاشی جان کے پیارے تو ہزاروں مل سکتے ہیں لیکن ایسے مشکل وقت میں تن من دھن کی بازی لگانے والے بہت کم ہوتے ہیں اور یہ علی کا کام تھا کہ نہایت اطمینان و سکون سے بستر رسول پر سو گئے اُدھر حضور غار میں پہنچے تو در غار پر خدا نے اسی وقت خار مغیلان کو پیدا کر دیا اور ایک جوڑا کبوتر کو حکم دیا کہ فوراً وہاں گھونسلہ بنا کر انڈے دے دیں اور عنکبوت کو حکم ہوا کہ جالا تن دے حضرت ابوبکر

خدا کی جانب سے ان حفاظتی تدابیر کو دیکھ رہے تھے اور باوجود اس سب کچھ کے جزع وفزع سے باز نہ آنا صاف اس امر کی دلیل ہے کہ وہ یقین کامل نہ رکھتے تھے اگر ان کا قلب صاف ہوتا اور ایمان میں پختگی ہوتی تو ایسے علائم وقرائن بلکہ خوارق عادات امور کو دیکھ کر ان کے دل میں ایک خوشی وسرور کی لہر دوڑ جاتی اور دل باغ باغ ہو جاتا بلکہ اس مقام پر کوئی اجنبی انسان بھی اگر حضورؐ کے ہمراہ ہوتا تو ان چیزوں کو دیکھنے کے بعد وہ کامل الایمان بن جاتا اور جزع وفزع سے دست بردار ہو کر شکر خداوندی میں رطب اللسان ہوتا۔

اس کے برعکس بستر رسول کے ارد گرد ننگی تلواریں لے کر کفار آوازے کس رہے ہیں اور سونے والا نہایت سکون سے محو استراحت ہے اور تفسیر لوامع میں ابو حامد غزالی کی احیاء العلوم سے منقول ہے کہ جب حضرت علیؑ بستر رسول پر سو رہے تھے۔ تو خدا نے جبریل ومیکائیل کو وحی فرمائی کہ میں نے تم دونوں میں بھائی چارہ قائم کیا ہے۔ نیز ایک کی عمر دوسرے کی عمر سے زیادہ مقرر کی ہے تو تم میں سے کون ہے جو اپنے بھائی کو اپنی عمر کا کچھ حصہ دے دے۔ یہ سن کر دونو فرشتے گھبرا گئے۔ پس خدا نے وحی کی کہ تم علیؑ جیسے کب ہو سکتے ہو۔ دیکھو میں نے علیؑ اور محمدؐ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا ہے اور علیؑ بستر رسول پر سو کر اپنی جان کی قربانی پیش کر رہا ہے پس اب دونوں کا فریضہ ہے کہ زمین پر جا کر اس کی نگہبانی کرو چنانچہ جبریل حضرت علیؑ کے سرہانے بیٹھا۔ اور میکائیل پائنتی کی طرف بیٹھ گیا اور جبریل نے مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا بخ بخ من مثلك يا ابن ابی طالب يباهى الله بك الملائكة مبارک مبارک اے ابو طالب کے لخت جگر آج تیری وجہ سے خدا فرشتوں پر فخر ومباہات کر رہا ہے پس یہ آیت مجیدہ اتری وَمِنَ النَّاسِ الخ اور مروی ہے کہ خدا کا حکم یہی تھا کہ علیؑ کو بستر پر سلا کر ہجرت کریں چنانچہ آپ نے اہل مکہ کی امانتیں علیؑ کے حوالہ کیں اور روانہ ہوئے نیز مروی ہے کہ خاک ایک مٹھی میں اٹھائی اور دائیں بائیں کفار کے سروں پر پھینکی پس وہ آپ کو نہ دیکھ سکے اور آپ چلے گئے۔

اس پوری تفصیل کے بعد صاحبان عقل سلیم وارباب فہم ودانش خود ہی فیصلہ کر لیں کہ۔

(۱) غار والا وہ سمجھا جائے گا جس کو حضورؐ ہمراہ لے گئے یا غار والا وہ ہے جس کو اپنے بستر پر سلا گئے۔

(۲) یقین کامل وہ رکھتا تھا جو باوجود خدا ورسول کے وعدوں کے اور باوجود خارق عادت معجزات اور حفاظتی اقدامات دیکھنے کے جزع وفزع سے باز نہ آیا حتی کہ خدا کو لاتحزن کے کلمہ سے روکنا پڑا۔ یا یقین کامل بلکہ حق الیقین کی منزل پر وہ فائز تھا جو رسول کے بستر پر اپنی جان سے لاتعلق ہو کر اطمینان سے سو گیا اور اٹھا تو مَن یَشْرِی کے قرآنی قصائد اپنے حق میں سن کر رضائے پروردگار کا تمغہ حاصل کر کے اٹھا۔

(۳) کیا رازداری کا وثوق اسی پر ہوا کرتا ہے جس کو انسان ایک لمحہ اپنی ذات سے الگ نہ ہونے دے یا رازداری کا وثوق اس پر ہوتا ہے جس کو ہزاروں جان لیوا دشمنوں میں گھرا ہوا چھوڑ کر اپنے مشن کی تبلیغ اور ادائیگی امانات کا ذمہ دار قرار دیا جائے بہر کیف اصحاب فکر وارباب ذوق کے لیے جوہر اور کنکر یا سونا اور پیتل میں فرق کرنا بہت آسان ہے لیکن کور باطن سے

انصاف کی توقع رکھنا اندھے کے سامنے شیشہ رکھنے کے مترادف ہے۔

(۴) پختگی اعتقاد تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول کو بار بار حزن و ملال سے روکنا پڑا کیوں کہ آیت مجیدہ میں اِذْ قَالَ نہیں ہے جس کا ترجمہ ہے۔ کہ آپ نے فرمایا اپنے ساتھی کو (لَا تَحْزَنْ) بلکہ اِذْ يَقُوْلُ فرمایا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ بار بار اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے جب ایک دفعہ اس میں اضطراب دیکھا تو فرمایا لَا تَحْزَنْ پھر تھوڑی دیر بعد جزع فزع دیکھی تو پھر فرمایا لَا تَحْزَنْ چنانچہ ابن عبدہ اپنی تفسیر منارج ۱۰ ص۴۹۰ پر لکھتے ہیں ای اذ کان یقول لصاحبه الذی هو ثانیه وهو ابوبکر الصدیق حین رای منه امارة الحزن والجزع او کلما سمع منه کلمة تدل علی الخوف والفزع (لَا تَحْزَنْ) یعنی اپنے ساتھی حضرت ابوبکر سے جب بھی اس سے حزن و غم کی علامت دیکھتے یا جب بھی اس سے کوئی ایسی بات سنتے جو خوف و گھبراہٹ پر دلالت کرے تو فرماتے تھے (لَا تَحْزَنْ) غم نہ کھا خدا ہمارا ساتھی ہے آگے چل کر لکھتا ہے۔ و قد عبر عن الماضی بصیغة الاستقبال (یَقُوْلُ) للدلالة علی التکرار المستفاد من بعض الروایات یعنی ماضی کہنے کی بجائے یعنی قَالَ کی بجائے مطلب کو یقول سے ادا کیا جو مستقبل کے لیے ہے حالانکہ واقعہ زمان ماضی میں تھا صرف معنی میں تکرار ظاہر کرنے کے لیے جیسا کہ بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے۔

صاحب تفسیر نے اپنے مقام پر اس مطلب کو دبانے کی کوشش کی ہے کہ وہ بار بار جزع و فزع کرتے تھے اور حضور کو بار بار روکنا پڑتا تھا اسی بنا پر کہہ دیا کہ بعض روایات سے تکرار مستفاد ہوتا ہے گویا اس معنے کے انکار کی جگہ ہموار کر لی لیکن اُسے یہ معلوم نہیں کہ قرآن مجید کے صریح خطاب میں اِذْ يَقُوْلُ کی لفظ قیامت تک کے لیے اس قسم کے اعذار باردہ اور اوہام کاسدہ کے سد باب کے لیے کافی ہے روایات کہیں یا نہ کہیں خود قرآنی الفاظ کہتے ہیں کہ حضور اپنے ساتھی کو لَا تَحْزَنْ کہتے جا رہے تھے اور یہ صیغہ تکرار پر دلالت کرنے کے لیے خود کافی ہے اب اگر ضعیف سے ضعیف روایت بھی اس مضمون کی مل جائے تو وہ اس مطلب کی تائید بن جائے گی۔ نیز ص۹۵۴ پر بروایت بخاری انس سے منقول ہے کہ مجھے حضرت ابوبکر نے خود بیان کیا کہ میں غار میں حضور کے ہمراہ تھا اور میں نے مشرکین کے نشان دیکھے تو عرض کی کہ اگر ان میں کوئی بھی قدم اُٹھا کر نیچے کو جھانکے تو ہمیں دیکھ لے گا آپ نے فرمایا یا ابا بکر ما ظنك باثنین الله ثالثهما یعنی اے ابوبکر ان دو آدمیوں کو تشویش کی کیا ضرورت ہے جب اللہ ان کا تیسرا ہو۔ اب ملاحظہ فرمایئے اس قدر تسلیوں اور وعدوں کے باوجود خوف و ہراس اور حزن و ملال میں لگی کا نہ ہونا کونسی پختگی اعتقاد کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے کونسی خوبی کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ یہ واقعات تو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا ساتھ جانا حضور کے لیے باعث آزردگی خاطر بن چکا تھا اب ذرا اس کے مقابلہ میں بستر رسول پر سونے والے کا اطمینان دیکھیے جو ہر طرف سے دشمنان اسلام کی ننگی تلواروں کے سایہ میں بالکل بے خطر سو رہے تھے اور خدا کو یہ فعل اس قدر پسند آیا کہ آیت مرضات بھیج دی۔ اب کیا موازنہ ہو اس شخص کا جس نے رسول کی صحبت میں پوری رات جاگ کر اور رو کر گذاری اور آخر میں لَا تَحْزَنْ کا خطاب پایا ایسے شخص کے ساتھ جس نے ساری رات بستر رسول پر تنہا سو کر گذاری اور اپنے حق میں اپنے خالق سے من یشری کا قصیدہ پڑھوا لیا

دوسری فضیلت۔ تفسیر منار صفحہ ۵۱۸ میں آیت مجیدہ سے دوسری فضیلت کا استنباط اس طرح کیا گیا ہے کہ حضرت رسالتمابؐ نے یہ پسند فرمایا کہ واقعہ ہجرت جو اسلام میں بڑا اہم واقعہ ہے اس کے جملہ مصارف حضرت ابوبکر کے مال سے ہوں جنہوں نے اپنا تمام مال خدمت نبوی میں خرچ کر دیا تھا اگرچہ حضورؐ نے سواری قیمت سے لی تھی جس کا بعد میں ادا کرنا طے پایا۔ آیئے ذرا اس کا پس منظر بھی دیکھیں کہ یہ خرچ کس طرح ہوا تو مسودہ مجالس علمی مولانا سید محمد باقر مدظلہ مجلس ۳۲ میں مدارج النبوت سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر کے پاس دو اونٹ تھے جو انہوں نے باختلاف روایات چار سو یا آٹھ سو درہم پر خریدے تھے اور ان کو گھاس چارہ کھلا کر خوب موٹا کیا ہوا تھا پس وہ دونوں ہنگام ہجرت آپ کی خدمت میں حاضر کیے کہ ان میں سے ایک کا انتخاب کر لیں آپ نے فرمایا کہ میں قیمت سے لوں گا چنانچہ ایک اونٹ حضورؐ نے نو سو درہم پر خرید فرمایا اندازہ کیجیے کہ کس طرح ہجرت کے مصارف حضرت ابوبکر نے برداشت کیے کہ سواری کا اونٹ بھی حاضر کر دیا یہ الگ بات ہے کہ سات سو درہم یا کم از کم پانچ سو درہم بطور منافعہ کے وصول کر لیے اور بقول صاحب تفسیر منار کے بعد میں لینے کیے اور اس کے برخلاف تفسیر روح المعانی پ ۱۰ کی تفسیر صفحہ ۹۷ پر صاف طور پر مذکور ہے کہ سفر ہجرت کے لیے حضرت علی نے تین اونٹ بحرین کے اونٹوں سے خرید کر خدمت نبوی میں حاضر کیے تھے پس حضورؐ بمع اپنے ساتھی اور ایک تیسرے واقف راہ کے انہی پر سوار ہو کر مدینہ میں پہنچے مدینہ میں آپ کے پہنچنے کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول بروز سوموار ہے جیسا کہ تفسیر جواہر طنطاوی ج ۵ صفحہ ۱۴۶ پر مذکور ہے کہ آپ تاریخ مذکور کو بنی عمرو بن عوف کے ہاں پہنچے اور آپ کا شایان شان استقبال کیا گیا چند دن وہاں قیام بھی فرمایا اور ایک مسجد تعمیر کی جس کو مسجد تقوی کہتے ہیں اور پھر وہاں سے روانہ ہوئے اور پہلے پہل جہاں ان کی سواری رکی اُسی جگہ مسجد نبوی کی بنا رکھی گئی۔

تیسری فضیلت۔ چونکہ رسول کا فعل خدا کے حکم کے بغیر نہیں ہوا کرتا تو گویا حضرت ابوبکر کا انتخاب بحکم خدا تھا۔ اس کا مکمل جواب پہلی فضیلت کے ذیل میں مفصل گذر چکا ہے۔

چوتھی فضیلت۔ ایسے مقام پر جہاں خداوند کریم رسول کے تمام صحابیوں کو جنگ سے گریز کرنے اور بہانے تلاش کرنے پر تنبیہ و توبیخ فرما رہا ہے وہاں حضرت ابوبکر کو ثناء عظیم کے ساتھ یاد کرنا موصوف کی ایسی فضیلت ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہو سکا۔ واقعی کسی کو بار بار ایک کام سے روکنا کہ ایسا مت کرو مت کرو ایک ایسی تعریف ہے کہ اس میں شاید اس کا کوئی شریک ہو گا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان لوگوں کی مت ماری گئی جنہوں نے کسی کے حق میں کہے ہوئے فقرہ "مت کرو" کو بھی اس کی وصف و ثناء سمجھا اگر دامن عقل و انصاف سے وابستہ ہو کر طالب تحقیق غور و فکر کرے تو یہ آیت مجیدہ حضرت رسالتمابؐ کی عظمت پر دال ہے۔ اور ان کی ہمت و استقلال نیز اطمینان و استقامت کی مظہر ہے کہ عالم دہشت و دہشت میں جب کہ ایک طرف کفار تعاقب میں تھے اور پوری خاموشی اور سکون سے جان چھپانا اور بچانا مقصود تھا اُس وقت بھی ساتھی ان کو ایسا ملا جو پُرسکون وقت گذارنے کی مہلت ہی نہ دیتا تھا خاموشی اختیار کرنے کی بجائے بار بار اس کو دہائی دینی پڑتی تھی کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا لیکن بایں ہمہ خدا نے حفاظتی تدبیریں ایسی اختیار فرمائیں کہ ایسے دل گداز اور ہوش ربا حال میں بھی دشمن اس کا بال بیکا نہ کر سکے۔ اگر کوئی شخص انصاف

کی دُوربین آنکھوں کے سامنے رکھ کر اور تعصب کی پٹی اتار کر حقیقت کا جائزہ لینے والا ہو تو وہ اس نظریہ تک ضرور پہنچے گا۔ کہ اس خطاب کو ثناء عظیم کہنے والے کو چلو بھر پانی میں ڈوب کر مر جانا چاہیے۔

پانچویں فضیلت۔ جناب رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کو سورہ براۃ کی تبلیغ کا حکم دیا تھا اور آیت غار بھی اسی میں ہے گویا حضرت علی بنفس نفیس مکہ میں حضرت ابوبکر کی ثنا خوانی کرتے رہے اور یہ ایسی فضیلت ہے کہ رافضیوں کے لیے اس سے مجال انکار نہیں ہے ہاں بے شک حضرت علی ہی سورہ برائت کے مبلغ تھے اور انہوں نے آیت غار بھی پڑھی ہو گی کہ خدا نے رسول کی اس وقت بھی نصرت کی جب کہ مکہ سے ہجرت کر کے غار ثور میں پہنچے تھے اور ایسے عالم وحشت میں جب کہ کوئی تسلی دینے والا نہ تھا بلکہ ایک ساتھی تھا۔ تو وہ بھی ایسا کہ بجائے اس کے کہ وہ رسول کے لیے باعث تسکین و تسلی ہوتا۔ اُلٹا رسول کو اس کی دلجوئی کرنا پڑ گئی اور رسول کو بار بار اُسے چپ کرانا پڑا ایسے حال میں بھی خدا نے رسول کی نصرت فرمائی اس پر سکینہ نازل کیا اور ملائکہ اس کی تائید کے لیے بھیجے اگر یہ ان کی شان کا قصیدہ ہے تو حضرت علیؑ کی اتباع میں تمام رافضی یہ قصیدہ پڑھتے ہیں اور قیامت تک پڑھتے رہیں گے شیعہ حضرت ابوبکر کی اس خصوصیت کا قطعاً انکار نہیں کرتے لیکن علامہ طنطاوی جو اپنے دور کے جامعہ مصر کے پرنسپل اور اہل سنت کے علماء میں سے بلند پایہ مصنف ہیں اپنی تفسیر جواہر ج ۵ صفحہ میں صاف لکھتے ہیں کہ سورہ توبہ کے چار حصے ہیں۔

پہلا حصہ کفار و مشرکین سے بیزاری کا اعلان اور ان کی تنبیہ و توبیخ اور یہ مَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ تک ہے

دوسرا حصہ۔ جہاد اور فی سبیل اللہ خرچ کا حکم یہود و نصاریٰ کا تذکرہ اور اشہر حرم کا بیان ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تک ہے۔

تیسرا حصہ۔ منافقین کا ذکر جو اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ تک ہے۔

چوتھا حصہ۔ مومنین کا ذکر اور یہ آخر سورہ تک ہے۔

اور حضرت علیؑ کو جس حصہ کی تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا وہ سورہ براۃ پورا نہیں بلکہ صرف پہلا حصہ تھا جس کی آپ نے نہایت جرأت سے تبلیغ فرمائی لہٰذا مفتی محمد بن عبدہ کا یہ چیلنج بھی ختم ہو گیا کہ یار غار کے فضائل حضرت علی نے مکہ والوں کو سنائے بہتر تھا۔ کہ اس سے پہلے تفسیر جواہر طنطاوی کا مطالعہ فرما لیتے تو یہ پتہ چل جاتا کہ یار غار کا ذکر تو دوسرے حصہ میں ہے اور حضرت علی اس کی تبلیغ پر مامور ہی نہ تھے۔

چھٹی فضیلت۔ خدا نے اس کو ثانی اثنین فرمایا کہ وہ دو میں سے دوسرے تھے۔

ساتویں فضیلت۔ یہ دو ایسے تھے جن کا تیسرا خدا تھا۔

آٹھویں فضیلت۔ رسول کا کہنا ہے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے باذن خداوندی تھا تو گویا خدا نے ہی فرمایا پس اس سے محبت خداوندی بالخصوص ثابت ہوئی۔

۔ اقول۔ کسی شئے کی محبت انسان کو اندھا و بہرہ کر دیا کرتی ہے حب الشئی یعمی و یصم نیز مثل مشہور ہے الغریق یتشبث

بکل حشیش ۔ یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ۔ چونکہ کسی نہ کسی طرح فضائل کی ایک لمبی فہرست تیار کرنی ہے لہذا گنواتے چلے جا
رہے ہیں تاکہ عوام کالانعام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا مقصد پورا ہو جائے ورنہ ہر صاحب فہم وادراک سمجھتا ہے کہ کسی کا کسی
کے ساتھ ہونا نیز دوسرا یا تیسرا یا چوتھا ہونا خواہ گنتی کسی بڑے سے شروع ہو یا چھوٹے سے یہ کوئی معیار فضیلت نہیں اسی طرح یہ کہنا
کہ یہ دو ایسے تھے کہ ان کا تیسرا خدا تھا تو دنیا میں کہاں کوئی ایسے دو ہو سکتے ہیں جہاں تیسرا خدا نہ ہو بلکہ ہر تنہا کے ساتھ دوسرا خدا ہوتا
ہے اور ہر دو کے ہمراہ تیسرا خدا ہوا کرتا ہے ۔ اور ہر تین کے ساتھ چوتھا خدا ہوتا ہے خواہ مومن ہوں یا کافر بہرکیف خدا سے تو کسی
وقت کوئی بھی دور نہیں پس معیت خداوندی اس طرح ہر ایک کو حاصل ہے ۔ لہذا ایسی باتوں کو فضائل کے شمار میں لانا صرف اپنے
نفس کو دھوکہ دینے کے لیے ہی ہے ۔ اس کی مزید تفصیل اگلے جواب میں ملاحظہ فرمائیں ۔

نویں ۹ فضیلت ۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ کہتے ہیں کہ یہاں ضمیر غائب کا مرجع صاحب ہے یعنی خدا نے نبی کے
ساتھی پر سکینہ نازل فرمایا اور ضمیر کا مرجع خود جناب رسالت مآب ؐ نہیں ہو سکتے کیوں کہ سکینہ اور تسلی کی ضرورت تو اس کو
ہے جو اضطراب و پریشانی میں مبتلا ہو اور وہ حضرت ابوبکر تھے لہذا سکینہ ان کے لیے ہے اور رسالت مآب ؐ تو مطمئن تھے انہیں سکینہ
کی کیا ضرورت تھی ۔ اپنی طبیعت کو خوش کرنے کے لیے خوب سوچا ہے رسول کی تنقیص اور اسلوب قرآنی کی مخالفت کی قطعاً پرواہ
نہیں ، قرآن مجید میں ہر قسم کی تحریف برداشت کی جا رہی ہے تفسیر بالرای کو آنکھوں پر رکھا جا رہا ہے صرف اس لیے کہ برائے نام
کوئی مفروضہ فضیلت نکل آئے اور ہمیں یہ ڈھنڈھورا پیٹنے کا موقعہ ملے کہ دیکھو قرآن مجید میں فلاں بزرگوار کے اس قدر فضائل
مذکور ہیں ۔

اسلوب قرآنی کے مزاج شناس منصف طبع ارباب دانش ذرا غور فرمائیں کہ قرآن کیا کہنا چاہتا ہے اور لوگ اس کو کدھر لے
جا رہے ہیں ۔ قرآن مجید اس آیہ مجیدہ سے قبل لوگوں کو جنگ سے گریز کرنے اور نصرت رسول سے دست بردار ہونے پر توبیخ فرما
رہا ہے ۔ چنانچہ اس آیہ مجیدہ میں کھلے لفظوں اعلان فرمایا کہ اگر تم اس کی نصرت نہ کرو گے تو کوئی بڑی بات نہیں خدا خود ہی اس
کی نصرت کے لیے کافی ہے چنانچہ اس نے اس کی ایسے آڑے وقتوں میں نصرت کی جب کہ تم میں سے کوئی بھی اس کی نصرت کے
لیے حاضر نہ تھا کیا وہ وقت یاد نہیں جب کفار نے آپ کو وطن چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور آپ صرف دو میں
دوسرے ہی تھے یعنی قلت عدد کا یہ عالم تھا کہ آپ کے ہمراہ دوسرا صرف ایک ہی آدمی تھا اور بس جب دونوں غار میں چھپے
ہوئے تھے اور دشمن تعاقب کر کے غار کے دروازے پر پہنچ چکے تھے یہ ڈر تھا کہ کہیں دشمن دیکھ نہ لیں اور آواز نہ سن لیں ۔ خدا نے
ان کی حفاظت کے پیش نظر فوراً غار کے دروازہ پر درخت خار مغیلاں پیدا کر دیا (بروایت تفسیر منہج ولوامع) اور جنگلی کبوتروں کے
ایک جوڑے کو حکم دیا کہ گھونسلہ بنا لیں چنانچہ انہوں نے گھونسلہ تیار کیا اور انڈے بھی دیدیے اور عنکبوت نے بحکم پروردگار
جالا تن دیا یہ ایسے امور واسباب تھے کہ بزدل سے بزدل انسان بھی اگر ملاحظہ کرتا تو اس کا دل بڑھ جاتا اور اسے تسلی ہو جاتی کہ
اب دنیا والے میرا بال بیکا نہیں کر سکتے کیوں کہ نصرت خداوندی میرے ساتھ ہے اور اگر کوئی کافر بھی آپ کے ساتھ ہوتا تو یہ

معجزات دیکھ کر فوراً مُسلمان ہو جاتا لیکن آپ کا ساتھی غار میں داخلے کے بعد غار کے ارد گرد جب کفار کو دیکھا تو خدائی حفاظتی اُمور کو نظر انداز کر کے اس قدر گھبرایا کہ بقول تفسیر مظہری ج چہارم ص۱۶۴ رونے لگ گئے۔ اور بروایت بیہقی نقل کیا ہے۔ **فاشفق ابوبکر وبکی واقبل علیه الھم والحزن والخوف** یعنی پس ابوبکر ڈر گئے اور غم واندوہ سے رونے لگ گئے پس حضورؐ نے تسلّی دی کہ گھبراؤ نہیں غم نہ کرو خدا کی نصرت و تائید ہمارے ساتھ ہے لیکن انہیں تسلّی نہیں ہوتی تھی پس حضور بار بار ان کو لاتحزن کی تلقین فرماتے تھے چاہیے تو یہ تھا کہ ساتھی کا وجود انسان کے لیے سہارا بنے لیکن خدا تعالیٰ اپنے حبیب کی تنہائی اس طرح بیان فرماتا ہے کہ آپ کے ساتھ صرف ایک ساتھی تھا لیکن وہ بھی ایسا کہ وہ بجائے اس کے کہ موجب سکون ہوتا اُلٹا سلب سکون کا موجب بن گیا اور خطرے کے مقام پر بار بار چپ کرانا پڑا پس ایسے روح فرسا بلکہ جان لیوا حالات میں خدا نے اپنے رسولؐ پر سکینہ نازل فرمایا اور ملائکہ کے ذریعے اس کی تائید فرمائی اور قرآنی اسلوب و نظم کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہ ضمیر کا مرجع حضور کو قرار دیا جائے کیوں کہ اس سے قبل کی ضمیریں سب آپ کی طرف راجع ہیں۔ پس اس بیان سے چھٹی ساتویں اور آٹھویں فضیلت کی قلعی بھی کھل گئی۔

دسویں فضیلت ایّدہ کی ضمیر کا مرجع بھی وہی ہے کہ خدا نے ملائکہ سے اس کی تائید فرمائی دیکھیے محبّت کی رو میں بہ جانا اور تعصب کی سیل میں کود پڑنا اس سے زیادہ اور کیا ہو گا حالانکہ اکثر اہل سنت کے مفسرین بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ تائید ملائکہ حضرت رسالت مآبؐ کے لیے ہے بلکہ منصف مزاج مفسرین سب اس کے قائل ہیں کہ تمام ضمیریں غائب کی حضرت رسالت مآبؐ کی طرف راجع ہیں جس طرح کہ اسلوب کا تقاضا ہے۔

گیارھویں فضیلت۔ خدا نے حضرت ابوبکر کے صحابی ہونے کا اعلان فرمایا اندازہ کیجیے کس قدر افراط فی الحب ہے کہ ہر بات کو فضیلت کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے بھلا کسی کا ساتھی یا صحابی ہونا بھی کوئی فضیلت ہے نبی کے ساتھ ہونا اور اس کا صحابی ہونا اس وقت فائدہ مند ہے جب نبی پر ایمان رکھتا ہو اور زندگی بھر نبی کا وفادار رہے وہ کون شیعہ ہے جو ایسے صحابیوں کو نہیں مانتا بلکہ شیعہ فرقہ وفادار صحابۂ رسول کو سردار سمجھتا ہے اور ان کی غلامی کو فخر خیال کرتا ہے دیکھیے یہاں صرف صاحب کا لفظ وارد ہے۔ اور اس کو فضیلت پر محمول کیا جا رہا ہے لیکن انما ولیکم اللہ الخ میں باتفاق مفسرین علی کو ولی کہا گیا ہے لیکن اس کی تاویلیں کی جاتی ہیں۔ اور اس کے علاوہ بیسیوں اس قسم کی آیات ہیں جن میں اہل بیت عصمت کا تذکرہ آتا ہے تو ان کو قابل اعتنا تک نہیں سمجھا جاتا دیسے اگر تعصّب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر حقائق کا جائزہ لیا جائے تو خود ساتھی ہونا اپنے مقام پر معیار فضیلت نہیں ہے۔ نبیوں کے ساتھ کفار و منافقین بھی رہتے رہے ہیں۔ حضرت یوسف کے قید کے دو ساتھیوں کو قرآن میں ان کا صاحب کہا گیا ہے حتیٰ کہ عربی زبان میں جانور ساتھی پر بھی صاحب کا اطلاق ہوتا ہے علاوہ اگر معیار فضیلت ہے تو وہ ہے ایمان اور عمل اور یہ چیز بلندی کا وہ زینہ ہے جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

بارھویں فضیلت۔ خدا نے فرمایا لاتحزن یعنی جس کو اللہ تسلی دے۔ اس کا کون مقابلہ کر سکتا ہے دریں عقل و دانش بباید گریست

اصل بات یہ ہے کہ جو بھائے اس کی ہر بات بھائے۔ اور جو نہ بھائے اس کی کوئی بات بھی نہ بھائے والا معاملہ ہے۔

تیرھویں فضیلت ۔ خداوند کریم نے مخصوص کر کے قرآن مجید میں سوائے ابوبکر کے کسی کی تعریف نہیں کی لہٰذا وہ اس فضیلت میں یکتا ہیں۔

جواب ۔ اگر آیت مجیدہ میں ان کی تعریف و فضیلت ہے تو یہ ان کو نصیب ہے ہاں باقی کسی کی فضیلت قرآن میں عقل کے اندھوں کو کب نظر آسکتی ہے جو چشم بصیرت رکھتے ہیں وہ آیت ولایت آیت شہادت آیت مرضات آیۃ تبلیغ، آیت اکمال دین، آیت تطہیر اور آیت مباہلہ اور اس قسم کی بیسیوں آیتیں قرآن میں پاتے ہیں جو بالخصوص حضرت علیؑ کی فضیلت میں نص ہیں جن کو متعصب ترین لوگ بھی تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکے۔

نتیجہ ۔ یہ تیرہ فضیلتیں ہیں جو اپنے عہد کے مصر کے مفتی اعظم محمد بن عبدہ نے اپنی تفسیر منار میں آیت غار سے استنباط کی ہیں انہوں نے صاحب غار کے فضائل تلاش کرنے میں بہت بڑی محنت و کاوش سے کام لیا اور بہت تگ و دو کی لیکن سب کی سب سعی لاحاصل کے سوا اور کچھ نہیں جس طرح کہ واضح کیا جا چکا ہے۔

ہر کیف انہوں نے جہاں غار کی حقیقت بیان کی اور غار کی طرف پہنچنے کا راستہ کسی کی زبانی نقل کیا تو اس فضیلت کو ذکر کرنے کی جرأت تک نہ رہی کہ حضرت ابوبکر حضرت رسالت مآبؐ کو غار تک کندھوں پر اٹھا کر لے گئے تھے، جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ذکر ہوا ہے کیونکہ وہ اس امر کو بھانپ گئے کہ غار تک پہنچنے میں اس قدر صعوبت کے باوجود کسی دوسرے کو کندھے پر اٹھا کر لے جانا ایک فرضی افسانہ ہی بن کر رہ جائے گا جو باقی مفروضہ فضیلتوں کی ناؤ کو بھی ڈبو کر رہے گا۔ لطف یہ ہے کہ صاحب روح المعانی نے بعد کی گرفت سے بالکل بے نیاز ہو کر بڑے طمطراق سے لکھ دیا کہ حضرت ابوبکر نے حضرت رسالتمآبؐ کو غار کے باہر اتارا اور عرض کی کہ پہلے میں اندر جا کر غار کو صاف کرتا ہوں تاکہ کوئی موذی جانور آپ کو گزند نہ پہنچائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا پھر غار کے باہر آکر حضور کو اٹھا کر غار کے اندر لے گئے جس طرح کہ کوئی بڑا آدمی کسی بچے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی سے اٹھا کر سلا دیا کرتا ہے یا جس طرح کوئی تندرست کسی مریض کو یا طاقتور نوجوان کسی بڑے بوڑھے ناتواں ضعیف کی خدمت کیا کرتا ہے گویا صاحب کتاب نے رسول کو گوشت کا ایک لوتھڑا بنا دیا کہ حضرت ابوبکر کے رحم و کرم پر ہی ان کا انحصار تھا۔ اب بھلا ایسی بے تکی بات کو مفتی مصر کیسے اپنی تفسیر میں درج کر سکتا تھا جب کہ وہ غار کی تحقیق میں یہ بھی لکھ چکا تھا کہ داخلے کے لیے غربی راستہ تھا جو ۲ × ۳ بالشت کے اندازہ سے تھا کہ داخل ہونے والا پیٹ کے بھر لیٹ کر مشکل سے اندر جا سکتا تھا۔ اب یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایک پورا آدمی اپنے ہم عمر کو اٹھا کر بغیر کسی کلفت کے اندر لے گیا، ہاں یہ باتیں صرف وہی لکھ سکتا ہے جو اس کی پرواہ نہ کرے کہ کیا لکھا ہے اور جو لکھا ہے اس کو عقل و نقل تسلیم بھی کرتا ہے یا نہیں البتہ وہ عوام جو ایسے نایاب فضائل کے لیے ترستے ہیں ان کے کانوں کی لذت کا سامان خوب مہیا ہو گیا وہ بے شک اندھا دھند واہ واہ بھی کریں گے اور خوشی سے سر بھی ماریں گے۔ اور ساتھ یہ بھی تحریر ہے کہ غار کے اندر پہنچ کر حضرت ابوبکر کے زانو پر سر رکھ کر رسول پاک سو گئے تھے۔ اور جن

سوراخوں میں حضرت ابوبکر نے اپنے پاؤں رکھ لیے تھے ان سے سانپوں نے ڈسنا شروع کر دیا تھا تو پاؤں کو حرکت تک نہ دیتے تھے کہ مبادا رسول کی نیند خراب ہو۔ حالانکہ رسول کی شان یہ ہے کہ وہ ہماری طرح بے ہوش ہو کر نہ سوتے تھے۔ اور نہ غافل ہوتے تھے، اور آرام کے وقت بھی غافل نہ سونے والا نبی بھلا ایسے پُرخطر ماحول میں کیوں کر اتنا غافل سویا کہ ساتھی کی تکلیف کا احساس جاتا رہا۔ اور پھر ساتھی کے زانو پہ سر رکھ کر سونا اور مضحکہ خیز ہے۔ گویا رسول پاک کو اپنی تھکاوٹ کا احساس تھا اور ساتھی کی تھکاوٹ کا قطعاً خیال بھی نہ فرمایا۔ غالباً انہی چیزوں کو ملحوظ رکھ کر ابن عبدہ مفتی مصر کو ان فضائل کے شمار کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

نیز بوقت روانگی جب زادِ راہ حضور کو دیا جانے لگا تو اکثر مفسّرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی اسماء نے اپنے نطاق یعنی کمربند کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑے کے ساتھ زادِ راہ کو باندھا جس کی وجہ سے اس کا لقب ذات النطاقین پڑ گیا۔ یہ بات بھی فضیلت کی تھی بہرکیف اس قسم کی کئی فضیلتیں تلاش کر کے اگر ذکر کرتے جاتے تو فضائل کی ایک طولانی فہرست بن جاتی لیکن انہوں نے صرف انہی مذکورہ فضیلتوں پہ اکتفاء کیا اور آگے قدم نہ بڑھایا۔

کاش! اہل بیت عصمت سے مسلمانوں کو مفت کا عناد نہ ہوتا اور وہ چشم بصیرت سے حقائق کا جائزہ لیتے۔ تو یقیناً اس نظریہ پر پہنچتے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام ہر خطرے کے مقام پر حضرت رسالتمابؐ کے سینہ سپر رہے اور حضرت علی کی ادنیٰ سے ادنیٰ فضیلت کا بھی اگر تمام اہل دنیا سے مقابلہ کیا جائے تو وزنی ثابت ہو گی۔ اسی شب ہجرت کو لے لیجیے۔ (۱) تفسیر مظہری ص۲۹ پ۱۰ رسول پاکؐ خود حضرت علیؑ کو امانتیں ادا کرنے کے لیے مدینہ میں ٹھہرا گئے تھے۔ اب اگر حضور کی نظر میں علی سے بڑھ کر کوئی دوسرا امین ہوتا تو کیوں نہ اس کو مقرر فرماتے۔ (۲) حضرت علی کو اپنے بستر پر سلا کر جانا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ پوری اُمت میں سے حضرت علی ہی اس لائق تھے کہ وہ بستر رسول پر سوئیں گویا رسول نے اہل مکہ کی آنکھیں کھول دیں کہ میرے بعد اگر کوئی شخص میرے فرائض ادا کر سکتا ہے یا میری جگہ لے سکتا ہے تو وہ میرا بھائی علی بن ابی طالب ہے: میری مسند کا وارث بھی یہی ہے اور میری امانتوں کی ادائیگی کا ذمہ دار بھی یہی ہے۔ کافروں کی امانت سے مومن کی بلکہ خدا کی امانت زیادہ اہم ہے۔ تو جس کو کفار کی امانت کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دینا گوارا نہیں کیا جاتا اس کو خدائی امانت یعنی عہدہ حفاظت اسلام کیسے سپرد کیا جا سکتا ہے پس رسولؐ عملاً اعلان کر گئے کہ صرف علی ہی میری جگہ کو پر کر سکتا ہے اور یہی میرا حقیقی جانشین ہے۔ (۳) حضرت علی بستر رسول پر اس طرح معلوم ہوتے تھے۔ کہ خود بنفس نفیس رسول پاک استراحت فرما ہیں اور مشرکین مکہ کو بھی ساری رات یہی گمان رہا کہ حضور آرام فرما ہیں اور خدا کو حضرت علیؑ کی فداکاری اور وفاداری ایسی پسند آئی کہ آیت من یشتری اُتار دی۔ اندازہ کیجئے۔ کہاں وہ افشاء راز کہ بار بار خاموشی کی تلقین کرنے کی ضرورت ہو۔ اور کہاں یہ رازداری کہ صُبح تک مشرکین رسول و علی میں فرق ہی نہ کر سکے۔ کہاں کسی کو ایک فعل سے روکنا اور کہاں مدح و ستائش میں لب کشا ہونا ہرکیف انصاف و تدبّر کے ساتھ ذوق سلیم کے لیے راستہ صاف ہے۔ حق اور باطل کے درمیان اور تصنع و حقیقت کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے دُور رس اور حقیقت جو بصیرت کی ضرورت ہے۔

تائید بلائکہ۔ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ الخ تفسیر منہج میں ہے کہ دروازہ غار پر بھی خداوند کریم کی جانب سے ملائکہ مقربین کا پہرہ تھا جن

کو لوگوں کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ خداوند کریم کے پاس ملائکہ کی فوج اس قدر ہے کہ انسان اس کا وہم وگمان بھی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ تفسیر لوامع التنزیل میں کتاب جواہر القرآن سے منقول ہے کہ آدمی جنوں کا دسواں حصّہ ہیں۔ اور یہ سب مل کر بحری مخلوق کا دسواں حصّہ ہیں اور ان سب سے صرف زمین کے ملائکہ دس گنا ہیں اور ان سب کو ملایا جائے تو پہلے آسمان کے فرشتے ان سے دس گنا ہیں ان سب سے دوسرے آسمان کے فرشتے دس گنا وعلیٰ ہذا القیاس ساتوں آسمانوں اور زمینوں کے فرشتوں سے کرسی کے فرشتے دس گنا زیادہ ہیں اور ان سب سے عرش کے ایک سرادق کے فرشتے دس گنا ہیں۔ حالانکہ سرادقات کی تعداد چھ لاکھ ہے اور یہ سب مل کر عرش کے فرشتوں کا دسواں حصّہ ہیں۔ آسمانوں میں کوئی قدم رکھنے کی جگہ ایسی نہیں جہاں رکوع سجود یا قیام میں کوئی ملک موجود نہ ہو وہ سب کے سب تسبیح وتقدیس پروردگار میں مشغول ہیں اور یہ سب مل کر عرش کے طواف کرنے والوں کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے قطرہ سمندر کے مقابلہ میں اور پھر لوح کے فرشتے جن کا سردار اسرافیل ہے اور پھر جبریل کے ماتحت کام کرنے والے۔ پس اللہ کے لشکروں کو سوائے اس کی ذات کے اور کوئی نہیں جان سکتا وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ

آیت مجیدہ میں بطور نتیجہ کے اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ نے کفار کے کلمہ کو سرنگوں کیا اور کلمہ توحید ہی سربلند رہا

کلمہ اللہ کی بلندی

اس مقام پر کلمہ کا معنی دو طرح سے کیا جا سکتا ہے۔

(۱) کلمہ اللہ سے مُراد دینِ اسلام ہو اور کلمہ کافرین سے مُراد شرک و کفر وجہالت ہو یعنی خدا نے کفر و شرک کو زیر کیا اور اسلام کو حضور کی ہر جگہ امداد ونصرت فرما کر سربلند فرمایا گویا یہ اعلان بطور پشین گوئی کے ہے جو حرف بحرف سچی ثابت ہوئی۔

(۲) کلمہ کافرین سے مُراد ان کا وہ مشورہ و منصوبہ ہے جو حضور کے قتل کے متعلق تیار کیا گیا تھا کہ رات کو شب خون مار کر حضور کو اپنے بستر پر قتل کر دیا جائے اور ہر قبیلہ کے ایک آدمی کو شریک کیا جائے تاکہ بنو ہاشم کے لیے قصاص لینا مشکل ہو جائے اور ناچار وہ خون بہا پر رضامند ہوں۔ پس خدا نے حضور کو بذریعہ وحی خبر دے دی اور آپ نے ہجرت کر کے کفار کے سارے منصوبے کو ناکام ثابت کر دیا۔ پس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ کافروں کا منصوبہ فیل ہوا اور اللہ کا منصوبہ کامیاب ہوا یعنی رسُول پاک بچ گئے اور تبلیغ اسلامی میں کفار کوئی رخنہ نہ ڈال سکے

خِفَافًا وَّثِقَالًا اس کے کئی معانی کیے گئے ہیں (۱) جوان اور بوڑھے (۲) بخوشی و ناخوشی (۳) بے کار و مشغول (۴) غنی و فقیر (۵) تنگ دست و مالدار (۶) تنہا و عیال دار (۷) سوار و پیادے (۸) کاریگر و بے ہنر (۹) تندرست و مریض (۱۰) بے ہتھیار و باہتھیار (۱۱) کمزور و طاقتور

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ
چلو بخوشی یا بغیر خوشی اور جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں سے
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱
راہ خدا میں یہ بہتری ہے تمہاری اگر تم جانو

لہٰذا اگر معنی عام لیا جائے جو ان تمام کو شامل ہو تو خوب ہے۔

جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ مال و نفس سے جہاد کے وجوب کا حکم ہے ۔ اور اس میں شک نہیں کہ دنیا میں اپنے طور پر کوئی انسان باوقار و پرسکون زندگی گذارنے کا اہل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ جہاد کا اپنے آپ کو عادی نہ بنائے ۔ سست اور کاہل انسان صرف اپنی ذات اور قبیلہ کے لیے نہیں بلکہ وہ انسانیت کے لیے بھی بدنما داغ ہوتے ہیں ۔ ان کا وجود صفحۂ انسانیت پر ناقابل برداشت بوجھ ہوا کرتا ہے اسی طرح اجتماعی طور پر قوم من حیث القوم باوقار اس وقت تک زندہ رہ سکتی ہیں جب تک مشغول جہاد ہو اور اپنے ترقیاتی منصوبوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے آگے بڑھتی چلی جائے ۔ ورنہ جہاں بھی اس کے قدم رک جائیں گے ۔ اور اس کی دفاعی میں کمزوری رونما ہوگی وہاں دوسری دنیا کی ہوشیار قومیں اُسے اپنے مقام سے دھکیل دیں گی اور خود اس کی جگہ سنبھال لیں گی وعلیٰ ھذا القیاس ۔

دورانِ جنگ میں پاکستان

ہمارے وطن عزیز پاکستان کا یہ دور نہایت پر آشوب تھا جب کہ بھارت نے اس ملک کے غیور جوانوں کو للکارا اور پوری قوم دفاع ملک کی خاطر جانی و مالی ہر قسم کی قربانی کے لیے تل گئی ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملک و قوم کے دفاع کی خاطر جو انبساط و سرور اس دور میں دیکھنے میں آیا تھا وہ اس سے قبل مفقود تھا ۔ لوگوں کی چہل پہل تبلاتی تھی کہ ہماری قوم ایک زندہ قوم ہے اور باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ اکثر دنیا کے ممالک آج تک یہ نہیں باور کو سکے تھے کہ پاکستان بھی کوئی دنیا میں الگ اور خود مختار آزاد ملک ہے ۔ حتیٰ کہ انگلستان کے عوام بھی اب تک پاکستان کو بھارت کا ایک صوبہ سمجھے ہوئے تھے لیکن ۶ ستمبر ۶۵ء سے ۲۳ ستمبر ۶۵ء تک کی سترہ یوم کی تاریخی جنگ اور افواج پاکستان کا انتہائی بے جگری سے بھارتی ٹینکوں کے بھرپور حملے کو روکنا اور اُسے پس پا کرنا نیز نہتے مجاہدین کا ٹینکوں اور توپوں کے منہ میں کود کران کو تس و نہس و زیر و زبر کرتے ہوئے جان پر کھیل جانا ایسا اہم کردار تھا جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا اور تاریخ پاکستان میں سنہری حروف سے لکھا جائیگا پس جہاں اٹھارہ سال متواتر پاکستان کے سفارت خانے شب و روز کی محنت و کاوش اور کروڑوں روپے لگے صرف کے باوجود صرف پاکستان کا مستقل وجود اقوام عالم سے تسلیم کرانے میں قاصر رہے تھے ۔ وہاں پاک بھارت کی سترہ دن کی تاریخی جنگ میں مجاہدین پاکستان کا بے پناہ عزم و شعور جذبہ فرض شناسی اور جرأت و ایثار اور باوجود انتہائی قلت و بے مائیگی کے طاقتور سرمایہ دار اپنے سے پانچ گنا دشمن کا منہ موڑ دینا بلکہ ان کے کبر و غرور کو توڑ دینا اس قدر نتیجہ خیز ثابت ہوا کہ اب اقوام دنیا کو صرف پاکستان کا استقلال ہی نہیں تسلیم کرنا پڑا بلکہ انہیں ماننا پڑا ہے کہ پاکستانی قوم دنیا کی زندہ قوموں میں سے ہے ۔ پس جو کام اٹھارہ برسوں میں سفارتخانے نہ کر سکے تھے وہ سترہ دنوں میں باحسن وجوہ پایۂ تکمیل کو پہنچا ۔

نیز اس لڑائی نے قوم کی خفتہ صلاحیتوں کو جگایا بلکہ پوری قوم کی کایا پلٹ گئی ۔ بزدل کو جذبۂ شجاعت ملا سرمایہ دار میں جذبۂ سخاوت پیدا ہوا عوام میں جوش ایثار رونما ہوا ۔ مختلف جماعتوں میں جذبۂ اتحاد و اتفاق کارفرما ہوا ۔ جوانوں میں فرض شناسی کا احساس آگیا ۔ فوجیوں میں شوق شہادت پیدا ہوا ۔ بچوں میں ذہنی انقلاب نے تربیت کی جگہ پائی بوڑھوں کے حوصلے بڑھ گئے ۔ اہل قلم میں تحریری سلیقہ نے ترقی کی مقررین و خطباء و واعظین کے بیانات میں جذبۂ حب الوطنی کا پرچار شروع ہوا ۔ حکام و رعایا نے کسی حد تک

اپنے اپنے رویوں میں اعتدال پسندی کی طرف رُخ کیا۔ بہرکیف اس سترہ دن کی مختصر لڑائی نے قوم کے دلوں میں ایسے ان مٹ نقوش چھوڑے جو صدیوں تک محو نہ ہو سکیں گے اور ایسے موثر درس دیے جو کتابوں سے صدیوں تک حاصل نہ ہو سکے۔ اور یہ اس سترہ روزہ جنگ کی اعجاز نمائی تھی کہ شہری عورتوں میں فیشن پرستی کا بڑھتا ہوا رجحان یکبارگی رک گیا تھا اور اس کی جگہ اسلامی اقدار کی طرف توجہ ہونے لگی تھی آوارہ چہل پہل اور خوش گپیوں کی بجائے امور خانہ داری کا احساس دلوں میں کارفرما ہوگیا۔

غرضیکہ مغربیت کے جمے ہوئے قدم ایک دم اکھڑ گئے اور بھولا ہوا اسلام یاد آیا لیکن جونہی جنگ بندی کا اعلان ہوا تو رفتہ رفتہ قدم پیچھے کو سرکنے لگ گئے اور اعلان تاشقند کے بعد تو نہ صرف جنگ سے قبل کی یاد تازہ ہوئی بلکہ لادینیت کا سیلاب پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک صورت میں ظاہر ہوا

آئیے اس جنگ سے قبل سوادِ اعظم کے نزدیک علیؑ کا نام لینا اور اس کی شجاعت کا منبروں پر بیان کرنا بار خاطر تھا۔ اور واقعات کربلا کا بیان کرنا بدعات میں سے سمجھا جاتا تھا۔ لیکن وقت آنے پر وہ سب یکسر منسوخ ہو گیا دیکھتے ہی دیکھتے اخبارات میں علیؑ علیؑ کے نعرے بلند ہونے لگے فوجیوں میں یا علیؑ یا علیؑ کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ریڈیائی گانوں کی جگہ قومی ترانوں نے لے لی جن میں علیؑ علیؑ کا ورد اکثر ہونے لگا۔ اور شعراء نے اپنے کلام منظوم کو شجاعت حیدری کے بیان پر وقف کر دیا۔ جہاں شجاعت کا جوش دلانے کی ضرورت ہوئی۔ تو کہا گیا علی علی کرو اور آگے بڑھو اور جہاں مرنے والوں کے وارثوں کو تلقین صبر کی گئی تو واقعات کربلا کو دھرا دیا گیا۔ اب واعظین، ذاکرین نیز علماء و مجتہدین جو کام صدیوں نہ انجام دے سکے تھے وہ جوش جنگ اور شوق جہاد نے سترہ دنوں میں انجام دے دیا۔ اب تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ کہے علی علی کہنا گناہ ہے فوجیوں میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ جب نام علی منہ سے نکل جاتا ہے۔ گرتا ہوا انسان بھی سنبھل جاتا ہے اور مدت سے ایک شعر پڑھا سنا لکھا جاتا تھا کہ اسلام کے دامن میں بس دو ہی تو چیزیں ہیں۔ اک ضربِ یداللہی اک سجدہ شبیری

اس سترہ روزہ جنگ نے اہل پاکستان پر روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے کہ ایسے آڑے وقتوں میں شجاعت کے لیے علی کے کارنامے اور صبر آزما حالات میں حسینی مصائب کے سوا مسلمان کے پاس اور کچھ نہیں ہے۔ پس علی و حسین کی اطاعت ہی حقیقی اسلام ہے اور بس

عوامی تاثرات

اس مقام پر مناسبت کے لحاظ سے روزنامہ نوائے وقت ۲۶ اکتوبر ۶۵ء کے تیسرے صفحے کے کالم ۶ سے ایک جملہ ملاحظہ فرمایئے۔ "جنگ کے سترہ دنوں میں بڑے انقلاب آئے ہیں۔ انقلابات زمانہ میں سے ایک انقلاب یہ بھی ہے کہ جو ادیب، شاعر اور دانشور "بسم اللہ" پڑھتے ہوئے شرماتے تھے اب اعلانیہ کلمہ پڑھنے لگے ہیں۔ وہ ایسے مشرف باسلام ہوئے ہیں کہ یقین نہیں آتا کہ یہ وہی ترقی پسندوں کی نسل ہے جو اسلامی شعار کو رجعت پسندی کی نشانیاں قرار دیا کرتی تھی اب وہ اس طرح علی علی کے نعرے لگا رہے ہیں کہ اس طرح کبھی کسی صنم نے بھی ہری ہری نہیں پکارا ہوگا۔

نیز اسی اخبار کے ۱۸ نومبر ۶۵ء کے تیسرے صفحے پر "جنگ" کے عنوان سے جو مضمون درج ہے اس میں یہ فقرات مذکور ہیں۔

سنت الٰہیہ یہ ہے کہ کبھی کبھی اس کا فضل و کرم، قہر و غضب کی صورت میں نازل ہوتا ہے اور مسلمانوں کو مصائب و مشکلات میں مبتلا کر کے ان کی سربلندی و سرفرازی کا سامان پیدا کیا جاتا ہے اور کبھی اس کا قہر و غضب لطف و کرم کی صورت

میں نمودار ہوتا ہے کہ انسان کو رزق کی فراوانی اور مال کی فراوانی دے کر عیش و عشرت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور وہ مقصد زندگی سے غافل ہو چکا ہے اب کے اس کا فضل و کرم ہندوؤں کے عیارانہ حملہ کی صورت میں نمودار ہوا مسلم خوابیدہ توپوں کی گھن گرج سے بیدار ہوا۔ اس کے منتشر عناصر بجلی کی سرعت اور مقناطیس کی کشش کی طرح آناً فاناً ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ اُن کی باہمی عداوتیں، رقابتیں، کدورتیں اور رنجشیں سب کافور ہو گئیں اختلافات مٹ گئے دشمن دوست اور مخالف موافق بن کر ایک ہی صف میں دشمن کے سامنے صف آرا ہو گئے ناجائز منافع خوری، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری اور فسق و فجور کے دروازے یکلخت اور خود بخود بند ہو گئے، ڈاکوؤں، لٹیروں، راہزنوں، قاتلوں اور چوروں نے جرائم سے ہاتھ روک لیے۔ جو دین سے بیزار تھے، وہ دیندار بن گئے، جو شراب کے رسیا تھے وہ غازی بن گئے جو اسلام کا نام آتے ہی بغلیں جھانکنے لگتے یا اس کا مضحکہ اڑانے لگتے تھے وہ اب اسلام کے گیت گانے لگے جو ترقی پسند تھے رجعت پسند بن گئے اور لینن لینن کی بجائے علیؓ علیؓ کرنے لگے ریڈیو پاکستان جو قوم کو راگ و رنگ، رقص و سرود کی تعلیم و تربیت دینے، عریاں اور فحش فلمی گیت سنانے کے لیے وقف تھا مومن بن گیا۔

عَرَضًا قَرِيبًا یعنی وہ جو انسان کو پیش آئے (منفعت میں سے) اور قریب ہو یعنی ایسی منفعت جو بلا تکلیف حاصل ہو۔

قَاصِدًا یہ تامر اور لابن کی طرح ہے یعنی جس طرح تامر کا معنی صاحب تمر اور لابن کا معنی صاحب لبن ہے اسی طرح قاصد کا معنی صاحب قصد ہے یعنی جس کا قصد کرنا آسان ہو مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ مادہ پرست ہیں ان کو مذہب کی حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں پس اگر ان کو مادی فائدہ ہوتا اور بغیر تکلیف کے مال و دولت کے حصول کا لالچ ہوتا تو بلا تردد آپ کے پیچھے چل پڑتے لیکن یہاں تو وہ بات نہیں ہے کیونکہ سفر لمبا بھی ہے۔ اور باعث تکلیف بھی۔ اور علاوہ ازیں موت بھی سامنے ہے اسی لیے قسم قسم کے بہانے تراش کر معذرت پیش کرتے ہیں۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن

اور اگر ہوتا نفع خوری یا سفر آسان تو اتباع کرتے ولیکن

بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا

لمبا سوجھا ان کو فاصلہ اور ابھی اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہماری طاقت ہوتی

لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ

تو تمہارے ساتھ چلتے وہ اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے

لَكَاذِبُونَ ﴿٤٢﴾ عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ

ہیں۔ اللہ کی عفو میں رہو انہیں کیوں اذن دیدیا یہاں تک کہ تم کو

لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿٤٣﴾

معلوم ہو جائیں وہ جو سچ کہتے ہیں اور جان لو جھوٹوں کو

وَسَيَحْلِفُونَ یعنی جب آپ جنگ سے واپس آئیں گے تو یہ لوگ اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے اور خیر خواہی کو جتلانے

کی خاطر قسمیں کھا کھا کر اپنی معذرت کا اظہار کریں گے حالانکہ وہ بالکل غلط بیانی ہو گی جن کا ایمان وصداقت سے کوئی واسطہ نہ ہوگا

رکوع ۱۳ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ بعض لوگوں نے حیلہ سازی اور چاپلوسی کر کے آپ سے گھر بیٹھ رہنے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ تو خداوند کریم تنبیہ فرما رہا ہے اس طرح کہ سرزنش سے قبل عفو کا اظہار فرمایا یعنی آپ کا ان کو اجازت دینا اگرچہ قابل مواخذہ نہیں کیونکہ اس بارہ میں آپ مختار کل ہیں لیکن آئندہ ایسے بہانہ کرنے والوں کو فوراً اجازت نہ دیا کرو، بلکہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کر کے عمل کیا کرو تاکہ ان میں سے سچے اور جھوٹے کا پتہ چل سکے۔ یہ آیتیں غزوہ تبوک سے مسلمانوں کی سستی کی مذمت کے لیے اتری تھیں۔

لَا یَسْتَاْذِنُکَ یعنی جن لوگوں کے دلوں میں ایمان راسخ ہے وہ تن من دھن سے جہاد کے لیے حاضر ہیں لہذا بار بار آپ سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے لیکن جو لوگ منافق ہیں ان کے دل تو پہلے سے ہی شک میں ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس طرح سے ان کی گلو خلاصی بھی ہو جائے گی اور مورد عتاب بھی نہ بنیں گے لہذا بار بار آپ سے ان کا سوال کرنا اسی بدباطنی ہی کی پیداوار ہے

لَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ
نہیں پوچھتے آپ سے وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت پر یہ کہ آیا

یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۴﴾
جہاد کریں اپنے مالوں اور جانوں سے اور اللہ جانتا ہے تقویٰ کرنے والوں کو

اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
پس پوچھتے وہی ہیں جو نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور قیامت پر اور

وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ
شکی ہیں ان کے دل اور وہ حالت شک میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور اگر

اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ
وہ جانا چاہتے تو اس کے لیے تیاری کرتے لیکن اللہ نے ناپسند

اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِیْلَ اقْعُدُوْا
کیا ان کا جانا پس ان کو روک دیا اور کہا گیا کہ بیٹھ رہو بیٹھ

مصلحت جہاد: ہر دور کی مصلحت یہ ہے کہ انسان اپنی اس مختصر تمدنی زندگی میں جیتی جاگتی شخصیت بن کر رہے ایسا نہ ہو کہ دنیا والے اسے باوجود زندہ ہونے کے مردوں کے برابر سمجھیں، نیز ایسا نہ ہو کہ خود غافل رہے اور گذشتہ مجاہدین کے کارناموں پر فخر و مباہات کو تا زندگی قرار دیتا رہے، بلکہ ایسی مجاہدانہ زندگی بسر کرے کہ گذشتہ ارواح اس کو خراج تحسین پیش کریں اور آئندہ نسلیں اس کے کردار کو مشعل راہ بنائیں پس اگر کوئی زندہ گذشتہ اکابر کے کارناموں پر فخر کرے تو یوں سمجھے کہ وہ زندہ زندہ نہیں، بلکہ مردہ ہے جو مردہ لوگوں کے کارناموں پر

maablib.org

فخر کو مال زندگی سمجھے اور وہ مردہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہے جو اپنی چند روزہ زندگی میں ایسے آثار چھوڑ کر جائے کہ زندہ قومیں اس پر فخر و مباہات کرتی رہیں۔ پس ہر دور میں مجاہدانہ زندگی ہی حقیقی زندگی ہے لہٰذا اپنے مال و جان کو جہاد کے لیے ہر وقت تیار رکھنا فریضہ انسانیت ہے اور قوموں کی مجموعی زندگی کی کامیابی اسی نقطۂ نظر سے ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ وہ قومیں زندہ ہیں جو حرکت و شعور میں ہوں اور وہ قومیں مردہ ہیں جو دوسروں کی دست نگر رہیں قرآن مجید نے مالی و جانی ہر دو قسم کے جہادوں کا حکم دیا ہے تاکہ ہر شخص اپنی حیثیت و موزونیت سے قومی و انسانی جہاد میں حصّہ لے سکے یعنی مرد اپنی حیثیت سے عورت اپنے انداز سے جوان اپنی موزونیت سے اور بوڑھے اپنی بساط سے علماء اپنی پوزیشن کے ماتحت اور عوام اپنی صلاحیت سے فقیر اپنی حیثیت سے اور تونگر اپنی طاقت سے گویا ہر شخص کو اپنی اپنی حیثیت کا سپاہی بن کر گذارنا چاہیے۔

لَوْ خَرَجُوْا پچھلی آیت کی تفسیر ہے اور منافقین کی قلبی کیفیت کا بھانڈا پھوڑا جا رہا ہے کہ یہ لوگ جو آپ سے جنگ کی اجازت چاہتے ہیں درحقیقت یہ جنگ پر آمادہ نہیں ورنہ کم از کم کچھ تیاری تو کر لیتے اور اچھا ہوا کہ نہیں گئے ورنہ ان کی نیتیں خراب تھیں اور خدا کو ان کا جانا گوارا نہیں تھا پس اس نے ان کی رکاوٹ کے اسباب پیدا کر دیئے اور وہ بیٹھے ہی رہے کیوں کہ اگر جاتے تو کفار کی طرف سے جاسوسی بن جاتے اور مسلمانوں کے رازوں کا افشاء کر کے مسلمانوں میں کمزوری کا باعث بنتے یا مسلمانوں میں چغلی و غیبت کو ہوا دے کر ان کی آپس میں پھوٹ کا باعث ہوتے اور یہ جو ارشاد فرمایا ہے کہ قِیْلَ اقْعُدُوْا الخ اس کا یہ مقصد نہیں کہ ان کو اس طرح کہا گیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے ایسے اسباب پیدا کر دیے کہ ان کو بیٹھ جانے کا بہانہ دستیاب ہوگیا۔ بس یہ تعبیر سمجھانے کے لیے ہے

مَعَ الْقٰعِدِیْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِیْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا

رہنے والوں کے ساتھ ۔ دیکھو کہ اگر وہ جاتے تو نہ زیادہ کرتے مگر فساد اور

وَّ لَاَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ یَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ

سازشیں کرتے تمہارے درمیان کہ تم میں پھوٹ ڈال دیتے اور تم میں ایسے ہیں جو ان کی

لَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ

سنتے ہیں اور خدا جانتا ہے ظالموں کو ۔ البتہ ایک مرتبہ پہلے بھی انہوں نے پھوٹ ڈالی

وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ

اور تمہاری تدبیر کو الٹا یہاں تک کہ حق آگیا اور اللہ کا امر غالب ہوا حالانکہ وہ

كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّیْ وَ لَا تَفْتِنِّیْ ؕ

ناپسند کرنے والے تھے ۔ اور ان (منافقوں) میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالیے

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ یعنی منافق گروہ نے اس جنگ یعنی غزوہ تبوک سے پہلے بھی اپنی بدباطنی اور انتشار پسندی کا ثبوت

دیا۔ یعنی سب سے پہلے جنگ احد میں انہوں نے شر پسندی کا بدترین مظاہرہ کیا تھا جب کہ عبداللہ بن ابی نے بمعہ جماعت کے عین موقعہ پر ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا تاکہ مسلمانوں کے قدم ڈگمگا جائیں لیکن خدا نے فتح و نصرت دے کر ان کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور اسلام کا بول بالا کر کے ان کو شرمسار اور رسوا کیا۔

وَلَا تَفْتِنِّی ۴۹ یعنی بعض کہتے ہیں کہ ہمیں آپ معاف فرمائیں اور آزمائش میں نہ ڈالیں کہ آپ کی اطاعت نہ کر کے ہم آزمائش میں پڑ جائیں گے۔

أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۴۹﴾

آگاہ ہو وہ آزمائش میں تو آگئے اور تحقیق جہنم اپنی لپیٹ میں لینے والا ہے ۔ کافروں کو

إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا

اور اگر پہنچے تمہیں فائدہ تو انہیں برا لگتا ہے ۔ اور اگر پہنچے انہیں مصیبت تو کہتے ہیں ، ہم نے

قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿۵۰﴾ قُلْ

اپنا بچاؤ کر لیا پہلے سے اور خوشی خوشی واپس جاتے ہیں کہہ دیجئے

لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ

ہمیں نہیں پہنچتا مگر وہ جو مقرر کیا اللہ نے ہمارے لیے وہ ہمارا مولا ہے اور اللہ پر ہی

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى

بھروسا کرنا چاہیے مومنوں کو کہہ دیجئے کہ تم نہیں انتظار کرتے ہمارے متعلق مگر دو میں سے ایک

الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ

کہ جارے فائدہ کی ہیں (غنیمت یا شہادت) اور ہم تمہارے متعلق (صرف ایک) سوچتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنے

مِنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ ﴿۵۲﴾

عذاب بھیجے گا اپنی جانب سے یا ہمارے ہاتھوں سے پس تم بھی منتظر رہو اور ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ ۔ چونکہ جس جنگ میں مومنوں کو کافی مال غنیمت ہاتھ لگتا تھا اور فتح و نصرت سے واپس آتے تھے تو منافقین کو دل میں کافی دکھ پہنچتا تھا، اور اگر ظاہری طور پر مومنوں کو جسمانی یا مالی کوئی نقصان پہنچتا تو وہ خوشی سے بغلیں بجاتے تھے پس خداوند کریم ان کی سرزنش میں فرماتا ہے کہ ان جاہلوں کو حقیقت کی خبر نہیں کیونکہ یہ اگر فاتح ہوں تو اسلام کی سربلندی کے ساتھ ان کو مالی فائدہ بھی پہنچتا ہے اور وقار و عظمت میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور مارے جانے کی صورت میں وہ درجہ شہادت پر فائز ہوتے ہیں جس سے ان کی اخروی زندگی سدھر جاتی ہے۔ بہرکیف مسلمانوں کو تو ہر طرح سے فائدہ ہی ہے پس منافق لوگ ان کے متعلق جو پہلو بھی سوچیں گے وہ ان کے فائدہ کا ہی ہوگا خواہ دنیاوی فائدہ ہو یا اخروی لیکن بخلاف اس کے چونکہ منافقوں کا فائدہ منحصر

ہے۔ دنیاوی منافع میں اور وہ اس سے محروم ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کا ہی بول بالا رہے گا اور اُخروی وقار اس لیے نہیں کہ نعمت ایمان سے محروم ہیں۔ پس ظاہری ایمان کی وجہ سے ان کی جان و مال ایک مصلحت کے ماتحت محفوظ ہے۔ لہٰذا وہ ہر طرح عذاب کا ہی لقمہ بنیں گے۔ یا تو ان کے متعلق حکم بھیجے گا پس ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں دُنیاوی عذاب چکھنا پڑے گا اور یا وہ خود عذاب بھیج دے گا ورنہ عذاب آخرت تو ان کے لیے ہے ہی پس ان کا خسارے میں ہونا حتمی ہے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا منافقین کے لیے سرزنش ہے کہ وہ اپنے اموال اگر خرچ کریں خواہ اپنی مرضی سے کریں یا مجبور ہو کر کریں ان کا یہ خرچ عنداللہ مقبول نہ ہوگا کیوں کہ وہ دولت ایمان سے بہرہ ور نہیں ہیں اور اللہ اور اس کے رسُول سے کفر کرنے والوں کی نیکیاں ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوتیں اور ان کے عدم ایمان کی نشانی یہ ہے کہ وہ جب نماز پڑھتے ہیں تو سُستی اور بددلی سے ورنہ اگر ان کا خدا پر ایمان ہوتا تو نماز کی یہ حالت نہ ہوتی اسی طرح جو صدقات و زکوٰۃ ادا کرتے ہیں وہ بھی بدل ناخواستہ اور تاوان سمجھ کر ورنہ اگر ان کا ایمان درست ہوتا تو اُسے عبادت سمجھ کر کرتے اور مستحق ثواب ہوتے۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار پر فروعات دین کی بجا آوری واجب ہے اگرچہ ایمان کے بغیر وہ حد مقبولیت کو نہ پہنچیں گے۔ نیز یہ آیات ان لوگوں کو بھی سرزنش کر رہی ہیں جو اسلام و ایمان کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن نماز و زکوٰۃ وغیرہ کے قریب تک نہیں جاتے خداوند کریم سُستی سے نماز پڑھنے اور بدل ناخواستہ زکوٰۃ ادا کرنے کو ان کے کفر کی دلیل قرار دے رہا ہے تو بالکل نہ پڑھنے والے اور زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے کیسے مسلمان یا مومن کہلانے کے حقدار

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا

کہہ دیجئے کہ خرچ کرو خواہ خوشی سے یا بددلی سے ہرگز قبول نہ ہوگا تم سے کیوں کہ تم فاسق لوگ

فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ

ہو اور کوئی رکاوٹ نہیں اس سے کہ ان کا دیا ہوا قبول ہو مگر یہ کہ وہ انکاری

اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ

ہیں اللہ اور اس کے رسول کے اور نہیں پڑھتے نماز مگر بددلی سے اور

هُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا

نہیں خرچ کرتے مگر ناپسندیدگی سے پس نہ

تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

تعجب میں ڈالیں تمہیں ان کے اموال و اولادیں بجز اس کے نہیں کہ اللہ انکو معذب رکھنا چاہتا

بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

ہے۔ ان کی بدولت دنیاوی زندگی میں اور ان کے روح نکلتے ہیں درحالیکہ وہ کافر ہوتے ہیں۔

قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ یعنی کفار و منافقین کے پاس مال و اولاد کی کثرت سے یہ اندازہ نہ کیا جائے کہ خدا ان پر راضی ہے کیونکہ وہ بڑے خوش حال ہیں بلکہ یہی مال و اولاد دنیا میں بھی ان کے لیے وبال ہے کہ وہ ہر وقت ان کی وجہ سے عذاب خداوندی میں گرفتار رہتے ہیں اور جب مریں گے تو ان کا مال و اولاد سب کا سب ان کے لیے باعث حسرت و ارمان ہوگا اور اسی عذاب سے معذب ہو کر رخصت ہوں گے اور پھر قیامت میں اس سے بھی زیادہ عذاب ان کے لیے تیار ہوگا، نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا محذوف سے متعلق ہو کر اَوْلَادُهُمْ کی صفت بن جائے اور معنی یہ ہو کہ ان کے اموال و اولاد جو ان کو زندگانی دنیا میں عطا ہوئے ہیں، وہ

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ تم ہی سے ہیں حالانکہ وہ تم ہی سے نہیں بلکہ وہ لوگ

قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغٰرٰتٍ أَوْ مُدَّخَلًا

ڈرے مارے (تمہارے ساتھ) ہیں اگر وہ پاتے کوئی جائے پناہ یا غار یا داخل ہونے کی جگہ تو اسی

لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ يَجْمَحُونَ ﴿٥٧﴾ وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي

کی طرف جلدی سے بھاگ جاتے اور بعض ان میں سے تم پر صدقات (کی تقسیم)

الصَّدَقٰتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا

کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں پس اگر ان کو دیا جائے تو راضی ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو وہ

إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتٰهُمُ اللَّهُ

ناراض ہوتے ہیں اور اگر وہ خدا اور رسول کے دیئے پر راضی ہو جاتے

وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن فَضْلِهِ

اور کہتے ہمیں خدا کافی ہے، عنقریب اللہ اپنے فضل سے ہمیں دے گا

تمہیں تعجب میں نہ ڈالیں کیونکہ یہ خدا کی طرف سے ان کا استدراج ہے اور درحقیقت یہ چیزیں ناشکری کی وجہ سے ان کے اخروی عذاب کا پیش خیمہ ہیں اور پہلے معنی کی رو سے اگرچہ مومن بھی مال و اولاد کی وجہ سے دنیا میں گرفتار مصائب تو ہوتا ہے لیکن چونکہ ایمان کی بدولت وہ دل میں یہ تسلی رکھتا ہے کہ اس محنت و کاوش کے نتیجہ میں مجھے اخروی درجات نصیب ہوں گے تو وہ دنیاوی تکالیف میں بھی ایک قسم کی راحت قلبی محسوس کرتا ہے۔ بخلاف کافر کے کہ وہ چونکہ آخرت پر تو ایمان رکھتا نہیں لہٰذا دنیا میں مال و اولاد کی وجہ سے ہر تکلیف اس کے لیے صرف عذاب ہی عذاب ہوتی ہے۔

وَمِنْهُم مَّن - یعنی ان منافقوں میں سے ایسے ہیں کہ صدقات کی تقسیم میں آپ کی عدالت کو چیلنج کرتے ہیں کہ آپ نے

عادلانہ تقسیم نہیں کی۔ اصل ان کے نزدیک معیار یہ ہے کہ اگر ان کو حصّہ دیا جائے تو وہ راضی ہیں لیکن اگر صحیح مستحقین میں صدقات کی تقسیم ہو اور ان کو حصّہ نہ دیا جائے تو پھر وہ ناراض ہوتے ہیں اور یہ صرف اس زمانہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ آجکل بھی یہی حالت ہے کہ اگر کہیں کوئی شخص زکوٰۃ یا خمس کی رقوم کو مستحقین میں تقسیم کرے تو جن لوگوں کو حصّہ مل جائے وہ تو کسی حد تک راضی ہو جاتے ہیں لیکن جو محروم رہ جائیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ دینے والے نے جن مستحقین میں تقسیم کیا ہے وہ مجھ سے زیادہ مستحق تھے یا کم از کم وہ بھی مستحق بتھے بلکہ ہر قسم کی لعن وطعن اس پر کرتے ہیں اور ہر گندا کیچڑ اس پر اچھالتے ہیں بلکہ میں نے بعض ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ مستحقین کی ان بے اعتدالیوں کی وجہ سے انہوں نے آئندہ کے لیے عہد کر لیا ہے کہ پھر کبھی اعلانیہ تقسیم نہ کریں گے بلکہ جو واجب الادا ہو گا وہ کسی دوسرے طریقہ سے مستحق تک پہنچا دیں گے خدا ایسے لوگوں کو خود سمجھے بہر کیف آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے ایسا کرنے والوں کو منافقوں کے زمرے میں ذکر فرمایا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے درست راہ یہ تجویز فرمائی ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کریں کہ اگر اس دفعہ تقسیم میں اس کو نہیں ملا تو خدا کسی دوسرے راستہ سے ان کی امداد کر دے گا کیوں کہ اس نے رزق تو دینا ہی ہے اگر وہ یہ طریقہ اختیار کرتے تو ان کے لیے زیادہ موزوں و مناسب تھا۔

لَوْاَنَّهُمْ یہ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے یعنی لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ یعنی اگر ایسا کرتے تو اچھا ہوتا۔

رکوع ۱۴۔ **زکوٰۃ کا بیان** مقام کی موزونیت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جائے مختصر اور جامع طور پر اس کی مصلحت وافادیت شرائط وجوب اور جنس زکوٰۃ وغیرہ اہم پہلوؤں کے ذکر کے بعد مستحقین زکوٰۃ کا بیان چونکہ زیادہ قریب فہم ہو گا لہٰذا پہلے ان کا بیان کرنا ضروری ہے۔

وَرَسُولُهُ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع۱۳ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ

اور اس کا رسول تحقیق ہم طرف اللہ کے رغبت کرنیوالے ہیں (تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا) بس صدقے فقیروں کے لیے

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي

اور مسکینوں اور اس پر کام کرنے والوں اور وہ جن کے دلوں کو مائل باسلام کرنا مطلوب ہو اور غلاموں کی

الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

آزادی اور قرضداروں اور خوشنودی خدا کے راستوں اور مسافروں کے لیے ہیں

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

یہ فریضہ ہے اللہ سے اور اللہ علیم و دانا ہے۔

زکوٰۃ کی مصلحت وافادیت انسان چونکہ مدنی الطبع ہے یعنی اجتماعی اور باہمی تعاون کے بغیر اس کی زندگی نہایت مشکل ہے لہٰذا اسی تمدن کی ضرورت کے پیش نظر خالق نے انسانی افراد کو ایک دوسرے کا محتاج قرار دے دیا تاکہ ایک دوسرے کے قریب تر رہ کر ملے جلے زندگی کی ناؤ کو آگے بڑھاتے چلے جائیں اور اسی بنا پر نقدی

کے ایجاد کی ضرورت محسوس کی گئی کیونکہ اگر ایک کے پاس غلہ ضرورت سے وافر موجود ہے۔ اور دوسرے کے ہاں کپڑا زائد از ضرورت ہے تو ہر شخص اپنے پاس کی زائد چیز دے کر دوسرے سے حسب ضرورت اس کی زائد از ضرورت شے کے لینے کا محتاج ہوتا ہے اور یہ اندازہ کرنا کہ کتنی شے اس کو دے کر اس کی کتنی مقدار کی چیز حصول کرنی چاہیے مشکل تھا بس سوچ بچار کے بعد ایک تیسری چیز ایجاد کی گئی جس کا نام نقدی ہے اور اس کو اشیاء کے باہمی تبادلہ کا معیار قرار دے دیا گیا تاکہ ہر شئی کے افادی اور ضروری پہلوؤں کے پیش نظر نقدی کے ذریعے سے اس کی قیمت کا اندازہ مقرر کر لیا جائے اور بعد میں اسی مناسبت سے اشیاء کا باہمی لین دین عمل میں لایا جائے (ہم نے اس مطلب کو تفسیر کی تیسری جلد میں وضاحت سے بیان کیا ہے) بہر کیف تقاضائے فطرت اور فیصلہ عقل کے ماتحت تمدن جبھی برقرار رہ سکتا ہے کہ دنیا کی ضروری اشیاء اور خدائے قدوس کی نعمات متکاثرہ ادل بدل ہو کر تمام انسانی نفوس کے لیے حسب ضرورت محل انتفاع و استفادہ بنتی رہیں اور کوئی فرد بشر اپنی بقا اور ارتقا میں اسباب کی بندش اور صعوبت کا شکوہ نہ کر سکے۔

چونکہ خداوند حکیم نے اپنی حکمت کاملہ اور تدبیر تامہ کے ماتحت انسان میں جذبہ خواہش اور شہوت بھی پیدا کر دیا ہے جس کے ماتحت ہر انسان اپنی ہر محبوب اور فائدہ مند چیز کو اپنی طرف کھینچنے کے درپے ہوتا ہے۔ اور اس کے لیے زیادہ سے زیادہ اسباب کی تلاش میں رہتا ہے اور اس سلسلہ میں اپنے مقصد کے آگے حائل شدہ ہر رکاوٹ کو ہر ممکن کوشش سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ دنیا کی ہر نعمت سے مجھے زیادہ سے زیادہ انتفاع کا موقعہ دستیاب ہو، بنابریں نفس پرستی کا یہ جذبہ اُسے دوسروں کے کچلنے اور روندنے پر بھی آمادہ کر دیتا ہے۔ پس اپنی برتری اور فوقیت کی برقراری کی خاطر ہر جائز اور ناجائز حیلہ سے دوسروں کو زیر کرنا اور ان کو کمزور کرنا اور اپنا دست نگر بنانا اسی جذبہ کا ہی شاخسانہ ہے اور یہی جذبہ بعض اوقات جہاں دوسروں کے قتل و غارت۔ لوٹ گھسوٹ اور ظلم و تعدی کا موجب بنتا ہے۔ وہاں اپنی ذات میں حسد بغض کینہ عداوت اور بخل بلکہ ہر انصاف سوز اور عدل کش خیالات کے جنم کا باعث ہوتا ہے نیز یہ بات بھی واضح بلکہ اظہر من الشمس ہے کہ ہر شخص کی اس سلسلہ میں جد و جہد کا بارآور ہونا ضروری نہیں اور نہ ہر کوشش منتہا کو پہنچتی ہے، علاوہ بریں طبعی و جبلی اور مزاجی و فطری تفاوت بھی تمام کوششوں کے نتیجہ خیز ہونے کے منافی ہے بنابریں افراد انسانی میں غریب و امیر اور متمول و نادار کا فرق ضروری ہے اور اسی سے احساس کمتری اور احساس برتری کے جذبات نمودار ہوتے اور شریف و رذیل نیز نیک و بد بلکہ دوست و دشمن وغیرہ جیسے الگ الگ خصوصیات و عادات افراد انسانی میں جگہ لیتے چلے گئے۔

اس مقام پر اگر بحث کو آگے بڑھایا جائے تو موضوع ہاتھ سے چلا جائے گا۔ لہذا اسے ایک تمہید قرار دے کر ہم اصل مقصد کو واضح کرتے ہیں کہ خدا نے جب زمین کی پیداوار سے انتفاع حاصل کرنا تمام انسانوں کے لیے یکساں طور پر جائز اور حلال قرار دیا ہے اور تمدنی زندگی میں فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان نعمات خداوندی سے حسب ضرورت فائدہ

اٹھائے پس جن لوگوں کی مساعیٔ پیہم ناکارہ رہیں اور وہ حسب ضرورت نعماتِ خداوندی سے انتفاع کے لیے خود اپنے کفیل نہ بن سکے یا کمزوریٔ اعضا نے انہیں تحصیل ضروریات سے عاجز بنا دیا یا کسی وجہ سے ان کے اسباب جدوجہد مفلوج ہو کر رہ گئے۔ تو ان کے حق زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے خدائے بزرگ و برتر نے اپنے خوان نعمت پر حاضر ہونے والے دوسرے ارباب طاقت و قوت کو دعوت دی کہ میری نعمات کا شکر تم پر واجب ہے اور اس شکر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم نادار اور غریب طبقہ پر رحم کرو اور زندگی کی راہ میں ان کے سامنے حائل شدہ رکاوٹوں کو دور کرنے کی طرف قدم بڑھاؤ اور ساتھ ساتھ ان کو زیادتی نعمت کی پیش کش بھی کر دی اور فرمایا لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (یعنی اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ نعمات عطا کروں گا) تاکہ زیادتیٔ نعمات کی توقع کا حرص اس بخل کو ختم کر دے جو سخاوت کی وجہ سے مالی کمزوری کے احساس کی پیداوار ہے۔

نیز اسی جذبۂ غربا نوازی کو اور بڑھانے کے لیے صدقہ کے فوائد و اثراتِ حسنہ اس قدر بیان فرمائے کہ انسان ان پر یقین رکھنے کے بعد ناممکن ہے کہ بخل کا تصور بھی کر سکے۔ مثلاً جب میدان محشر میں بے سروسامان پیش ہو گا۔ اور خدا کے بھرے دربار میں حساب و کتاب کی نوبت آئے گی۔ اس وقت غضب پروردگار سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ صرف صدقہ ہی ہے جیسا کہ حدیث معصوم میں وارد ہے دوسرے مقام پر صدقہ کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے حدیثِ قدسی میں ہے۔ اَلْمَالُ مَالِیْ وَالْفُقَرَاءُ عِیَالِیْ فَمَنْ بَخِلَ بِمَالِیْ عَلٰی عِیَالِیْ اُدْخِلُهُ النَّارَ وَلَا اُبَالِیْ (خدا فرماتا ہے مال سب میرا مال ہے۔ اور فقراء میری عیال ہیں تو جو شخص میرے مال کا میری عیال پر خرچ کرنے سے بخل کرے گا اس کو جہنم میں داخل کروں گا اور اس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں بہرکیف صدقہ کی ترویج اور غربا پروری کے رجحان کو بڑھانے کے لیے کہیں صدقہ کو زیادتی نعمت کا موجب قرار دیا گیا۔ کہیں تخفیف غضب پروردگار کا سبب بتلایا گیا کسی جگہ [illegible] جہنم کی دھمکی دی کسی مقام پر حفاظت جان و مال کا ضامن قرار دیا۔ کہیں استجابت دعا کا سبب ٹھہرایا۔ کہیں مشکل و مصیبت سے نجات حاصل کرنے کا زینہ مقرر کیا کسی مقام پر اپنی رضامندی اور جنت کی پیش کش کی اور کئی مقامات پر ایک کا بدلہ دس یا ستر یا ہزار یا لاکھ یا ان گنت جزا دینے کا وعدہ فرمایا تاکہ نعمات پروردگار اور ضروریات زندگانیٔ انسان کسی ایک فرد یا ایک طبقہ تک محدود ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ ہر فرد و بشر بحد ضرورت فائدہ حاصل کر سکے۔

پھر واجب صدقہ کے علاوہ مستحب صدقات جگہ جگہ دینے کا حکم دیا مثلاً تعمیر مکان کے لیے شادی کے بعد سفر سے پہلے بلکہ ہر اچھے کام کی ابتدا کے لیے تاکہ وہ بابرکت ثابت ہو علاوہ ازیں نذر نیاز، چڑھاوے، کفارے اور قربانیاں وغیرہ ایک لمبی فہرست ہے جس سے شریعتِ اسلامیہ کے نقطۂ نظر کی خوب وضاحت ملتی ہے کہ خدا نے منافع دنیاویہ میں تمام انسانی افراد کو حق دے رکھا ہے اور اپنے مال سے حقوق واجبہ مثلاً خمس، زکوٰۃ، فطرہ یا نذر، فدیہ و کفارہ وغیرہ اس مقصد کی بولتی ہوئی زبان ہے کہ خداوند کریم نہیں چاہتا کہ مال و دولت ایک جگہ محبوس و مقید ہو کر رہ جائے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ

چلتی پھرتی رہے اور ہر آدمی اس سے منتفع ہونے کا موقع حاصل کر سکے اسی بنا پر خزانہ کرنا مذموم قرار دیا گیا ہے اور سخاوت کو ایک خصلت حمیدہ کا درجہ دیا گیا ہے۔

رفع اشتباہ - میرے اس بیان سے وجوب زکوٰۃ کی مصلحت و افادیت پر جامع طور پر روشنی ڈالی جا چکی ہے لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ مالدار اور صاحبانِ زر سے ان کے اموال و دولت چھین کر برابر فقراء پر تقسیم کر دی جائے تاکہ امیر و غریب کا دنیا میں فرق ہی نہ رہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ امراء اور مالدار طبقہ جو نعماتِ خداوندی سے بدرجۂ اتم اور بحدِ کمال انتفاع حاصل کرتے ہیں اور اپنے پورے اور کھلے اخراجات کے بعد بھی ان کے پاس دولت کی فراوانی رہتی ہے تو اس صورت میں وہ خدا کا شکر کریں بایں طور کہ جو لوگ دنیا میں بے بس اور مفلوک الحال زندگی بسر کر رہے ہیں ان کی خبر گیری کریں اور اپنے برابر نہیں بلکہ اس قدر کہ وہ اپنی زندگی باعزت گذار سکیں اور فاقوں مرنے والے کم از کم پیٹ بھر کر کھانے کو نہ ترسیں اسی وجہ سے چالیسواں یا بعض مقامات پر سو میں سے ایک حصہ ان کے لیے مقرر فرمایا تاکہ امیر اپنی حیثیت سے زندگی بسر کر سکے اور غریب اپنی حیثیت سے زندہ رہ سکے اس میں نہ ظلم لازم آتا ہے اور نہ کمیونزم کا جواز پیدا ہوتا ہے، بلکہ یہ ایک بین بین اور سیدھا راستہ ہے جس کو عقل سلیم آسانی سے قبول کر سکتا ہے۔

چند احادیث - مناسب ہے کہ اس ذیل میں معصومینؑ کے چند فرمان پیش کیے جائیں تاکہ ایمان میں تازگی پیدا ہو جائے۔

(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے نزدیک ایک حج کرنا محبوب تر ہے ایک غلام آزاد کرنے دو غلام آزاد کرنے بلکہ دس غلام اور اتنے اور پھر اور اور حتی کہ فرمایا ستر غلام آزاد کرنے سے لیکن اگر ایک مومن بھوکے گھرانے کو پیٹ بھر کھانا کھلا دُوں اور ان کے برہنہ کو لباس دے دُوں اور ان کے چہروں کو گداگری کی ذلّت سے بچا لوں تو مجھے ایک حج سے دو حجوں سے حتی کہ ستر حجوں سے محبُوب تر ہے۔

(۲) امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو مصائب کو دعاؤں سے دفع کرو اور رزق صدقہ کے ذریعے طلب کرو کہ وہ (صدقہ) اس (رزق) کو سات سو شیطانوں کے پنجہ سے چھڑا لاتا ہے اور مومن کو صدقہ دینا جس طرح شیطان پر گراں ہے اسی طرح اور کوئی چیز اس پر گراں نہیں ہے اور صدقہ بندہ (مستحق) سے پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتا ہے۔

(۳) جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ صدقہ بری موت کو دُور کرتا ہے (یہ روایات کافی سے منقول ہیں)

(۴) بروایت شیخ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے سوائے صدقہ کے ہر چیز کے الگ خازن مقرر فرمائے ہیں لیکن صدقہ کو وہ خود لیتا ہے اور میرے والد ماجد کا دستور تھا کہ صدقہ سائل کے ہاتھ پر رکھ کر ایک دفعہ واپس لیتے تھے اور اس کو بوسہ دے کر دوبارہ سائل کے ہاتھ میں پلٹا دیتے تھے نیز رات کو (خفیہ) صدقہ دینا غضب پروردگار کو بجھاتا ہے، اور بہت بڑے گناہ کو مٹاتا ہے اور حساب کی آسانی کا موجب ہے۔ اور دن کو صدقہ دینا یعنی اعلانیہ صدقہ مال کو بڑھاتا اور عمر کو زیادہ کرتا ہے

(۵) بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔ جو زکوٰۃ کا ایک قیراط (کم از کم مقدار) نہ ادا کرے وہ نہ مومن ہے نہ مسلم۔

(۶) ایک روایت میں آپ نے فرمایا جو ایک قیراط بھی زکوٰۃ نہ دے وہ چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر مرے۔

(۷) فقیہ کی ایک روایت میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا۔ اے علیؑ اس اُمّت کے دس قسم کے لوگ کفر کے مرتکب ہوں گے۔ اور ان میں سے ایک وہ ہے جو زکوٰۃ نہ ادا کرے۔ نیز آٹھ قسم کے لوگ ہیں جن کی دعا مقبول نہیں ہوتی اور ان میں سے ایک تارک الزکوٰۃ ہے۔ الحدیث

(۸) بروایت فقیہ و کافی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ زکوٰۃ کا وجوب فقراء کا پیٹ بھرنے اور امراء کا رزق بڑھانے کے لیے ہے۔

(۹) کافی سے بروایت امام رضا علیہ السلام امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے ایک ہزار سے پچیس (چالیسواں حصّہ) زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے کہ اتنی مقدار فقراء کے گذارہ کے لیے کافی ہے اگر لوگ اتنا حصّہ ہی زکوٰۃ ادا کرتے تو کوئی محتاج نہ رہتا۔

(۱۰) بروایت فقیہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ زکوٰۃ کا وجوب امیر و غنی طبقہ کے امتحان اور فقراء طبقہ کی اعانت کے لیے ہے۔ اگر لوگ اپنے مالوں سے زکوٰۃ ادا کرتے تو کوئی مومن فقیر و محتاج نہ رہتا اور زکوٰۃ کی مفروضہ مقدار سے ہی سب لوگ غنی ہو جاتے۔ اور لوگوں کا فقر و احتیاج اور بھوک و ننگ صرف اُمراء و مالدار طبقہ کے گناہ کا نتیجہ ہے (یعنی وہ اپنا فرض ادا کرتے تو ایسا نہ ہوتا) اور اللہ کے لیے سزاوار ہے کہ اس کا حق ادا نہ کرنے والے پر رحمت بند کر دے اور مجھے خدا کی قسم جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور رزق کو عام کیا۔ کہ خشکی یا تری میں جہاں بھی کوئی مال تلف ہوتا ہے وہ صرف زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے ہی ہوتا ہے اور ایسا ہی کہیں بھی کوئی شکار دام صیاد میں نہیں آتا جب تک کہ اپنی تسبیح کو ترک نہ کر دے خواہ خشکی میں ہو خواہ تری میں ہو اور خدا کا محبوب ترین انسان وہی ہے جو سخی ہو اور سخی ترین انسان وہ ہے جو زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور اپنے قرض کی ادائیگی میں مومنین پر بخل نہ کرتا ہو۔

شرائط وجوب زکوٰۃ پانچ شرطوں سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

پہلی شرط ۔ بالغ ہونا پس نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں جیسا کہ اکثر احادیث میں صراحت سے وارد ہے کہ یتیم کے مال میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے اور مقتضائے اصل بھی یہی ہے کیونکہ وہ مکلف نہیں۔

مسئلہ ۔ لڑکا جب بالغ ہوگا تو اس کے مال کا سال شروع ہوگا اور اختتام سال پر بشرط نصاب اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ اگر گیارہ ماہ مال پر گذرے اور بارھویں مہینہ میں وہ بالغ ہو گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ ۔ نابالغ کے مال سے اگر اس کا ولی تجارت کرے تو نفع نابالغ کا ہوگا۔ اور اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی مستحب ہوگی۔

مسئلہ ۔ اگر بچّے کا ولی مالدار ہو اور بچّے کا مال بطور قرض اپنے ذمّہ لے کر اس سے تجارت کرے تو نفع بھی اس کا ہوگا اور زکوٰۃ بھی استحباباً اسی پر عائد ہوگی۔

مسئلہ ۔ اگر ولی مالدار نہ ہو تو بچّے کے مال کو بطور قرض لے کر تجارت نہیں کر سکتا۔ اور اگر ایسا کرے تو بصورت خسارہ ضامن ہوگا۔ اور بصورت نفع اس کو کچھ نہ ملے گا بلکہ نفع بھی بچے کا ہوگا۔ اور بچے کے مال کو قرض لینے کے لیے ولی کے مالدار ہونے کی شرط اس لیے ہے۔ کہ بصورت تلف بچے کے مال کی اپنے ذاتی مال سے تلافی کر سکے۔

maablib.org

مسئلہ۔ بچے کا باپ اور دادا اگر ولی ہوں تو بلا شرط بچے کے مال کو اپنے ذمہ کر کے اس سے تجارت کر سکتے ہیں۔

دوسری شرط۔ عاقل ہونا۔ پس دیوانے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

۔ اگر جنون دائمی ہو تو زکوٰۃ کے واجب نہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر جنون کا دورہ پڑتا ہو تو ظاہر یہی ہے۔ کہ جن چیزوں میں زکوٰۃ کے لیے سال کی شرط ہے ان چیزوں کی زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہوگی۔ اگر دورانِ سال میں جنون کا دورہ پڑ جائے۔ لیکن زکوٰۃ غلات میں اگر بوقت وجوب مجنون نہ ہو بلکہ عاقل ہو تو اس پر زکوٰۃ کا وجوب عائد ہوگا۔

تیسری شرط۔ آزاد ہونا۔ پس غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوا کرتی۔

چوتھی شرط۔ مالک نصاب ہونا۔ اگر دو شخص مل کر مالک نصاب بنیں تو ان دونوں میں سے کسی پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

پانچویں شرط۔ تصرف کر سکنا۔ پس اگر نصاب کا مالک ہو لیکن غاصب یا ظالم یا چور و ڈاکو کی وجہ سے اپنے مال میں تصرف نہ کر سکتا ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اسی طرح اگر کسی کو قرضہ دیا ہوا ہو اور واپس نہ مل رہا ہو تو تا واپسی قرض اس پر زکوٰۃ کا وجوب نہ ہوگا۔ لیکن جب واپس ہوگا تو زکوٰۃ فوراً واجب نہ ہوگی۔ بلکہ سال گذرنے کے بعد تک نصاب کی بحالی کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر قرضدار قرضہ واپس کرنے پر تیار ہو لیکن قرض خواہ وصول کرنے میں ٹال مٹول کر رہا ہو تو باقی شرائط کے ساتھ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی

مسئلہ۔ مال وقف پر زکوٰۃ نہیں ہوتی کیوں کہ وجوب زکوٰۃ میں ملک شرط ہے اور وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔

مسئلہ۔ مستحق تک سردست پہنچا سکنا وجوب زکوٰۃ کی شرط نہیں ہے پس اگر سردست مستحق نہ بھی مل سکتا ہو تب بھی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی ہاں اگر مستحق موجود ہو اور عمداً اس کو دینے میں تاخیر کرے گا تو بصورت تلف دوبارہ اپنی گرہ سے ادا کرنے کا ضامن ہوگا۔ لیکن مستحق کی عدم موجودگی کی صورت میں اس کی تاخیر موجب ضمان نہ ہوگی۔ بشرطیکہ اس کی اپنی کوتاہی نہ ہو۔

زکوٰۃ کون کون سی چیزوں پر واجب ہوتی ہے؟

زکوٰۃ کل نو چیزوں پر واجب ہوتی ہے (۱) اونٹ (۲) گائے بھینس (۳) بھیڑ بکری (۴) گندم (۵) جو۔ (۶) خرما (۷) انگور (۸) سونا (۹) چاندی۔ ان کے علاوہ اور کسی چیز پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

اونٹ کی زکوٰۃ کا نصاب

اونٹ کی زکوٰۃ کے بارہ نصاب ہیں۔ اور ان کی تفصیل کے لیے ایک روایت بیان کر دی جاتی ہے۔ بروایت من لا یحضرہ الفقیہ صحیحہ زرارہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے۔ کہ پانچ سے کم اونٹوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ لیکن جب (۱) پانچ ہو جائیں تو اس کی زکوٰۃ ایک بکری ہوگی پھر (۲) جب دس ہو جائیں تو دو بکریاں اور اسی طرح ۱۴ تک پھر (۳) پندرہ سے ۱۹ تک ۳ بکریاں پھر (۴) بیس سے چوبیس تک ۴ بکریاں اور (۵) پچیس پر پانچ بکریاں پھر (۶) ۲۶ سے ۳۵ تک ایک بنت مخاض اگر بنت مخاض نہ ہو تو ابن لبون دے دے پھر (۷) ۳۶ سے ۴۵ تک ایک بنت لبون اس کے بعد (۸) ۴۶ سے ۶۰ تک ایک حقہ پھر (۹) ۶۱ سے ۷۵ تک ایک جذعہ پھر (۱۰) ۷۶ سے ۹۰ تک دو بنت لبون پھر (۱۱) ۹۱ سے ۱۲۰ تک دو حقے اور (۱۲) اس سے اگر بڑھ جائے تو ہر پچاس پر ایک حقہ اور ہر چالیس پر ایک بنت لبون زکوٰۃ ہوگی۔ مثلاً ۱۲۱ پر چالیس کے حساب

۳ بنت لبون ہوں گی۔ اور ۱۲۹ تک یہی صورت رہے گی۔ جب ۱۳۰ ہوں گے تو دو بنت لبون چالیس چالیس کے حساب سے اور ایک حقہ پچاس کے حساب سے زکوٰۃ بنے گی اور ۱۳۹ تک یہی صورت رہے گی۔ پھر ۱۴۰ پر دو حقے پچاس پچاس کے حساب سے اور ایک بنت لبون چالیس کے حساب سے ہوگی۔ اور ۱۴۹ تک یہی صورت ہوگی۔ پھر ۱۵۰ پر تین حقے اور ۱۶۰ پر چار بنت لبون وعلیٰ ہٰذا القیاس اور وہ عدد جو پچاس اور چالیس دونوں پر صحیح تقسیم ہوتا ہو مثلاً دو سو تو ایسی صورت میں مالک کو اختیار ہے کہ پچاس کی تقسیم کا لحاظ کرکے چار حقے دے دے یا چالیس کی تقسیم کے حساب سے پانچ بنت لبون دے دے۔

توضیحات (۱) اونٹ کا بچہ جب دوسرے سال میں داخل ہو تو نر کو ابن مخاض اور مادہ کو بنت مخاض کہا جاتا ہے اور جب وہ دو سال پورے کرکے تیسرے سال میں داخل ہو تو نر کو ابن لبون اور مادہ کو بنت لبون کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب چوتھے سال میں داخل ہو تو اس کو حقہ کہتے ہیں اور پانچویں سال میں داخل ہونے والے کو جذعہ کہتے ہیں۔

(۲) بارہ نصاب یعنی ۵-۱۰-۱۵-۲۰-۲۵-۲۶-۳۶-۴۶-۶۱-۷۶-۹۱-۱۲۱ ہیں۔ پس پہلے نصاب سے پہلے اور ہر دو نصابوں کے درمیان معافی ہے

(۳) بروایت کافی حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے زکوٰۃ وصول کرنے والے اپنے کارندے کو ایک حکم نامہ میں لکھا کہ جس مالدار پر زکوٰۃ میں جذعہ (چھ سالہ) واجب ہو لیکن مال میں جذعہ کوئی موجود نہ ہو بلکہ حقہ (پنجسالہ) موجود ہو تو اس سے حقہ لے لو اور علاوہ دو بکریاں یا بیس درہم بھی لو۔ لیکن اگر اس پر حقہ واجب ہو اور حقہ کی بجائے اس کے پاس جذعہ موجود ہو تو جذعہ لے کر اس کو دو بکریاں یا بیس درہم واپس کرو۔ اسی طرح حقے کی بجائے بنت لبون لو تو دو بکریاں یا بیس درہم زائد بھی لو اور بنت مخاض کی جگہ اگر بنت لبون لو تو دو بکریاں یا بیس درہم واپس کرو۔ یعنی ایک سال کا تفاوت شرعی نقطۂ نظر سے دو بکریوں یا بیس درہم کے برابر ہے

(۴) نر اور مادہ میں عمر کا فرق اسی سابق حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بنت مخاض کی جگہ ابن لبون لیا جا سکتا ہے۔ یعنی ایک سال کم کی مادہ ایک سال زیادہ کے نر کے ساتھ قیمت میں برابر قرار دی گئی ہے

(۵) تفاوت کی صورت میں بیس درہم یا دو بکریوں میں سے مالک جو چاہے چن لے۔ یہ چناؤ زکوٰۃ لینے والا نہیں کر سکتا۔ خواہ بازاری قیمت اس کے برابر ہو یا کم و بیش ہو۔

(۶) زکوٰۃ میں ادا ہونے والے جانور کے اگر متعدّد افراد ہوں مثلاً اس پر بنت لبون واجب ہے اور اس کے پاس بنت لبون متعدّد ہیں تو مالک کو اختیار ہے جو چاہے دیدے امام کے نمائندے یا فقیر کو جھگڑا کرنے کا کوئی حق نہیں اور حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے اس کا طریقہ یہ وارد ہے کہ اگر زیادہ ہیں تو دو حصّے کرکے مالک کو کہے اپنا حق چن لو پھر باقی کے دو حصّے کرکے چناؤ مالک پر چھوڑ دے اور اس طرح کرتا رہے۔ حتیٰ کہ آخر میں حق زکوٰۃ بچ جائے۔ پس وہ لے لے

گائے بھینس کی زکوٰۃ کا نصاب

تمام علمائے امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ گائے بھینس کی زکوٰۃ کے دو نصاب ہیں۔ پہلا نصاب تیس ہے اور اس پر ایک تبیع یا تبیعہ دینا واجب ہے اور دوسرا

نصاب چالیس ہے اور اس پر ایک مسنّہ واجب ہے۔ تبیع وہ گائے کا بچہ جو دوسرے سال میں داخل ہو، نر کو تبیع اور مادہ کو تبیعہ کہا جاتا ہے اور مسنّہ وہ جو تیسرے سال میں داخل ہو۔

مسئلہ:۔ تیس سے پہلے کوئی زکوٰۃ نہیں اور نہ تیس اور چالیس کے درمیان زکوٰۃ ہے۔

مسئلہ:۔ گائے بھینسوں کی زکوٰۃ ہمیشہ اسی طریقہ سے چلے گی۔ کہ ہر عدد میں تیس یا چالیس کی تقسیم کا حساب کیا جائے گا۔ اور اسی اعتبار سے زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب ہوگا۔ مثلاً چالیس سے ساٹھ تک معاف ہے اور ساٹھ پر دو تبیع واجب ہوں گے اور ستر پر ایک تبیع اور ایک مسنّہ واجب ہوگا کیوں کہ چالیس کے حساب سے ایک مسنّہ اور تیس کے حساب سے ایک تبیع بنتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ کا نصاب

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ کے پانچ نصاب مشہور ہیں۔ جس طرح کہ ایک روایت صحیحہ میں امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السّلام سے منقول ہے۔ کہ چالیس سے کم پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ جب چالیس ہو جائیں تو ایک زکوٰۃ میں دے دے اس کے بعد ۱۲۰ تک یہی صورت رہے گی۔ پھر جب ۱۲۱ ہو جائیں تو دو زکوٰۃ میں دے گا۔ پھر ۲۰۰ تک یہی فریضہ ہوگا اور جب ۲۰۱ ہوں گی تو تین زکوٰۃ میں دے گا۔ اور ۳۰۰ تک یہی صورت ہوگی اور جب ۳۰۱ ہو جائیں تو چار دینی پڑیں گی۔ اور چار سو تک اسی نصاب کے ماتحت زکوٰۃ ہوگی۔ پس جب ۴۰۰ ہو جائیں تو وہ سابق حساب ختم ہوگا۔ اور اب ہر سو پر ایک بکری واجب ہوگی۔

توضیحات (۱) پانچ نصاب اس طرح ہوئے ① ۴۰ ② ۱۲۱ ③ ۲۰۱ ④ ۳۰۱ ⑤ ۴۰۰۔ پس پہلے نصاب سے پہلے اور ہر دو نصابوں کے درمیان کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(۲) بھیڑ یا بکری جو اونٹوں کی زکوٰۃ میں دی جائے یا اپنی جنس سے ادا کی جائے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہوگا کہ اگر بھیڑ دے تو سات مہینہ کی یا اس سے زیادہ کی ہو اور اگر بکری دے تو کم از کم ایک برس سے زیادہ ہو۔

(۳) تندرست مال میں سے بیمار یا جوانوں میں سے بوڑھی یا موٹی تازیوں میں سے کمزور یا بے عیبوں میں سے عیب دار کو زکوٰۃ میں نہ لیا جائے گا ہاں اگر سب مال ایک جیسا بیمار یا کمزور یا عیب دار ہو تو ان میں سے ان جیسی زکوٰۃ میں قبول کی جائے گی اور اگر مال میں بیمار و تندرست اور عیب دار و بے عیب وغیرہ ملے جلے ہوں تو نسبت سے زکوٰۃ لگالی جائے۔

(۴) حیوانوں کی زکوٰۃ میں فحل (جو مادہ کو حاملہ کرتا ہے) کھانے کے لیے پالتو اور شیر دار زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے۔

(۵) اونٹ کی ہر نسل ایک ہی جنس شمار ہوتی ہے لہٰذا وجوب زکوٰۃ کی صورت میں جس نسل سے ادا کیا جائے گا ٹھیک ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اعلیٰ اور ادنیٰ نسل میں سے اپنی اپنی نسبت کا لحاظ رکھا جائے۔ اسی طرح گائے اور بھینس زکوٰۃ میں ایک جنس شمار ہوتی ہے لیکن ادائیگی زکوٰۃ میں الگ الگ نسبت کا لحاظ رکھنا بہتر ہے اور بھیڑ اور بکری میں بھی قیمت کے اختلاف کی صورت میں ہر ایک جنس کی الگ نسبت سے زکوٰۃ کا ادا کرنا بہتر ہے۔

(۶) غلّہ کی زکوٰۃ میں تو عین کی بجائے قیمت وقت کا ادا کرنا بھی جائز ہے لیکن حیوانوں کی زکوٰۃ میں بھی آیا قیمت کا دینا جائز ہے۔ جبکہ

عین سے زکوٰۃ کا ادا کرنا ممکن ہو تو اس بارے میں علماء امامیہ کے دو قول ہیں شیخ طوسی اعلیٰ اللہ مقامہ نے جواز کا قول اختیار فرمایا ہے اور یہی قول قوی معلوم ہوتا ہے۔

حیوانات میں وجوب زکوٰۃ کے شرائط

حیوانوں میں وجوب زکوٰۃ کی چار شرطیں ہیں

۱۔ نصاب۔ اس کا بیان ابھی ابھی مفصل گذر چکا ہے

(۲) سال۔ یعنی سال برابر نصاب مالک کے پاس موجود رہے اور دوران سال میں کسی وقت کم نہ ہو پس جب گیارہ ماہ گذریں گے۔ اور بارھواں مہینہ شروع ہوگا تو اس مال پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی،

(۳) سوم۔ چرنا) یعنی سارا سال باہر چر کر پیٹ بھریں ورنہ اگر سال کا کچھ حصّہ چریں اور کچھ حصّہ مالک کے ہاں سے گھاس پر ان کا گذارا ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ البتہ دوران سال میں کسی ایک یا دو دن بوجہ بارش کے اگر چرائی نہ ہو سکے اور مجبوراً ان کو گھر میں چارہ ڈالنا پڑے تو اس صورت میں زکوٰۃ معاف نہ ہوگی،

(۴) یہ کہ عوامل نہ ہوں۔ یعنی ان سے سال بھر کام کوئی نہ لیا جاتا ہو اگر اونٹ سواری یا بار برداری کے ہوں یا بیل ہل جتنے یا کنواں چلانے کے لیے رکھے ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی،

مسئلہ حیوانات میں اگر ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی،

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے وجوب کی تین شرطیں ہیں،

۱۔ **نصاب**۔ سونے کا نصاب بیس دینار ہے اس میں نصف دینار زکوٰۃ ہوگی۔ اور اس کے بعد ہر چار دینار کے اضافہ سے چالیسواں حصّہ زکوٰۃ واجب ہوگی اور چاندی کا پہلا نصاب دو سو درہم ہے۔ اس میں پانچ درہم زکوٰۃ ہوگی، اور اس کے بعد ہر چالیس درہم پر ایک درہم زکوٰۃ ہوتی جائے گی، پس اگر سونا اور چاندی اس مقدار سے کم ہوں تو زکوٰۃ نہیں ہوگی،

۲۔ **سال**۔ یعنی یہ نصاب سال برابر مالک کے پاس موجود رہے اگر دوران سال میں کم ہو جائے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی،

۳۔ **سکہ دار ہونا**۔ یعنی سونے اور چاندی پر زکوٰۃ تب واجب ہوگی جب اس پر شاہی سکہ کی مہر ہو پس زیورات پر یا مطلق اس سونا چاندی پر جو سکہ دار نہ ہو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ خواہ کتنے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

مسئلہ۔ اگر تین شرطوں میں سے کوئی ایک بھی موجود نہ ہوئی تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی،

مسئلہ موجودہ دور میں جو نوٹ مروج ہیں ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جس طرح کہ دوسری دھاتوں پر باوجود سکّہ دار ہونے کے زکوٰۃ نہیں ہے۔ لہٰذا نوٹوں کا سونے یا چاندی سکہ دار پر قیاس کرنا باطل ہے۔

غلّات یعنی گندم۔ جو۔ خرما اور انگوروں کی زکوٰۃ

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے مروی ہے۔ کہ خداوند کریم نے نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کو مال میں واجب

کیا اور جناب رسالتمآبؐ نے نو چیزوں میں اس کا وجوب بیان کیا اور باقی چیزوں سے معاف فرمایا اور وہ نو چیزیں یہ ہیں۔ سونا۔ چاندی اونٹ۔ گائے۔ بکری۔ گندم۔ جو۔ کھجور اور انگور ان کے علاوہ معاف ہے

نصاب زکوٰۃ غلہ

پس گندم یا جو یا انگور یا خرما میں سے ہر ایک جنس پر زکوٰۃ تب واجب ہوگی جب الگ الگ نصاب کو پہنچ جائیں ورنہ اگر مل جُل کر نصاب ہیں تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اور غلہ کی ان چاروں جنسوں کا نصاب پانچ وسق ہے جب کہ ہر وسق ساٹھ صاع کا ہوا کرتا ہے۔ اور ایک صاع کا وزن چھ رطل مدنی اور ایک رطل کا وزن ۱۹۵ درہم اور ایک درہم اڑتالیس جو کے متوسط دانوں کے ہم وزن ہوا کرتا ہے اور ہم نے اس کا صحیح وزن اس طرح معلوم کیا ہے کہ ۴۸ جو پاکستانی اوزان کی مقدار کے لحاظ سے ۲ ماشہ ۲ رتی بنتے ہیں گویا ایک درہم بوزن پاکستان ۲ ماشہ ۲ رتی ہوا پس ۱۹۵ کے ساتھ ضرب دینے سے رطل کا وزن سات چھٹانک ایک تولہ چھ ماشہ اور چھ رتی نکلا پھر ۶ سے ضرب دے کر صاع کا وزن معلوم کیا۔ جو ۲ سیر ۱۱ چھٹانک ۴ تولہ ۴ ماشہ ۴ رتی نکلا اور اس کو ۶۰ کے ساتھ ضرب دی تو وسق کا وزن ۴ من ۴ سیر ۸ چھٹانک ۲ تولہ ۶ ماشہ نکلا۔ پس پانچ وسق جو نصاب زکوٰۃ ہے۔ بیس من بائیس سیر دس چھٹانک ۲ تولہ اور ۶ ماشہ ہوئے گویا احتیاطاً ساڑھے بیس من کو نصاب زکوٰۃ سمجھنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ۔ جب گندم اور جو کا دانہ قائم ہو جائے اور انگور و خرما کے خوشوں پر عرف عام میں انگور اور خرما کا اطلاق کیا جا سکے۔ تو زکوٰۃ اس سے متعلق ہو جائے گی بشرطیکہ نصاب کی حد کو پہنچ جائے اگرچہ ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب ان کو صاف اور اکٹھا کیا جائے گا۔

مسئلہ۔ جو شخص وقتِ وجوب سے قبل ان جنسوں کو فروخت یا ہبہ کر دے تو اس سے زکوٰۃ ساقط ہوگی اور اس پر واجب ہو جائے گی جو وقت وجوب سے پہلے مالک ہو جائے گا۔

مسئلہ۔ بارش سیلاب اور دریا وغیرہ سے جن کی سیرابی ہو تو اس میں سے زکوٰۃ دسواں حصہ ہوگی۔ لیکن اگر کنواں نلکا اور ڈول وغیرہ سے سیرابی ہو تو زکوٰۃ بیسواں حصہ ہوگی۔

مسئلہ اگر بعض فصل بارانی اور بعض چاہی ہو تو مجموع کے نصاب تک پہنچ جانے کے بعد دسواں حصہ یا بیسواں حصہ زکوٰۃ۔ بارانی یا چاہی فصل کی الگ الگ نسبت سے ہوگی۔ یعنی بارانی کا دسواں اور چاہی کا بیسواں حصہ زکوٰۃ ہوگی۔

مسئلہ اگر ایک ہی فصل چاہی اور بارانی یا نہری ہو تو نسبت کے لحاظ سے زکوٰۃ ادا کرے۔ لیکن اگر دونوں کا دخل برابر برابر ہو تو فصل کے برابر دو حصے کر کے ایک نصف سے دسواں حصہ اور دوسرے نصف سے بیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرے۔ مثلاً اگر چالیس من گندم ہوئی ہو تو تین من زکوٰۃ ہوگی۔ کیوں کہ ایک نصف سے ایک من ہوگی اور دوسرے نصف سے دو من نکلے گی۔

مسئلہ۔ آج کل ٹیوب ویل کا زمانہ ہے لہٰذا اگر ٹیوب ویل سے فصل ہوئی ہو تو اسے چاہی فصل کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی

مسئلہ۔ اکثر علمائے محققین کا یہ مسلک ہے کہ جنس زکوٰۃ پر زمانِ کاشت سے زمانِ برداشت تک جس قدر خرچہ ہوا ہے وہ

سب زکوٰۃ سے مستثنےٰ ہوگا حتی کہ مالیا و آبیانہ و دیگر سرکاری مطالبات جن کا تعلق اسی فصل سے ہو۔

مسئلہ۔ آیا نصاب کا اعتبار مذکورہ بالا خرچہ نکال لینے کے بعد ہوگا یا پہلے؟ اس میں تین قول ہیں (۱) یہ کہ نصاب کا اعتبار پہلے ہوگا پھر خرچہ نکال لینے کے بعد دسواں یا بیسواں حصہ زکوٰۃ دی جائیگی خواہ خرچہ نکالنے کے بعد نصاب سے کم مقدار ہی بچ جائے (۲) یہ کہ خرچہ نکال لینے کے بعد نصاب کا اعتبار کیا جائے گا اگر نصاب بچے گا تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی (۳) زکوٰۃ کے تعلق اور وجوب سے پہلے کا خرچ نکال کر نصاب کا اعتبار ہوگا یعنی مثلاً گندم یا جو کا دانہ بننے سے پہلے جو خرچ ہوا مثلاً مالیہ آبیانہ یا کاشت وغیرہ ان کو نکالنے کے بعد اگر نصاب ہوگا تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ پھر کٹائی و صفائی کے اخراجات نکال کر ادا کر دی جائے گی پہلا قول احتیاط کے قریب تر ہے۔ لہٰذا اسی پر ہی عمل کرنا مناسب و موزوں ہے

مسئلہ۔ زکوٰۃ جس طرح زمیندار پر واجب ہے اسی طرح مزارع پر بھی واجب ہے جب کہ اس کا حصہ نصاب تک پہنچ جائے

مسئلہ۔ مزدور پیشہ لوگ جن کو اجرت میں گندم دی جاتی ہے مثلاً لوہار، درکھان اور حجام وغیرہ تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اگرچہ نصاب کو پہنچ بھی جائے۔

مسئلہ۔ ٹھیکہ پر زمین کو حاصل کرنے والا مالک زمین سمجھا جائے گا۔ اور بعد از نصاب اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر جنس کچھ عمدہ اور کچھ ناقص یا کچھ بلند قیمت اور کچھ کم قیمت ہو تو زکوٰۃ نسبت سے ادا کی جائے گی۔

مسئلہ۔ زکوٰۃ ادا کرنے والا عین ادا کرنے کی بجائے موجودہ وقتی نرخ سے قیمت بھی ادا کر سکتا ہے۔

مسئلہ۔ مال تجارت اور چار مذکورہ جنسوں کے علاوہ زمین کی باقی پیداوار جو کیل و وزن رکھتی ہو ان سب پر زکوٰۃ مستحب ہے۔

مستحقین زکوٰۃ

اس مقام تک زکوٰۃ کے متعلق نہایت ضروری مسائل کا ذکر دیا گیا ہے اب آیت مجیدہ کی شرح کی جاتی ہے جس میں زکوٰۃ کے مستحقین کا بیان ہے، آیت مجیدہ میں مستحقین کی آٹھ قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) فقراء (۲) مساکین (۳) عاملین (۴) مولفۃ القلوب (۵) غلام (۶) قرضدار (۷) خوشنودیٔ خدا کے طریقے (۸) مسافر

مسئلہ۔ فقیر اور مسکین کے درمیان فرق کرنا بہت مشکل ہے اور ان سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی اور اپنے واجب النفقہ افراد کی کفالت سے عاجز ہو اور غنی کا مفہوم اس کے مقابلہ میں ہے کہ جو اپنی اور اپنے واجب النفقہ افراد کی کفالت خود کر سکتا ہو خواہ بیک وقت سال کے مصارف اپنے پاس جمع رکھتا ہو یا دوران سال میں اپنی کد ید سے محنت کر کے عہدہ برا ہونے پر قادر ہو۔

مسئلہ۔ ہر شخص کی احتیاج کا اس کے شایانِ شان اندازہ کیا جائے گا۔ لہٰذا صاحبان مروت و عزت کے پاس گھوڑے یا غلام کا ہونا استحقاقِ زکوٰۃ سے ان کو خارج نہیں کرتا جب کہ وہ اپنی شان کے مطابق خرچ نہ رکھتے ہوں، اسی طرح ذخیرۂ کتب و مہمان خانہ یا اپنی وضع کے مطابق لباس پہننا منافیٔ استحقاق نہ ہوں گے۔

مسئلہ۔ دور حاضر میں ترویج علوم دینیہ کے پیش نظر مدارس دینیہ میں پڑھنے والے طلبہ اس سلسلہ میں زیادہ مستحق ہیں۔ بلکہ مستحقین کی باقی اصناف سے ان کو سبقت حاصل ہے لہٰذا زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت طالبانِ علومِ دینیہ کو ہی ترجیح

دینا زیادہ مناسب ہے۔

مسئلہ۔ اگر ایک شخص مستحق زکوٰۃ ہو لیکن وہ زکوٰۃ لینے سے اپنی خفت محسوس کرتا ہو تو اس کو زکوٰۃ بعنوان ہدیہ یا اعانت دی جائے تو جائز ہے۔

مسئلہ۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت خیال کرنا چاہیے کہ ہر مستحق زکوٰۃ کو شایانِ شان حصہ دیا جائے۔ مثلاً صاحبان مروت، اور اربابِ علم کو ان کے شایانِ شان حصہ دے اور مستحق غیر سائل کو پیشہ ور گداگر پر ترجیح دے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

مسئلہ۔ عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کی وصولی پر حاکم شرع کی جانب سے متعین ہوتے ہیں۔ پس ان کو حاکم شرع اسی زکوٰۃ کی ہی مد سے گذر عطا فرماتا ہے۔

مسئلہ۔ مولفۃ القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اسلام کی طرف راغب کرنے یا اسلام پر ان کو ثابت قدم کرنے کے لیے بیت المال سے کچھ دیا جاتا ہے

مسئلہ۔ وہ کنیز و غلام جو سختی و شدت میں ہوں ان کو آزاد کرانے کے لیے بھی ایک حصہ زکوٰۃ سے معین تھا۔ جس کی اب ضرورت ہی نہیں ہے۔

مسئلہ۔ مستحق زکوٰۃ کی چھٹی قسم مقروض لوگ ہیں یعنی جنہوں نے اپنے جائز ضروری اخراجات کے لیے قرضہ اٹھایا ہو۔ اور اس کی ادائیگی سے قاصر ہوں تو ایسے لوگوں کی زکوٰۃ کے فنڈ سے مدد کی جا سکتی ہے

مسئلہ۔ اگر ایک شخص کا کسی پر قرض ہو اور جانتا ہو کہ مقروض قرضہ کے ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا اور وہ مستحق زکوٰۃ بھی ہے تو قرض خواہ اپنی زکوٰۃ مقروض کے قرضہ میں حساب کر سکتا ہے بلکہ اگر مقروض مر بھی جائے تب بھی قرض خواہ وہ قرضہ زکوٰۃ سے حساب کر سکتا ہے۔

مسئلہ۔ زکوٰۃ کے مستحقین کی ساتویں قسم سبیل اللہ ہے یعنی ہر وہ کام جو خوشنودی خدا کا باعث ہو تو اس میں زکوٰۃ لگ سکتی ہے پس مساجد۔ امام باڑے و مسافر خانے بلکہ رفاہِ عامہ کے لیے جملہ امور اس ضمن میں آ سکتے ہیں لیکن ان سب میں زیادہ اہم اور ضروری ہے اس دورِ پر آشوب میں مدارس دینیہ کی ترقی و توسیع اور یہ وہ بنیادی ادارے ہیں جن کی بدولت دین اور دین والے دنیا میں سانس لے رہے ہیں اور انہی کی بدولت زمین خدا کلمۂ حق سے معمور ہے اور یہ وہ مراکز ہیں۔ جن کا وجود ہر دشمن دین کی آنکھوں کا خار ہے پس خیرات وصدقات کی جملہ رقوم زیادہ سے زیادہ انہی اداروں کے حوالہ کی جائے تاکہ حفاظت مذہب کی یہ حصاریں زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو کر ہر قسم کے مخالف و شدید طوفان و تلاطم کا منہ موڑ سکنے میں کامیاب ہوں۔

مسئلہ مستحقین زکوٰۃ کی آٹھویں قسم ابن سبیل (مسافر) ہے اور بعضوں نے اسے مہمان سے تعبیر کیا ہے اور اس سے مُراد وہ شخص ہے۔ جو سفر میں اپنا زادِ راہ ختم کر چکا ہو اور اعانت کا محتاج ہو پس اس کو زکوٰۃ کے فنڈ سے دیا جا سکتا ہے خواہ وہ اپنے وطن میں غنی ہی کیوں نہ ہو۔

مسئلہ - زکوٰۃ کو مستحقین کی ان مذکورہ آٹھوں قسموں پر برابر تقسیم کرنا ضروری نہیں، بلکہ حسب مصلحت کم و بیش دیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ زکوٰۃ پوری آٹھ قسموں کو دی جائے بلکہ بعض قسموں کو بھی دی جا سکتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک قسم اور اس میں سے ایک فرد کو بھی دی جا سکتی ہے۔

مستحقینِ زکوٰۃ کے اوصاف

آیت مجیدہ میں اگرچہ یہ پابندی نہیں کہ مستحقین کی شمار کردہ آٹھ صنفوں کے علاوہ کسی اور قید یا صفت کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہے۔ لیکن چونکہ یہ خداوندی عطیہ ہے۔ لہٰذا اس کی حدود کا تعین ضروری ہے مخلوقِ خدا ہونے میں تو سب انسان یکساں ہیں۔ لیکن بعض کے اموال میں سے دوسرے بعض کا حق مقرر کرنا اگر کسی استحقاقِ معنوی کی بناء پر نہ ہو بلکہ صرف ظاہری فقر و فاقہ کو ہی معیار قرار دیا جائے تو ایک ناقابلِ فہم مسئلہ بن جاتا ہے۔ اور وہ استحقاق معنوی ہے ایمان جیسا کہ آئمہ طاہرین علیہم السّلام کے فرامین بھی اسی بات پر شاہد ہیں۔

(۱) صحیحہ بریدعجلی - کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا کہ اس نے ولاء آل محمدؐ میں داخل ہونے سے پہلے حج کیا تھا کیا وہ درست ہے تو آپ نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اس کے سنی زمانہ کے باقی تمام اعمال ٹھیک ہوں گے سوائے زکوٰۃ کے پس زکوٰۃ اس کو دوبارہ ادا کرنی پڑے گی جو اس نے اصل مستحقین کو نہیں دی تھی۔ کیونکہ وہ صرف ولاء آل محمدؐ رکھنے والوں کے لیے ہی ہے۔

(۲) روایت ابوبصیر کہ اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا اگر ایک شخص کے رشتہ دار محتاج ہوں، لیکن شیعہ نہ ہوں تو کیا ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ اگر ان کو دینا ہے تو زکوٰۃ مال کے علاوہ (اپنی گرہ سے) دے زکوٰۃ کو اپنے مال کی آڑ نہ بنائے۔

(۳) ایک روایت میں امام رضا علیہ السّلام سے منقول ہے کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے سُنا جب کہ میں بیٹھا تھا اور ایک شخص حاضرِ خدمت ہوا پس اس نے عرض کی کہ حضور میں اہل رَے سے ہوں اور میرے پاس زکوٰۃ ہے فرمائیے کس کو دُوں تو آپ نے فرمایا ہمیں دے دیجئے اس نے عرض کی کہ حضور صدقہ تو آپ پر حرام ہے آپ نے فرمایا جب تو ہمارے شیعوں کو دیگا تو گویا تو نے ہمیں دی اس نے عرض کی سمجھے وہ نہیں مل سکتے تو آپ نے فرمایا ایک سال تک انتظار کر دو اس نے عرض کی اگر پھر بھی نہ ملیں آپ نے فرمایا دو سال تک انتظار کر دحتیٰ کہ چار سال تک انتظار کا حکم دیا اور اگر پھر بھی نہ مل سکے تو ان کو تھیلیوں میں بند کر کے دریا میں پھینک دو کیونکہ خداوند کریم نے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے مال ہمارے دشمنوں پر حرام کیے ہیں (حدائق)

دوسری شرط - بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مستحق زکوٰۃ وہ ہے جس میں عدالت پائی جائے اور بعض نے صرف گناہان کبیرہ کے ترک کو شرط قرار دیا ہے اور روایت میں صرف شرابی کو زکوٰۃ نہ دینا وارد ہے۔ بہرکیف زکوٰۃ ادا کرنے والا اپنی جانب سے کوشش کرے کہ ایسی جگہ اس کا پیسہ جائے جہاں زیادہ سے زیادہ بہتر و موزوں جگہ پر صرف کیا جا سکے۔

تیسری شرط - زکوٰۃ اس کو دی جا سکتی ہے جو زکوٰۃ دینے والے کے واجب النفقہ افراد میں سے نہ ہو۔ پس زوجہ و اولاد پر زکوٰۃ نہیں صرف کی جا سکتی اور اسی طرح اولاد کی زکوٰۃ ماں باپ پر بھی نہیں صرف ہو سکتی۔

مسئلہ ۔ متعہ والی عورت کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے کیونکہ وہ واجب النفقہ نہیں ہوتی ۔

مسئلہ ۔ زوجہ پر اگر زکوٰۃ واجب ہو اور شوہر مستحق ہو تو وہ اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے ۔

مسئلہ ۔ جن رشتہ داروں کی واجب النفقہ ہونے کے علاوہ کفالت و تربیت کرتا ہو ان کو زکوٰۃ دے سکتا ہے ۔

چوتھی شرط ۔ غیر سید کی زکوٰۃ سید نہیں لے سکتا اور سید کی زکوٰۃ سید و غیر سید سب لے سکتے ہیں ۔

دور حاضر میں زکوٰۃ بہترین مصرف

اس زمانہ میں جب کہ مغربیت اور لادینی کے رجحان کے ہمہ گیر سیلاب نے تمام دنیا والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور اسلام کے شیدائی کہلانے والے افراد بھی اس تاثر کے نتیجہ میں اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہونا گوارا نہیں کرتے اور دین صرف ان لوگوں کی جاگیر بن کر رہ گیا ہے جو غربت و افلاس کی بدولت مغربیت کی رنگ رلیوں میں دلچسپی نہیں لے سکتے تو ایسے پُر آشوب زمانہ میں مدارس دینیہ کی اہمیت کا اندازہ کرنا نہایت آسان ہے اور یہی وہ مراکز ہیں جو دین و اسلام پر ہر قسم کے حملہ کا منہ توڑ جواب مہیا کر سکتے ہیں ۔ پس ان کی ہر ممکن امداد کرنا چونکہ سب قوم کا فرض ہے لیکن مغربیت کی زد میں بہنے والے افراد ایسے اداروں کا وجود ہی اپنے لیے بارگراں سمجھتے ہیں ۔ لہذا وہ ان میں پیسہ دینا ہی فضول خرچی سمجھتے ہیں ۔ پس اکثر فقراء اور شاذ و نادر امراء جو دینی اُمور سے قدرے دلچسپی لیتے ہیں ۔ وہی ہیں ان اداروں کا سرمایۂ حیات ۔ اسی لیے اگر اپنی گرہ سے نہیں بلکہ رقوم واجبہ زکوٰۃ و فطرہ وغیرہ سے ہی ان مدارس کی اعانت کی جائے تو وہ خاطر خواہ کام کر سکتے ہیں ۔ بنا بریں زکوٰۃ کا دور حاضر میں مدارس دینیہ کی امداد سے بہترین مصرف اور کوئی نہیں ہو سکتا ۔ پس ارباب خیر کو چاہیے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت اپنے قریب ترین یا مستحق ترین مدرسۂ دینیہ کو ضرور حصہ دے تاکہ اس کا پیسہ علوم آل محمدؐ کی نشر گاہوں میں صرف ہو کر اس کے لیے زیادتی ثواب کا باعث بنے ۔

اسرار و رموز

آیت مجیدہ میں زکوٰۃ کے مستحقین کی آٹھ قسمیں بیان کرتے ہوئے یہ فرق ملحوظ رکھا گیا ہے کہ پہلی چار قسموں کے لیے لام تملیک کا استعمال کیا ہے اور آخری چار قسموں کے لیے فی کا استعمال ہے ۔ جو ظرفیت کے معنی دیتا ہے ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے بنیادی مصرف دو ہیں ۔ ایک مصالح شخصیہ جہاں لام تملیک کے ذریعے سے ان کو اپنے حصص کا مالک ظاہر کیا گیا ہے اور دوسرے مصالح عامہ جہاں فی کا استعمال بتاتا ہے کہ یہاں شخصی تملیک نہیں بلکہ ان کاموں میں بنی نوع انسان کی عمومی خیر خواہی کے لیے زکوٰۃ کو خرچ کیا جاتا ہے گویا اسلام نے شخصی بقاء و ارتقاء کے ساتھ ساتھ نوعی بقاء و ارتقاء کو برابر ملحوظ رکھا ہے ۔ مثلاً سختی میں بسر کرنے والے غلاموں کو اسی فنڈ سے آزاد کرایا جائے ۔ مقروضین کی خبر گیری کی جائے ۔ مہمان نوازی کو اپنا شعار بنایا جائے اور دیگر رفاہِ عامہ کے کاموں کو (مثلاً پلیں بنانا سڑکیں تعمیر کرنا مساجد و مدارس کی بنا وغیرہ) انجام دیا جائے مصالح عامہ میں جہاں فی کا استعمال ہے ان میں سے پھر سبیل اللہ پر فی کا تکرار کر کے اس نوع کی اہمیت کو زیادہ واضح کیا گیا ہے یعنی شخصی مصالح سے اہم ترین مصلحت ہے نوع انسان کی فلاح و بہبودی کے ذرائع پر خرچ کرنا اور اسی کو سبیل اللہ کہتے ہیں یعنی اللہ کی خوشنودی کے طریقے اور ان سب میں سے دین اسلام اور شریعت محمدیہ کی بقا و ارتقاء کے مراکز اور ترویج علوم آل محمدؐ

کی نشرگاہوں کا قیام آج کل کی اہم ترین قومی اجتماعی مصلحت ہے اور زیادہ سے زیادہ توجہ اسی طرف دینے کی ضرورت ہے۔

۲ بعض مفسرین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اہم فالاہم کے لحاظ سے اقسام مستحقین کو ترتیب دی گئی ہے اگرچہ اس ترتیب پر عمل کرنا واجب نہیں۔ جیساکہ واو کا استعمال بتاتا ہے۔ یعنی فقیر اہم ہے مسکین سے اور وہ مقدم ہے عامل سے اور وہ مقدم ہے مؤلفۃ القلوب سے اسی طرح رفاہ عامہ کے کاموں میں غلام آزاد کرنا سب سے بڑی انسانی خدمت ہے۔ پھر مقروضین کی خبرگیری اور یہ عمومی اداروں کی تشکیل اور عمومی نفع مند سکیموں کی تاسیس سے بہتر ہے اور مسافر کی امداد سب سے آخیر کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن سبیل اللہ پر فی کا تکرار ظاہر کرتا ہے کہ عمومی مصالح سب سے اہم ہیں۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۚ قُلْ

اور بعض ان میں وہ ہیں جو نبی کو اذیت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ کن رسیا ہے کہدیجئے

اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ

اچھا کن رسیا ہے تمہارے لیے اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مومنوں کی مان لیتا ہے اور رحمت ہے

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۚ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ

ان کے لیے جو تم میں سے ایمان لائے اور جو اذیت دیتے ہیں اللہ کے رسول کو

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ ۔ شان نزول۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ چند منافق ایک جگہ جمع تھے جن میں جلاس بن سوید نامی بھی تھا تو انہوں نے مسلمانوں کے متعلق نازیبا باتیں کہیں۔ پس ان میں سے کسی نے ایسا کرنے سے روکا کہ آنحضورؐ کو خبر ہو گئی تو ہماری گت بنے گی۔ جلاس نے کہا اس بات کو چھوڑیے ہم اپنی صفائی پیش کردیں گے کیونکہ وہ تو ہر ایک کی بات آسانی سے مان لیتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک منافق نے قابل گرفت کلمات کہے اور حضورؐ کو اللہ کی جانب سے اطلاع مل گئی۔ پس آپ نے اس کو بلایا اور پوچھا تو اس نے اپنی بے گناہی کے لیے قسمیں کھائیں پس آپ نے درگذر فرمایا تو وہ حضورؐ کی معافی کو اس غلط انداز میں بیان کرتا تھا کہ وہ تو کن رسیا ہیں یعنی ہر ایک کی سنتے ہیں اور باور کر لیتے ہیں چنانچہ میرے متعلق اس کو شکایت پہنچی تو اس کو سُن لیا اور مان لیا اور میں نے جاکر قسمیں کھا کر اپنی صفائی پیش کردی تو میری بات بھی مان لی۔

قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ۔ اس کی ترکیب یہ ہوسکتی ہے کہ اُذُنُ خَيْرٍ مضاف و مضاف الیہ ہیں اور خبر ہیں مبتدا محذوف کی یعنی ھُوَ کی اور معنی یہ ہوگا کہ وہ اچھا کن رسیا ہے تمہارے لیے۔ اور یہ موصوف کی اپنی صفت کی طرف اضافت ہے چنانچہ بعضوں نے اضافت کے بغیر بھی پڑھا ہے۔

اُذُنٌ کا معنے ہے کان اور مبالغہ کے طور پر انہوں نے آپؐ کو اُذُن کہا کہ وہ ہر کی سنتے ہیں۔ جس طرح عَیْن کا معنی آنکھ ہوتا ہے اور جاسوس کو مبالغہ کی بنا پر عین کہا جاتا ہے۔ پس یہ اطلاق مجاز مرسل کے طریقہ پر ہے۔

مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ حضورؐ پر کن رسیا ہونے کا عیب لگاتے تھے کہ جس طرح بڑے آدمی یا بادشاہ ہر معتبر و غیر معتبر کی بات

پر جلدی سے باور کر لیتے ہیں۔ اور اس پر اثر مرتب کرنے میں دیر نہیں لگاتے حضور بھی اسی طرح کانوں کے کچے ہیں۔ پس جس نے جو بات کہہ دی فوراً مان لی تو خداوند کریم ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ بے شک رسول ہر کی بات کو سنتا ہے جو اچھی ہو اور بری بات نہیں سنتا اور جو بات سنتا ہے یا مانتا ہے وہ تمہارے فائدہ کے پیش نظر ایسا کرتا ہے۔

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ

ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے لیے تاکہ تم کو راضی کریں۔ حالانکہ

وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾

خدا اور رسول زیادہ حقدار تھے کہ یہ ان کو راضی کرتے اگر وہ مومن ہوتے

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ

کیا نہیں جانتے کہ جو تجاوز کرے اللہ اور اس کے رسول کی حدوں سے تحقیق

نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾

اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے کہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے۔

فائدہ۔ علمائے اصول نے اس آیتِ مجیدہ کو خبرِ واحد کی حجیت کی دلیل قرار دیا ہے کہ خداوند کریم اپنے حبیب کی مدح فرما رہا ہے۔ کہ وہ مومنوں کی بات سنتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ پس مومن کی بات کی تصدیق خبرِ واحد کے قبول کرنے کا دوسرا نام ہے اور آیت مجیدہ میں ہے کہ اللہ اور مومنوں کی بات کی تصدیق کرتا ہے۔ یعنی اللہ کی تصدیق اولی و ذاتی حیثیت سے ہے۔ اور مومنوں کی تصدیق ثانوی و عرضی حیثیت سے ہے کہ ان کی بات اس لیے مانتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور غالباً اسی بنا پر یُؤمنُ کے لفظ کو مکرر بیان فرمایا نیز اللہ کے ساتھ حرف باء اور مومنوں کے لیے حرف لام استعمال کرنے کی بھی یہی مصلحت ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنا ذاتی و اولی حیثیت رکھتا ہے اور دلیل و برہان کے ماتحت ہے۔ لیکن مومنوں کی بات ماننا ان کی رعایت کے لیے ہے اور ان کی دلجوئی کی خاطر ہے اور یہی وجہ ہے کہ مومن کی ہر بات سُنی جاتی ہے لیکن اس پر اثر مرتب کرنے کے شرائط اس کے علاوہ ہیں۔ مثلاً گواہی میں ایک مومن کی بات پر عمل نہیں کیا جاتا نیز کچھ مومن اگر کسی کی شکایت کریں اور وہ خود اپنی عذرداری پیش کر دے تو باقی مومنوں کی بات کو ردّ کر کے اس کی عذرخواہی کو پذیرائی کا درجہ دیا جاتا ہے بہرکیف مومنوں کے لیے اس کا وجود رحمت ہے اور وہ ان کی باتوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور منافقوں کو کہا گیا ہے۔ کہ تمہارے لیے اذن خیر ہے بایں معنی کہ باوجود ان کی قلبی امراض پر مطلع ہونے کے ان سے اچھا برتاؤ اور مسلمانوں کا سا سلوک کرتا ہے اور اکثر اوقات ان سے درگذر فرماتا ہے اور ان کے عذر بھی قبول فرما لیا کرتا ہے۔

ایذاءِ رسول گناہ ہے

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ مفتی محمد عبدہٗ نے اپنی تفسیر منار میں ذکر کیا ہے کہ ایذاءِ رسول کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو انکار رسالت کی وجہ سے ہو اور یہ کفر ہے اور دوسری وہ جو اقرار رسالت کے

بعد بعض ناروا حرکات و سکنات و اقوال و کردار کی وجہ سے ہو اور یہ حرام ہے اگرچہ کفر نہیں پھر آگے چل کر کہتا ہے کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضور کی رحلت کے بعد ان کو ایذاء دینا مثل اسی ایذاء کے ہے جو زبان زندگی میں آپ کو دی جائے۔ مثلاً اس کی ازواج سے شادی کرنا یا حضور کے والدین یا اہل بیت کے متعلق ایسی باتیں کرنا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو یقیناً ناراض ہوتے اور یہ باتیں گناہ ہیں کفر نہیں اور بے شک ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کوئی ایسی بات نہ کرے جس کے متعلق اُسے علم یا ظن ہو کہ حضور ہوتے تو ناراض ہوتے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذاتی اور مالی تنازعات میں بھی آل و عترت پیغمبر کی ایذاء حرام ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جو آل کی طرف نسبت کا مدعی ہے وہی درحقیقت غلطی پر ہو اور گنہگار ہو۔ (اور اس ساری تمہید کو ایک اہم مطلب کی طرف کھینچ لایا ہے چنانچہ تھوڑا سا آگے چل کر لکھتا ہے) کہ جناب فاطمہ اہل بیت کی عورتوں کی سردار بلکہ عالمین کی عورتوں کی سردار (مثل مریم) کو صدیق اکبر سے ایذاء پہنچی (جو کہ ان کے باپ کو تمام مردوں میں سے محبوب تر تھا جیسے کہ وہ خود تمام عورتوں میں سے محبوب تر تھیں) اور ایذا کی وجہ یہ تھی کہ جو حضورؐ کی طرف سے بطور میراث ملنے کا ان کو ظن تھا وہ اس نے نہ دیا یہ عذر کر کے کہ میں ان کے حکم کو نافذ کرنے والا ہوں اور ان کی شریعت کی پاسداری کرنے والا ہوں اور میں نے اپنے کانوں آپ سے سُنا تھا کہ نبی کا وارث کوئی نہیں ہوتا اور جو وہ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ پس اس (ابوبکر) کا حضورؐ کی وصیت پر عمل کرنا ایذا نہیں ہو سکتا لہذا بی بی کو جو ایذاء پہنچی ان کی طرف سے نہیں تھی الخ تفسیر منار ج ۱۰ ص ۶۰۵

فخرالدین رازی اور اہل سُنّت کے اکثر اکابر علماء نے کوشش کی ہے کہ خاتون جنت اور ابوبکر کے درمیان باہمی نزاع کو صُلح و صفائی سے ختم کرا دیا جائے اور ناراضگی و رنجش کا ذکر ہی درمیان میں نہ آئے چنانچہ عقبت اور وجدت کی تاویلیں کی گئیں اور یہ مشہور کر دیا گیا کہ خاتون جنت بعد میں راضی ہو گئی تھیں جیسا کہ ہم نے تفسیر انوار النجف کی چوتھی جلد ص ۱۴۵ پر ذکر کیا ہے مرورِ زمانہ سے ہر بعد میں آنے والا گذشتگان کی باتوں میں جدت پیدا کرتا ہی رہتا ہے اور سابقہ اعتراضات چونکہ اس کی نگاہوں میں ہوتے ہیں لہذا ہر ایراد و اعتراض سے بچنے کی نت نئی راہیں پیدا کرنا علمی تفوق کا معیار سمجھا جاتا ہے مفتی محمد عبدہ نے دیکھا کہ فریقین میں صُلح و صفائی کا ڈھنڈورا سنجیدہ طبائع کے نزدیک قابل قبول نہیں نیز بخاری شریف کی تصریح موجود ہے کہ مرتے دم تک بوجہ ناراضگی کے بی بی نے ابوبکر سے کلام تک نہ کیا اور یہ کہ بی بی کے جنازہ اور دفن میں بھی ان کو شریک نہ کیا گیا تو ان حقائق کے پیش نظر صُلح و صفائی کا اعلان تو صرف مضحکہ خیزی ہے لہذا معاملہ کو رفع دفع کرنے کی خاطر یہ ایک نئی چال ہے کہ قرآن کے تہدیدی فرمان سے بھی گلو خلاصی ہو جائے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے (جو بھی رسُول کو اذیت دیتا ہے اس کے لیے دردناک عذاب ہے) اور حدیث پیغمبر الفاطمة بضعة منی من اذاها فقد اذانی کہ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور عوام کی آنکھوں میں بھی دھول ڈالی جا سکے حالانکہ یہ بے چارہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ بی بی کو ناراض کرنے والا یقیناً رسول کا موذی ہے اور اسی آیت مجیدہ کی رو سے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ لیکن اس کو چونکہ اکابر کی دیکھا دیکھی پر اپنا پیش رو مان لیا ہے لہذا اُسے اور اپنی جان کو دوزخ سے بچانے کا اپنے نفس کو اور عوام کو دھوکا دیتے ہوئے یہ بہانہ تلاش کیا ہے کہ بی بی کی ناراضگی غلط فہمی پر مبنی تھی لہذا اس ایذاء کا ابوبکر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور نہ بی بی کی پاکدامنی پر دھبہ لگتا ہے کیونکہ ان کو حقیقت معلوم نہ تھی اور وجہ یہ تبلائی ہے کہ ابوبکر نے رسول سے سُنا تھا کہ ہم نبیوں کا

کوئی وارث نہیں ہوتا۔

امام فخر الدین رازی کے اعتراف کے مطابق بی بی نے اس حدیث کے جواب میں یُوصِیکُمُ اللّٰہ کی آیت پڑھی تھی۔ کہ خداوندِ کریم نے ہر اولاد کو اپنے والدین کا وارث قرار دیا ہے اور قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں جو اس عام حکم کی تخصیص کرتی ہو کہ نبیوں کے علاوہ باقی لوگوں کے لیے یہ حکم ہے بلکہ قرآن مجید میں تو اس کی تائیدیں ملتی ہیں کہ مثلاً سلمان داود کا وارث ہوا اور زکریا نے اپنے لیے وارث کی دعا مانگی تھی وغیرہ۔ پس جب آیت میں وراثت کا حکم عام ہے۔ تو خبر واحد اس حکم کو کیسے توڑ سکتی ہے۔ حالانکہ علماء کے نزدیک یہ مسلمہ ہے کہ خبر واحد قرآن کی مخصص نہیں ہو سکتی۔

نیز وراثت کا تعلق اولاد سے ہوا کرتا ہے یا اقرباء سے پس اگر رسُول نے یہ حکم جاری کرنا تھا کہ ہماری جائداد ورثہ میں نہیں جایا کرتی تو بطور وصیت کے اپنے جائز وارثوں کو بلا کر فرماتے اور سمجھاتے کہ دیکھو ہمارا کوئی وارث نہیں ہوا کرتا بلکہ نبیوں کا ترکہ صدقہ ہوا کرتا ہے لہٰذا تم لوگ وراثت کا سوال نہ اُٹھانا اور کوئی عام سے عام انسان بھی ایسی غلطی نہیں کرتا کہ وصیت کا جن لوگوں سے تعلق ہو ان سے اشارۃً بھی ذکر نہ کرے اور غیر متعلق لوگوں کو ساری باتیں سمجھا دے۔ پس رسول کریم پر ضروری تھا کہ اُمت کے اختلافات کا سدّباب کرتے ہُوئے اپنی اکلوتی بیٹی کو فرما کر جاتے کہ دیکھو میراث میں جھگڑا نہ کرنا اور یقیناً اگر آپ فرما کر گئے ہوتے تو فدک کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا اور بی بی یہ اقدام ہرگز نہ کرتی اور اُمّت کا شیرازہ نہ بکھرتا اور اگر صاف صاف نہیں تو کم از کم اتنا تو کہہ جاتے کہ میں وراثت کے متعلق فلاں صاحب کو تفصیل بتا چکا ہوں۔ لہٰذا ان کی بات پر باور کر لینا۔ پس حیرت در حیرت ہے کہ اس قدر ضروری مسئلہ کو اپنے متعلقین پر واضح نہ فرمایا اور ابوبکر کو بتلا گئے اور بطور وصیت فرما گئے۔ بقول محمد عبدہ کے۔ حالانکہ تاریخ وفات رسالتمآبؐ کا مطالعہ رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ آخری ایام میں اور بالخصوص آخری اوقات میں آل بیت کسی وقت بھی حضور سے الگ نہیں ہوئے البتہ صحابہ کے کسی نہ کسی وقت دُور رہنے کا امکان قرین قیاس بھی ہے اور واقع بھی۔ پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے بعد کا ایک زبردست متنازعہ فیہ فیصلہ اپنی پوری اُمّت میں سے ایک شخص کو بتا گئے جب کہ اہل وعترت بھی موجود تھی اور دوسرے اکابر صحابہ بھی موجود تھے اور کسی نے بھی حضور کا یہ فرمان نوٹ نہ کیا اور تاریخ میں یہ بھی کہیں نہیں ملتا کہ آپ نے آخری اوقات میں سے کسی وقت اُن سے خلوت میں باتیں کی ہوں تا کہ یہ احتمال دیا جا سکے کہ ان میں سے ایک یہ بھی ہوگی۔ بہر کیف یہ اور اس قسم کے مفروضہ افسانوں اور اعذارِ باردہ کی خدا کے سامنے کوئی وقعت نہیں اور مفتی محمد عبدہ کے دل میں یہ بات کھٹک رہی ہے کہ بی بی کی ایذاء رسول کی ایذا بنتی ہے۔ اور آیت مجیدہ کی رُو سے وہ عذاب الیم کے حقدار ہیں اور اسی خلش کے پیش نظر تو انہوں نے ایذاء فاطمہؑ کا مسئلہ یہاں خواہ مخواہ چھیڑا ہے ورنہ اس مسئلہ کو یہاں چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ سچ ہے چور کی داڑھی میں تنکا، اس کے بعد اس نے شیعوں پر برسنے کی کوشش کی اور خوب کوسا اور ان کا کوئی جرم نہیں سوائے اس کے کہ ان کو آلِ رسول سے محبت ہے اور وہ آل رسول پر تشدد کرنے والوں کے خلاف آواز اُٹھاتے ہیں اسے پتہ نہیں کہ محبّت محمدؐ و آل محمدؐ میں وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہیں کہ اس جیسے بلکہ اس سے بڑھ کر شیعوں کو نشانہ ظلم و تشدد بنانے والے اپنی انتھک کوششوں کے باوجود شیعوں کے

ؐ تفسیر انوار النجف ج ۵ ص ۱۴۵ ملاحظہ ہو

اس جائز احتجاج کو نہیں دبا سکے ہاں ایک دن ضرور آئے گا کہ شیعہ قوم کا وارث آئے گا۔ اور ان کے اس احتجاج کی قیمت پڑے گی۔ اللھم عجل فی فرج آل محمد۔

منافقوں کی چالیں
یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ۔

شان نزول ان آیات کا یہ ہے جیسا کہ تفاسیر علمائے شیعہ میں مذکور ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر چند منافقوں نے حضور کے قتل کی تجویز بنائی تھی اور وادی عقبہ میں آکر وہ چھپ کر بیٹھ گئے تھے کہ اگر حضور کو پتہ چل گیا تو ہم کہیں گے کہ ہم لہو و لعب اور گپ و شپ اڑا رہے تھے اور اگر ان کو پتہ نہ چلا تو اچانک حملہ کرکے ان کو قتل کردیں گے عمار نے آپ کی سواری کی باگ پکڑی ہوئی تھی۔ اور

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا

ڈرتے ہیں منافق کہ اترے ان پر کوئی سورہ جو بتا دے ان کو وہ چیز

فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾

جو ان کے دلوں میں ہے کہہ دیجئے کہ مسخری کرلو تحقیق اللہ ظاہر کریگا اس کو جس سے تم ڈرتے ہو

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ

اور اگر ان سے پوچھو تو کہتے ہیں کہ بجز اس کے نہیں ہم تو گپ شپ مار رہے تھے

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾

کہہ دیجئے کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول سے تم مسخری کرتے ہو

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ

عذر نہ کرو تحقیق تم کافر ہو چکے بعد ایمان لانے کے اگر ہم معاف کریں ایک گروہ

طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾

کو تم سے تو عذاب دیں گے ایک گروہ کو اس لیے کہ مجرم ہیں

حذیفہ پیچھے سے ہانک رہا تھا کہ اُسے پاؤں کی آہٹ اور تلواروں کا جھنکار معلوم ہوا تو اس نے ان کو دھتکارا چنانچہ وہ دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے چونکہ تاریکی تھی اور انہوں نے بھی سر منہ لپیٹ رکھا تھا اس لیے جب حضورؐ نے پوچھا کہ تم نے پہچانا کون کون تھے؟ تو اس نے عرض کی کہ نہیں حضورؐ! پس آپ نے بارہ آدمیوں کے نام گن دیلے پس حذیفہ نے عرض کی کہ حضورؐ! ان کو بلا کر قتل کردیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ وہ عرب جن کو حقیقت کا پتہ نہیں کہیں گے کہ محمدؐ نے اپنے اصحاب کو دھوکے سے قتل کردیا ہے لہٰذا ان کو جانے دیجئے پھر عیاں اس سے قبل کی آیتوں میں گذرا ہے کہ وہ مومنوں سے عذر خواہی کرتے ہیں تاکہ وہ ان سے راضی ہوں اور خدا فرماتا ہے کہ ان کے لیے مناسب تھا کہ سچا ایمان لا کر خدا کو راضی کرتے اور اس کے رسول کو راضی کرتے یعنی وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ

maablib.org

وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اور قرینہ کی وجہ سے واللّٰہ کی خبر کو محذوف کر دیا گیا اور خدا و رسول کو رضامند نہ کرنے پر ان کو حدود خداوندی کے توڑنے والا ظاہر کر کے آخرت کی عظیم رسوائی سے ڈرایا بھی گیا۔ اور یہ سارا قصہ تسلسل آیات کے لحاظ سے غزوہ تبوک سے تعلق رکھتا ہے۔ پس اس جگہ فرماتا ہے کہ منافقوں کے دلوں میں یہ خدشہ بدستور تھا کہ ہمارے متعلق کوئی سورہ نازل ہوگا اور ہمارے قلبی حالات کا مسلمانوں کو پتہ چل جائے گا اور ہم رسوا ہوں گے۔ لہذا اپنی ظاہری خیر خواہی جتلانے کے باوجود بھی وہ مطمئن نہ تھے اور وادی عقبہ میں جو انہوں نے کھیل کھیلا یا وقتاً فوقتاً جو کرتوت کرتے تھے انہیں معلوم تھا کہ بذریعہ وحی ان سب باتوں کی قلعی کھل جائے گی اور ہم رسوا ہوں گے۔

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا یعنی ان منافقوں سے کہہ دو کہ بے شک تم مسخری کر لو۔ خدا تمہارے سارے حالات کو جانتا ہے۔ اور جس سے تم کو ڈر ہے وہ ہو کے رہے گا کہ تمہارے نفاق کا پردہ چاک ہوگا اور تم رسوا ہو گے۔

لَا تَعْتَذِرُوْا جب رسالتمآبؐ نے ان کو بلا کر پوچھا تو قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے کہ ہم بے گناہ ہیں اور ہمارا ارادہ بُرا نہیں تھا۔ تو خدائے علام کی طرف سے ارشاد ہوا کہ ان سے کہہ دیجئے۔ اب عذر خواہی نہ کرو۔ تم ظاہری ایمان لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہو چکے ہو۔ اور عذاب خداوندی سے بچ نہیں سکتے ہاں اگر کسی نے صدق دل سے توبہ کر لی تو اس کو ہم معاف کر دیں گے۔ لیکن توبہ نہ کرنے والوں کو ضرور عذاب ہوگا۔ تفسیر صافی میں بروایت قمی امام محمدؑ باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو لوگ مومن تھے اور بعد میں شک و نفاق کی وجہ سے مرتد ہو گئے تھے۔ وہ چار آدمی تھے۔ پس ان میں سے ایک نے واقعی طور پر توبہ کر لی اور حضورؐ نے اس کا پہلا نام تبدیل کر کے عبداللہ رکھا۔ پس اس نے دعا کی کہ اے پروردگار مجھے شہادت کی موت نصیب فرما کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔ پس اس کی دعا مستجاب ہوئی اور یمامہ کے دن شہید ہوا اور کسی کو اس کا پتہ بھی نہ چلا۔

اور بعض مفسرین نے بیان کیا ہے اور سیاق آیات بھی اسی کا متقاضی ہے کہ منافق لوگ غزوۂ تبوک پر جاتے ہوئے آیات قرآنیہ اور اسلام و مسلمانوں پر پھبتیاں کستے ہوئے جا رہے تھے۔ اور ایسی باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے جو اسلام دشمنی کی آواز سمجھی جا سکتی تھی پس حضورؐ نے عمار کو بھیجا کہ کیا کہہ رہے تھے۔ تو انہوں نے کہا حضور ہم تو آپس میں گپ شپ مار رہے تھے تب یہ آیتیں اتریں۔

بہرکیف یہ آیات صرف انہی لوگوں کے لیے نہیں بلکہ تا قیامت تمام لوگوں کے لیے اور بالخصوص مسلمانوں کے لیے مہمیز عبرت ہیں کہ اپنے گریباں میں جھانک کر دیکھیں کہ کہیں ہم تو خدا و رسول کے احکام اور آیاتِ قرآنیہ سے مسخری کے مرتکب نہیں ہوتے۔ اگر نہیں تو خدا کا شکر بجا لائیں۔ لیکن اگر یہ مرض دل میں ہے تو اس کا توبہ سے علاج کریں اور عذاب نفاق سے بچنے کی کوشش کریں۔

رکوع نمبر ۱۵۔ منافقوں کی نشانیاں

اَلْمُنٰفِقُوْنَ صـ۹۳ ۔ اس آیت میں منافقوں کی پانچ علامتیں بیان کی گئی ہیں (۱) یہ کہ وہ بعض بعض سے ہیں۔ یعنی ان کی سیرت و خصلت ایک دوسرے کے بالکل مشابہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ ایک دوسرے سے یک جان دو قالب کی حیثیت سے ہیں (۲) یہ کہ وہ برائی کا امر کرتے ہیں (۳) یہ کہ وہ نیکی سے روکتے ہیں (۴) اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں۔ یعنی

راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے ۵ اور یہ سب برائیوں اور خرابیوں کی جڑ ہے کہ وہ اللہ کو بھلا چکے ہیں پس کسی بداعمالی سے رکنے کا ان میں احساس ہی نہیں رہا۔ اسی لیے بعد میں تعمیم کر دی کہ منافق ہی ہیں فاسق یعنی اللہ کو بھلا دینے کے بعد وہ اپنے آپ کو مطلق العنان سمجھتے ہیں۔ لہذا ہر قسم کا فسق ان سے متوقع ہے

حدیث نبوی میں وارد ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں بات کا جھوٹا، وعدہ کا کچا اور امانت کا خائن۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس میں چار علامتیں ہوں۔ وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان سے ایک پائی جائے تو اس میں نفاق کا حصہ ہوگا۔ بات کا جھوٹا۔ وعدہ کا کچا۔ عہد میں غدر کرنے والا اور جھگڑے کے وقت گالی دینے والا۔

وَعَدَ اللہُ ۔ یہاں منافق مردوں کے ساتھ عورتوں کا

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ

منافق مرد و عورتیں بعض ان کا دوسرے بعض میں سے ہے کہ امر کرتے ہیں

بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ

برائی کا اور روکتے ہیں نیکی سے اور ہاتھ بند رکھتے ہیں

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۶۷ وَعَدَ

انہوں نے خدا کو بھلایا پس اس نے ان کو بھلا دیا۔ تحقیق منافق ہی فاسق ہیں۔ وعدہ کیا

اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

اللہ نے منافق مردوں اور عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا کہ اس میں ہمیشہ

فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۶۸

رہیں گے وہی ان کو کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے عذاب دائمی ہوگا۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ

(تمہاری حالت) مثل ان کے ہے جو تم سے پہلے تھے کہ وہ تم سے زیادہ قوی اور زیادہ

بھی ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ بھی مردوں کے دوش بدوش نفاق و کفر میں حصہ لیا کرتی ہیں۔ جس طرح کہ ایمان میں ان کا حصہ ہوا کرتا ہے۔ اور منافقوں کے بعد کفار کا ذکر فرمایا کیونکہ عذاب خداوندی میں خالص کفار سے منافقوں کا حصہ زیادہ ہے۔ اور وہ اللہ کے نزدیک کافروں سے بدتر ہیں اس لیے استحقاق عذاب میں بھی ان کو مقدم کیا۔ اور لعنت میں بھی ان کا مقام پہلے قرار دیا۔

اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۹۴ اس آیت مجیدہ میں صیغہ غائب سے اعراض کر کے صیغہ مخاطب استعمال فرمایا کہ اے منافقو! تمہاری حالت ایذارِ رسول میں ایسی ہے جس طرح تم سے پہلے کے کفار و منافقین کی تھی بلکہ وہ تم سے مال و اولاد و قوت میں زیادہ

تھے پس انہوں نے نعماتِ خداوندی کو لذاتِ دنیا دیہ اور خواہشاتِ نفسانیہ میں ہی خرچ کیا پس انہوں نے اپنا حصہ یہاں دنیا میں پورا کر لیا اور تم بھی انہی کی طرح لذّاتِ دنیادیہ میں منہمک ہو کر اپنا حصہ وصول کر رہے ہو جس طرح انہوں نے کیا تھا اور کفر

أَمْوَالًا وَّأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُم بِخَلَاقِكُم

مالدار و صاحب اولاد تھے پس انہوں نے فائدہ اٹھایا اپنے حصّے کا پس تم نے بھی فائدہ اٹھایا اپنے حصہ کا جس

كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُم بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي

طرح فائدہ اٹھایا تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ (دنیاوی) کا اور تم بھی اسی میں گھس گئے۔ جس میں

خَاضُوا ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَ

وہ گھسے تھے ان کے عمل برباد ہوئے دنیا و آخرت میں اور وہی ہیں

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

خسارہ پانے والے کیا نہیں پہنچی ان کو خبر اپنے سے پہلے لوگوں کی قوم

قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ

نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اصحاب مدین اور وہ بستیاں

وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۚ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ

جن کو الٹایا گیا جن کے پاس رسول واضح دلیلیں لے کر آئے تھے پس اللہ ان پر نہیں تھا

لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٧٠﴾ وَالْمُؤْمِنُونَ

کہ ظلم کرے لیکن وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے اور مومن مرد

میں ڈوب گئے ہو جس طرح وہ ڈوبے تھے۔ پس ان کے اچھے اعمال کا نہ کوئی دنیا میں صلہ ہے کہ وہ قابلِ مدح ہوں اور نہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ ہے کہ وہ کافر تھے اور تمہاری بھی وہی حالت ہے پس یہاں ظاہری لذات ہی ان کے اعمال کا بدلہ ہو گئیں۔

اَلَّذِی خَاضُوا۔ میں فرّا کے نزدیک اَلَّذِی مصدریہ ہے جیسے ما مصدریہ ہوا کرتا ہے، یعنی خَاضُوا کَخَوْضِهِمْ۔

اَلَمْ یَاْتِهِمْ پھر خطاب سے غائب کی طرف رجوع کرتے ہوئے منافقوں کو تنبیہ فرماتا ہے، کہ کیا یہ لوگ

گذشتہ اقوام کی تباہی سے بھی عبرت و نصیحت نہیں پکڑتے کہ ان کا کیا حشر ہوا تھا۔ اصحاب مدین حضرت شعیب کی قوم تھی جن کا ذکر تفسیر کی چھٹی جلد میں گذر چکا ہے اور مؤتفکات سے حضرت لوط کی امت کی تین بستیاں مراد ہیں جن کو عذاب میں گرفتار کیا گیا، اور راتوں رات جبریل نے ان کو الٹا دیا تھا۔

علاماتِ مومن

بَعْضُهُمْ - آیت مجیدہ میں مومنین کی چھ علامتیں بیان کی گئی ہیں ① ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں اور یہ ان کے کمال خلوص کی نشانی ہے کہ ایک دوسرے پر جان دیتے ہیں اور یہ بات منافقین میں نہیں پائی جاتی ② امر بالمعروف کرنا ③ نہی عن المنکر کرنا ④ نماز کا قائم کرنا ⑤ زکوٰۃ ادا کرنا ⑥ یہ خصلت تمام خصائل حمیدہ اور اوصافِ فاضلہ کی جڑ ہے، کہ وہ اللہ و رسول کی اطاعت فرض سمجھتے ہیں لہذا ہر قسم کی نیکی ہی ان سے متوقع ہو سکتی ہے۔ پس ان پر خدا رحم فرمائے گا، اور یہ منافقوں کی علامت کے مقابلہ میں ہے، کہ وہ خدا کو بھلا چکے ہوتے ہیں اور پھر خدا بھی ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتا ہے یا یہ کہ جہنم میں ڈال کر ان کی پرواہ نہ کریگا اور خدا کے ان کو بھلا دینے کا یہی مطلب ہے، اور بخلاف اس کے مومن خدا و رسول کی اطاعت سے گریز نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کو ہر وقت خدا یاد رہتا ہے۔ پس اس کے بدلہ میں خدا بھی ان کو یاد رکھتا ہے۔ یعنی ہر وقت ان پر نگاہِ رحم و کرم فرماتا رہتا ہے جس طرح دوسری جگہ فرماتا ہے فاذکرونی اذکرکم کہ تم مجھے یاد کرو، اور میں تمہیں یاد کروں گا۔

وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وعورتیں بعض بعض کے اولیاء ہیں نیکی کا امر کرتے ہیں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں

وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ
اور اللہ و رسول کا حکم مانتے ہیں ان لوگوں پر اللہ عنقریب رحم کرے گا

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
تحقیق اللہ غالب دانا ہے وعدہ کیا اللہ نے مومن مردوں اور عورتوں سے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ
باغات کا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں کہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ

طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾ ع ۱۵
مکانات کا جو جنات عدن میں ہوں گے اور اللہ کی رضا بہت بڑی چیز ہے اور یہ ہی بڑی کامیابی ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ - منافقوں کے لیے جہنم کا وعدہ تھا ان کے مقابلہ میں مومنوں کے لیے جنّت کا وعدہ ہے اور آخر میں منافقوں پر لعنت بھیجی اور مومنوں کو اپنی جانب سے رضوان کی پیش کش فرمائی اُن کے لیے عذاب مقیم تھا، اور ان کے لیے فوز عظیم ہے۔

عَدْنٍ۔ اس کا لغوی معنی ہے ٹھہرنا قیام کرنا باب ضَرَبَ سے ہے اور معدن کا لفظ اسی سے مشتق ہے۔ معدن جوہر یعنی جوہر کے ٹھہرنے کی جگہ پس یہاں بھی اسی مناسبت سے جنات کو عدن کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یعنی ایسے باغات جن میں ہمیشہ ٹھہرنا ہو گا۔

رکوع ۱۶ کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کا حکم

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے کفار اور منافقین دونوں گروہوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا لیکن جناب رسالتمآب نے اپنی زندگی میں صرف کفار سے ہی جہاد جاری رکھا اور کبھی منافقین سے جہاد نہ کیا۔ گویا حکم کے ایک حصہ پر عمل کیا اور دوسرے حصہ پر عمل نہ کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

اس سوال کے تین جواب ہیں۔ پہلا جواب۔ جہاد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جہاد بالسیف اور دوسرا جہاد باللسان۔ پس حضور نے کفار سے جہاد فرمایا پہلے زبان سے اور اس کے بعد تلوار سے لیکن منافقوں سے ساری عمر زبان سے ہی جہاد فرماتے رہے۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ منافقوں سے کیوں نہ تلوار سے جہاد کیا جب کہ زبانی جہاد کارگر ثابت نہ ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ منافق لوگ ظاہری طور پر توحید و رسالت کا اقرار کر چکے تھے۔ اور صف اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ اور کافروں کے ساتھ جہاد کرتے وقت خواہ دل سے یا بد دلی سے مومنوں کے دوش بدوش میدان جنگ میں بھی حصہ لیتے تھے جس سے مومنوں کی جمعیت میں اضافہ کر کے کفار پر رعب کا باعث بنتے تھے پس اگر حضور ان سے بھی جہاد کرتے تو جہاں ایک طرف کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی جمعیت پر اثر پڑتا وہاں دوسری طرف کفار کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جاتی کہ حضور صرف اقتدار دنیاوی کے لیے لوگوں کو اپنی طرف بلا رہے ہیں اور جب ان کا اقتدار تسلیم کر لیا جاتا ہے تو انہوں کو بھی تہ تیغ کرنے سے دریغ نہیں کرتے پس وہ لوگ اس قسم کی باتوں سے اسلام کو بدنام کرتے۔ نیز حضور کی تلوار سے بچ نکلنے والے منافق بھی اسی قسم کا پروپیگنڈا کرتے جو اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی میں رخنہ کا موجب ہو جاتا پس اسی

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَ

اے نبی جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کرو اور

مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٧٣﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا

ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بری بازگشت ہے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے کچھ نہیں کیا

وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا

حالانکہ وہ کلمہ کفر کہہ چکے ہیں اور کافر ہو چکے ہیں بعد اسلام لانے کے اور انہوں نے ارادہ کیا

بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ

وہ جو نہ پا سکے اور انہوں نے نہیں انتقام لیا مگر اس بات کا کہ ان کو خدا اور اس کے رسول نے

مصلحت کی بنا پر ان سے درگذر ہی مناسب سمجھا اور زبانی جہاد پر اکتفا فرمائی۔

دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ جاھد باب مفاعلہ سے ہے جو طرفین کے اقدام پر دلالت کرتا ہے۔ چونکہ کافروں نے اقدام کیا تھا لہذا حضور نے جوابی کاروائی کی لیکن منافقوں نے نہ اقدام کیا اور نہ حضور نے ان کی سرکوبی ضروری سمجھی۔ اگر یہ بھی ایسا کرتے تو یقیناً ان سے بھی تلوار سے جہاد کیا جاتا جس طرح کہ حضور کے قائم مقام حضرت علیؑ سے جو لوگ نہ اُلجھے۔ ان سے جہاد نہ کیا اور جو اُلجھے ان کو دندان شکن جواب دیا گیا۔ جیسا کہ جنگ جمل صفین و نہروان کی تاریخیں گواہ ہیں۔

تیسرا جواب۔ جو تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیت کے دونوں حصوں پر اس طرح عمل ہوا کہ حضورؐ بنفس نفیس کفار سے لڑے اور آپ کے وصی منافقین سے لڑے اور علیؑ کا جہاد بھی چونکہ جہاد رسول تھا لہذا علیؑ کے جہاد کو ساتھ ملا کر نبی کی جانب سے آیت مجیدہ کے دونو حکموں پر عمل ہو گیا۔

مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا

اپنے فضل سے غنی کردیا۔ پس اگر توبہ کریں تو ان کے لیے خوب ہوگا اور اگر انکار کریں تو

يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ

عذاب دے گا۔ خدا ان کو دردناک عذاب دنیا و آخرت میں اور نہ ہوگا ان کا

فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٧٤﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ

زمین میں کوئی ولی و مددگار اور ان میں سے بعضوں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ اگر

۹۶ یَحْلِفُونَ غزوہ تبوک سے واپسی پر اسی موقعہ پر بعض منافقین نے رسالت مآب کے حق میں نازیبا الفاظ کہے جب حضور نے اس کو بلا کر پوچھا تو وہ قسمیں کھانے لگا کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا تھا آیت مجیدہ میں خدا اس کی مذمت فرما رہا ہے

لَمْ يَنَالُوا۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر چند منافقوں نے حضور کے قتل کی تجویز مرتب کی تھی اور ان کی تعداد بارہ یا پندرہ تھی حضرت عمار اور حذیفہ حضور کے ہمراہ تھے۔ خداوند کریم نے حضور کو منافقوں کی نیت بد سے مطلع کر دیا تھا چنانچہ وہ منافق ناکام ہوئے اور حضور بال بال بچ گئے۔ اور آپ نے حذیفہ کو وہ نام بھی بتا دیے اس مقام پر ملا محمد عبدہ نے تفسیر منار میں وادیٔ عقبہ میں منافقین کا درپے قتل رسول ہونا مختلف تاریخوں سے نقل کیا ہے۔ اور آخر میں بروایت طبرانی ان بارہ منافقوں کے نام بھی گنوا دیے اور آخر میں عذر یہ پیش کیا ہے کہ میں نے یہ بارہ نام اس لیے ذکر کر دیے ہیں تاکہ شیعہ لوگوں کو دوسرے اچھے صحابہ پر طعن کرنے کا موقعہ نہ ملے۔ وہی چور کی ڈاڑھی میں تنکا والی بات ہے۔ جب رسول کے نیک صحابہ کا کسی نے نام ہی نہیں لیا اور نہ کسی کی جرأت ہے کہ رسول کے وفادار صحابہ پر زبان طعن دراز کرے تو ایسے حالات میں خواہ مخواہ کسی کے متعلق ڈھنڈورا پیٹنا کہ دیکھو فلاں پر بدگمانی نہ کرنا کیونکہ وہ بڑا نیک ہے تو درحقیقت اس قسم کے اعلانات لوگوں کو اس

maablib.org

شخص پر بدگمان ہونے کی دعوت ہوا کرتے ہیں، خدا ایسے عقلمند طبقے سے پناہ دے اور تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ان بارہ میں سے آٹھ قریشی تھے اور چار دوسرے قبائل عرب میں سے تھے۔

وَمَا نَقَمُوْا یعنی جو لوگ رسول کے قتل کے درپے ہوئے یا جنہوں نے حضور کے حق میں نازیبا الفاظ کہے، انہوں نے اپنی ضمیر فروشی اور محسن کشی کا ثبوت فراہم کیا تھا کیونکہ یہ لوگ قبل از اسلام فاقوں مرتے تھے کبھی پیٹ بھر کر ان کو کھانا نصیب ہی نہ ہوا تھا۔ پس جب اسلام کا بول بالا ہوا۔ تو اسلامی حروب میں حضور کے قدم جگہ بہ جگہ فتح و نصرت نے چوم لیے تو کفار سے اس قدر مال غنیمت ان لوگوں کو دست یاب ہوا کہ غنی ہو گئے اور فاقہ مستی کے بعد یک دم دولتمند اور غنی ہو جانا اللہ کا فضل و کرم اور اس کے رسول کا فیض تھا، پس ان کو چاہیے تھا کہ خدا کی اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرتے۔ اور اس کے رسول کی غلامی کو اپنا سرمایہ زندگی تصوّر کرتے لیکن انہوں نے اپنی نا اہلیت کا ثبوت دیا اور یکبار غنی ہونے میں وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ اور اُلٹا اپنے محسن کے درپے ایذاء و قتل ہو گئے، پس گویا انہوں نے اپنے اُوپر خدا و رسُول کے انعامات و احسانات کا شکر ادا کرنے کی بجائے انتقام لیا۔ جو انتہائی خست اور کمینگی ہے

آتَانَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۷۵

وہ ہمیں اپنے فضل سے عطا کرے تو ہم ضرور صدقہ دیں گے اور نیک بندوں میں سے ہو جائیں گے

فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۷۶

پس جب اس نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا تو بخل کرنے لگے اور پھر گئے وعدے سے اعراض کرتے ہوئے

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا

پس نتیجہ میں دیا ان کو نفاق دلوں میں ملاقات کے دن تک بوجہ اس کے کہ خلاف کیا انہوں نے

وَمِنْهُمْ مَنْ — ثعلبہ کا واقعہ

تفسیر مجمع البیان میں آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلّق مذکور ہے کہ ایک شخص ثعلبہ نامی جو انصار سے تھا۔ اس نے خدمتِ نبوی میں درخواست کی کہ خدا مجھے اپنے فضل و کرم سے مالدار کر دے آپ میرے لیے دعا فرمائیں، حضور نے جواب میں فرمایا اے ثعلبہ تھوڑے مال پر شکر ادا کرنا اس زیادہ مال سے اچھا ہے جس کا شکر ادا نہ کیا جائے تو میری اتباع کر مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر چاہوں تو سونے چاندی کے پہاڑ میرے ہم رکاب ہو کر چلیں، پس وہ خاموش ہو کر چلا گیا، پھر ایک دن حاضر ہو کر کہنے لگا آپ میرے لیے دعا فرمائیں۔ کہ خدا مجھے مالدار کر دے اور مجھے اس پروردگار کی قسم جس نے آپ کو نبوّت عطا فرمائی ہے میں حقوق مالیہ ضرور ادا کروں گا۔ پس آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی جو مستجاب ہوئی، پس اس نے بکریاں خریدیں جو کیڑوں مکوڑوں کی طرح بڑھنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا مال اس قدر بڑھ گیا کہ مدینہ میں نہ سما سکتا تھا۔ پس مجبوراً وادی میں چلا گیا اور پھر اس قدر بڑھا کہ اُسے مدینہ سے

دور جانا پڑا حتی کہ جمعہ و جماعت کی سعادت سے محروم ہو گیا پس جب حضورؐ نے زکوٰۃ کی طلب کے لیے قاصد بھیجے تو اس نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہے۔ پس حضورؐ نے افسوس ظاہر فرمایا اور آیت مجیدہ میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور انجام کار اس کا یہ ہوا کہ وہ منافقوں کی فہرست میں درج ہو گیا اور بخل و عہد شکنی نے نتیجۃً اس کو نفاق دے دیا اور بمقتضائے فرمان خداوندی وہ توبہ پر موفق نہ ہو سکا اور یہ سب کچھ اس کی عہد شکنی کی ہی سزا تھی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ثعلبہ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر مالدار ہو جاؤں تو اس سے صدقہ کروں گا اور ہر صاحب حق کو حق دوں گا چنانچہ اس کا ایک چچا زاد جو بڑا مالدار تھا فوت ہو گیا اور سوائے اس کے اس کا کوئی دوسرا وارث نہیں تھا پس اس کا سب مال بطور وراثت کے اس کی طرف منتقل ہو گیا اور یہ مالدار بن گیا۔ لیکن اپنے کیے وعدوں سے منحرف ہو کر منافق بن گیا اور ممکن ہے کہ دونوں روایتیں صحیح ہوں

اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللہ سے اپنے وعدہ کا اور بوجہ جھوٹ بولنے کے کیا وہ نہیں جانتے کہ تحقیق
اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾
اللہ جانتا ہے ان کی پوشیدہ و ظاہر باتوں کو اور تحقیق اللہ غیبوں کے جاننے والا ہے۔
اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ
وہ جو طعنہ زنی کرتے ہیں مومنین میں سے خیراتی صدقہ دینے والوں پر اور ان
وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ
پر جو نہیں پاتے مگر اپنی حیثیت مطابق پس یہ مسخری کرتے ہیں ان سے تو خدا ان کو

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ - تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضورؐ کے پاس عبدالرحمٰن بن عوف صدقہ کے لیے ایک تھیلی روپوں کی بھر لایا اور عقبہ بن زید حارثی ایک صاع کھجور لے آیا اور عرض کی کہ حضور! میں نے باغ میں مزدوری کی ہے اور مجھے دو صاع ملے ہیں پس ایک صاع بچوں کے لیے گھر میں رکھا ہے اور دوسرا صاع حضور کے پیش خدمت ہے یہ سن کر منافقوں نے کہنا شروع کر دیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف نام نمود چاہتا ہے۔ لہٰذا ریا کی خاطر اس نے تھیلی پیش کی ہے۔ اور خدا کھجور کے ایک صاع سے بے نیاز ہے پس زیادہ دینے والے کو ریا کا طعنہ دیا اور تھوڑا دینے والے کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور خدا اسی کا ذکر فرما رہا ہے کہ مومنین میں سے جو مخیر ہیں ان پر بھی طعنہ زنی کرتے ہیں اور جو اپنی محنت کے اندازے سے تھوڑا دینے پر مجبور ہیں ان کو حقارت آمیز لہجہ سے خطاب کرتے ہیں اور ان سے مسخری کرتے ہیں۔ حالانکہ جناب رسالتمآبؐ سے دریافت کیا گیا کہ صدقات میں سے کون سا صدقہ افضل ہے تو آپ نے فرمایا وہ جو اپنی کمائی میں سے بچا کر غربت و افلاس کے باوجود دیا جائے

وعظ و عبرت - صرف ان منافقوں کا ذکر پڑھ سن کر خود عبرت حاصل نہ کرنا انتہائی ناعاقبت اندیشی ہے۔ کیا

دور حاضر میں ارباب خیر پر اس قسم کے الزامات نہیں عائد کیے جاتے نیز غرباء کے عطیوں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا اگر ایسا ہے تو اپنی اس باطنی مرض کی طرف توجہ دینی ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید کی آیات تاقیام قیامت ہر آنے والے مسلمان کو صحیح راستہ کی نشان دہی کرتی ہیں۔ پس نیک نصیب ہے وہ انسان جو ان تعلیمات کو دل میں جگہ دے اور عمل کی سعادت حاصل کرے

سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اس کا مقصد یہ ہے کہ خدا ان کو مسخری کی سزا دے گا ورنہ خدا تو کسی سے مسخری نہیں کرتا۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ تفسیر منہج الصادقین میں ہے کہ عبداللہ بن اُبی کا لڑکا جس کا نام عبداللہ تھا مخلص مومنوں میں سے تھا۔ جب اس کا باپ بیمار ہوا تو خدمت پیغمبر میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور! میرے باپ کے لیے دعا کیجئے تو یہ آیت اُتری کہ آپ ان کے لیے دعا کریں یا نہ کریں دونوں صورتیں برابر ہیں بلکہ اگر ستر بار بھی دعا کریں تو خدا ان کو نہیں بخشے گا۔ اور ستر مرتبہ کا لفظ کثرت ظاہر کرنے کی ایک تعبیر ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ میں نے ہزار مرتبہ یہ بات کہی یا بیسیوں بار یہ کہا تو اس قسم کی تعبیروں سے وہ عدد خاص طور پر مقصود نہیں ہوا کرتا۔ پس یہاں بھی مقصد یہ ہے کہ آپ خواہ کتنی بار ان کے لیے دعا مغفرت کریں۔ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ وہ کافر تھے۔ اور خدا ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ

اس کا بدلہ دے گا اور ان کے لیے عذاب دردناک ہوگا۔ ان کے لیے بخشش طلب کرو یا نہ

تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا

کرو (برابر ہے) اگر ان کے لیے بخشش ستر مرتبہ بھی طلب کرو۔ تو ہرگز نہ بخشے گا خدا ان کو

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ ع ۱۶

کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا کفر کیا اور اللہ نہیں ہدایت کرتا فاسق لوگوں کو

نتیجہ۔ آیت مجیدہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ منافق ہوں ان کے لیے رسول کی منہ مانگی دعا بھی قابل قبول نہیں۔ لہذا ان کا رسول کے ساتھ رہن سہن اور اٹھ بیٹھ ان کو کیا فائدہ دے سکتا ہے پس اگر مومن ہوگا تو رسول مخصوص نام لے کر اس کے لیے دعا نہ فرمائیں تب بھی وہ مومنوں کے ساتھ خدا کے گئے وعدہ میں شریک ہوگا۔ اور جنت عدن میں بمطابق مضمون سابقہ آیات کے اس کو ٹھکانا ملے گا۔ خواہ وہ مومن عربی ہو یا عجمی صحابی ہو یا غیر صحابی اور اپنا قریبی ہو یا بیگانہ۔ نیز رسول کے پاس کبھی بیٹھا ہو یا اسے کبھی یہ اتفاق نہ ہوا ہو۔ لیکن بخلاف اس کے اگر منافق ہوگا تو خواہ عربی ہو صحابی ہو قریبی ہو۔ پاس بیٹھنے والا ہو۔ حتی کہ رسول منہ بول کر بھی اس کے لیے خدا سے رضا طلب کرے تو کارآمد نہ ہوگی۔ چہ جائیکہ دوسرے لوگ خدا کی رضامندی کا اس کے لیے پروانہ لیے پھریں۔

maablib.org

رکوع نمبر ۱۷ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ ۔ غزوہ تبوک پر جاتے ہوئے جن منافقوں نے چھٹی مانگ لی تھی اور حضور نے ان کو پیچھے چھوڑا تھا۔ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہیں۔ یہاں خلاف کے دو نو معانی جائز ہیں۔ ایک تو خلاف خلف سے یعنی جن کو پیچھے چھوڑا گیا تھا۔ اور دوسرے خلاف مخالفت کے معنی ہیں یعنی جن کو پیچھے چھوڑا گیا وہ جناب سالتمآب کی مرضی کے خلاف گھر بیٹھ رہنے پر خوش ہیں۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا
خوش ہوئے پیچھے چھوڑے ہوئے اپنے بیٹھ رہنے پر پیچھے رسول اللہ کے اور ناپسند کیا

اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا
جہاد کرنا اپنے مالوں اور جانوں سے راہ خدا میں اور کہنے لگے

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا
کہ نہ کوچ کرو گرمی میں کہہ دیجئے دوزخ کی آگ بہت سخت گرم ہے کاش وہ

يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ
سمجھتے ہوتے پس ہنس لیں تھوڑی مدت اور روئیں بہت مدت

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى
بدلہ اس کا ہے جو وہ کماتے ہیں پس اگر تمہیں خدا پلٹائے طرف

وَقَالُوْا یہ قول ان کا اپنا باہمی مکالمہ ہے کہ ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ گرمی میں نہ نکلو۔ یا یہ کہ مومنوں کو جنگ سے باز رکھنے کے لیے کہتے تھے۔ فَلْيَضْحَكُوْا تعبیر صیغہ امر سے کی گئی ہے اور اس کا معنی خبر کا ہے یعنی ان کو ہنسا تھوڑا نصیب ہو گا اور رونا ان کا طویل و پائدار ہو گا۔ اور اس کی تین وجوہ ہیں ① یعنی اگر یہ لوگ حقیقت کو سمجھیں کہ جہاد کو ترک کرنے میں ان کو ملا کیا ہے اور ان سے فوت کیا کچھ ہوا ہے کہ دنیا میں ذلت و خواری ملی اور آخرت میں عذاب دائمی حاصل ہوا اور جنت کی نعمات کھو بیٹھے۔ پس یہ سمجھنے کے بعد ان کا ہنسنا تھوڑا رہ جائے گا۔ اور رونا طویل ہو گا ② یا یہ کہ بذریعہ وحی ان کی منافقت کا پردہ چاک ہونے کے بعد مسلمانوں کے دلوں سے ان کا وقار ختم ہو گیا۔ لہذا ان کی دنیاوی زندگی بھی مکدر اور گندلی ہو گئی کہ تکالیف زیادہ بڑھ گئیں اور خوشی کے مواقع بہت کم رہ گئے ③ یہ کہ اس موقع سے قبل مسلمانوں کے ساتھ مل کر جو ان کو خوشی کے مواقع دستیاب تھے اب رسوائی کے بعد بہت کم باقی رہ گئے ہیں اور نعمات اخرویہ سے محرومی کا رونا تو بہر کیف دائمی ہے ہی۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ ارشاد ہے کہ اگر آپ غزوہ تبوک سے باخیر و عافیت واپس جائیں اور ان منافقوں سے پھر ملنا جلنا ہو

ثواب ان سے سابقہ بر نائے ترک کر دیں اور اگر دوبارہ دشمنوں کے مقابلہ میں خروج کی نوبت آئے اور یہ منافق اپنی نصرت کی پیش کش بھی کریں تو قبول نہ فرمائیں اور ان کو واشگاف الفاظ میں دو ٹوک کہہ دیں کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ نکلو کیوں کہ ہمیں تمہارے ساتھ لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بس تم گھر بیٹھے ہی بھلے ہو۔

مومن اور منافق کا جنازہ

وَلَا تُصَلِّ اس سے قبل دستور تھا کہ منافقوں پر مسلمانوں کے احکام جاری کیے جاتے تھے، اور ان پر نماز جنازہ بھی پڑھی جاتی تھی۔ لیکن غزوہ تبوک کے بعد یہ حکم امتناعی نازل ہوا کہ ان میں سے مرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لیے دعا کرو۔

طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ

ان کی جماعت کے پس وہ آپ سے کوچ کی اجازت چاہیں تو کہہ دیجئے کہ ہرگز نہ نکلو میرے ہمراہ

أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ

بالکل اور ہرگز نہ لڑو میرے ساتھ دشمنوں سے۔ کیوں کہ تم خوش ہوئے بیٹھ رہنے پر پہلی

مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ﴿۸۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ

مرتبہ۔ پس بیٹھے رہو ساتھ پیچھے رہنے والوں کے۔ اور نہ نماز جنازہ پڑھیے ان پر جو مر جائے

مَّاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَ

بالکل اور نہ ٹھہریے اس کی قبر پر تحقیق وہ کافر ہیں اللہ اور اس کے رسول کیساتھ اور

مَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ

مرتے ہیں درحالیکہ فاسق ہیں اور نہ تم کو تعجب میں ڈالیں ان کے مال و اولادیں

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ

سوائے اس کے نہیں کہ خدا چاہتا ہے کہ ان کو عذاب دے انہی کی بدولت دنیا میں اور نکلیں ان کی روحیں

صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب بعض لوگوں کا جنازہ پانچ تکبیریں پڑھتے تھے، اور بعض لوگوں کا جنازہ چار تکبیریں پڑھتے تھے۔ پس جب کسی پر چار تکبیریں پڑھتے تھے تو پتہ چلتا تھا کہ یہ منافق تھا،

دوسری روایت میں آپ سے ہی منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ تو پہلی تکبیر کے بعد شہادتیں دوسری تکبیر کے بعد صلوات انبیاء پر تیسری تکبیر کے بعد مومنوں کے لیے دعا۔ چوتھی تکبیر کے بعد میّت کے لیے دعا اور پانچویں تکبیر پڑھ کر ختم کر دیتے تھے لیکن جب منافقوں پر جنازہ پڑھنے سے ممانعت ہوئی تو پہلی تکبیر کے بعد شہادتین دوسری کے بعد صلوات انبیاء پر اور تیسری کے بعد دعا مومنین کے لیے اور چوتھی تکبیر پر ختم کر دیتے تھے اور میّت کے لیے دعا نہیں مانگتے تھے یعنی مومن کا جنازہ

پانچ تکبیریں اور منافق کا چار تکبیروں سے پڑھا کرتے تھے۔ اور اسی مضمون کی روایتیں اہل سنت کی کتب صحاح ستہ میں بھی موجود ہیں چنانچہ صحیح ترمذی میں صاف طور پہ ہے کہ حضور مومن کا جنازہ پانچ تکبیروں سے پڑھا کرتے تھے۔ پس جنہوں نے حضور کو پانچ تکبیریں پڑھاتے دیکھا وہ پانچ پڑھتے ہیں اور جنہوں نے حضور کو چار تکبیریں پڑھاتے دیکھا وہ اب بھی چار پڑھا لیتے ہیں۔

وَاِذَآ ۔ یعنی منافقوں کا دائمی وتیرہ ہو گیا تھا کہ جب کبھی ان کو دعوت جہاد دی جاتی تو ان میں سے مالدار عذر خواہی کرتے تھے۔ کہ ہمیں گھر میں رہنے دیا جائے گویا ان کا خدا و رسول کی فرمائشات پر ایمان ہی نہیں تھا۔

اَلْخَوَالِفِ ۔ خَالِفَةٌ کی جمع ہے یعنی وہ عورتیں جو گھر میں ہیں اور مردوں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے پس خَالِفٌ و خَالِفَةٌ نانجیب مرد کو کہتے ہیں اور مذکر کے لیے فاعل کا صیغہ صرف دو مقام پر فواعل کے وزن پر آیا ہے ایک فارس کی جمع فوارس اور دوسرے ھالک کی جمع ھوالک۔ بہر کیف اس جگہ خوالف سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اسلام نے معذور قرار دے کر گھر میں بیٹھے رہنے کی اجازت دے رکھی ہے مثلاً بچے۔ بوڑھے، عورتیں اور بیمار لوگ۔

اَلْخَيْرٰتُ ۔ ان منافع کو کہا جاتا ہے۔ جو انسان کے لیے سکون کا فائدہ دیں۔ مثلاً حسین و جمیل عورتیں اور دیگر نعمات خداوندی۔ پس دنیا میں بھی خدا کی طرف سے مومنوں پر احسانات و اکرامات کا نزول ہوتا ہے۔ اور آخرت میں نعمات جنت بھی انہی لوگوں کے لیے ہیں۔ پس دنیا و آخرت کی دونوں زندگیوں میں ان کو کامیابی حاصل ہو گئی اسی لیے کہا گیا ہے یہ سب سے بڑی کامیابی ہے

وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ
درحالیکہ وہ کافر ہوں اور جب اترے کوئی سورہ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور

جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ
جہاد کرو ساتھ رسول کے تو چھٹی مانگتے ہیں جو ان میں سے مالدار ہیں اور

قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ
کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دیجیے۔ تاکہ پیچھے بیٹھے والوں میں ہو جائیں وہ راضی ہیں کہ ہوں ساتھ

الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ
پیچھے بیٹھنے والیوں کے اور مہر لگائی گئی ان کے دلوں پر پس وہ نہیں سوچتے لیکن رسول

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ
اور وہ جو اس کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور جانوں سے اور انہی کے لیے

الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ
ہی خوبیاں ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں۔ ان کے لیے تیار کیے ہیں اللہ نے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع ۱۷
باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں کہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

رکوع ۱۸ ۔ جَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ گویا تخلف کرنے والوں کے دو گروہ تھے جن کی اس آیت میں نشاندہی ہے ایک گروہ

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ

اور آ گئے عذر کرنے والے عربوں میں سے کہ ان کو بیٹھنے کی اجازت ملے اور (بلا عذر) بیٹھ گئے وہ

كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۹۰

جنہوں نے جھٹلایا اللہ اور اس کے رسول کو تو پہنچے گا ان کو جو کافر ہیں۔ ان میں سے عذاب دردناک نہیں اوپر

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا

کمزوروں کے نہ اوپر بیماروں کے اور نہ اوپر ان کے جو نہیں رکھتے

يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ

خرچ ۔ کوئی حرج جب کہ وہ خیر خواہی کریں اللہ اور اس کے رسول کی نہیں ہے اوپر احسان کرنے والوں کے

سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۹۱ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ

گرفت اور خدا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور نہ (حرج) ہے اوپر ان کے جو تیرے پاس آ کر سواری طلب کرتے

قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ

ہیں اور تو فرماتا ہے کہ نہیں میرے پاس کہ تمہیں سوار کردوں اور وہ واپس جاتے ہیں درحالیکہ ان کی آنکھیں روتی ہیں۔

حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۹۲ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ

آنسو غم کے کہ وہ نہیں رکھتے خرچہ بس گرفت ان لوگوں پر ہے جو تجھ سے اجازت مانگتے ہیں

وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ

حالانکہ وہ دولتمند ہیں وہ خوش ہیں کہ پیچھے رہنے والیوں میں رہ جائیں اور مہر لگا دی

اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۹۳

اللہ نے ان کے دلوں پر پس وہ نہیں جانتے۔

وہ تھا جنہوں نے جنگ میں نہ جانے کے لیے معذرت کرتے ہوئے اجازت مانگ لی تھی اور دوسرا گروہ جو بغیر اجازت کے جنگ میں شرکت کرنے سے پیچھے رہا۔

لَیْسَ ۔ مروی ہے کہ عبداللہ بن ام مکتوم خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی میں نابینا ہوں اور میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں جو مجھے لے جائے تو آپ خاموش ہوئے۔ اور یہ آیت اُتری۔

وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ مروی ہے کہ سات آدمی حاضر ہوئے اور عرض کی حضور! ہم مجبور ہیں۔ جی چاہتا ہے لیکن خرچ نہیں۔ اور سواری نہیں کہ جا سکیں۔ تو حضور نے فرمایا کہ سواری تو میرے پاس بھی نہیں کہ تمہیں دے سکوں۔ پس وہ مایوس ہو کر روتے ہوئے واپس گئے اور یہ آیت ان کے حق میں اُتری۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ غزوہ تبوک میں آپ کے ہمرکاب تیس ہزار مجاہد گئے تھے جن میں سے صرف دس ہزار سوار تھے۔

پارہ ۱۱

مرکز احیاء آثار برّصغیر
MAAB 1431
maablib.org

رکوع نمبر ۱۔ یَعۡتَذِرُوۡنَ منقول ہے کہ وہ اسی شخص تھے جو باوجود مالدار ہونے کے عذر کو کے بیٹھ گئے اور خدا انہی کے متعلق فرماتا ہے کہ جب تم واپس جاؤ گے تو وہ عذر داریاں پیش کریں گے لیکن ان کو کورا جواب دے دینا کہ ہم تمہارا عذر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کیوں کہ خدا نے ہمیں تمہاری حقیقت حال سے خبر دے دی ہے

یَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَیۡکُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ ؕ قُلۡ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ
عذر پیش کرتے ہیں تمہارے سامنے جب تم پلٹے ان کی طرف کہہ دیجیئے عذر پیش نہ کرو ہم تمہاری

نُّؤۡمِنَ لَکُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِکُمۡ ؕ وَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَکُمۡ
نہ مانیں گے ہمیں بتا دی ہیں خدا نے تمہاری باتیں اور عنقریب دیکھے گا خدا تمہارا عمل اور اس کا

وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا
رسول پھر پلٹائے جاؤ گے طرف غیب و شہادت کے جاننے والے کے پھر تمہیں بتائے گا جو

کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۴﴾ سَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَکُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ
تم عمل کرتے ہو وہ خدا کی قسمیں کھائیں گے تمہارے سامنے جب پلٹو گے ان کی طرف

لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ ۫ وَّمَاۡوٰهُمۡ
تاکہ درگذر کرو ان سے پس ان سے منہ پھیر لو تحقیق وہ نجس ہیں اور ان کا ٹھکانا

جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾ یَحۡلِفُوۡنَ لَکُمۡ لِتَرۡضَوۡا
دوزخ ہے بدلہ اس کا جو وہ کسب کرتے ہیں قسمیں کھاتے ہیں تمہارے سامنے تاکہ راضی

عَنۡهُمۡ ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرۡضٰی عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۹۶﴾
ہو جاؤ ان سے پس اگر تم راضی بھی ہو جاؤ ان سے تو اللہ تو راضی نہ ہو گا فاسق لوگوں سے

فَسَیَرَی اللّٰهُ یعنی اگر تم صحیح معنوں میں معذرت پیش کر رہے ہو تو عنقریب اس کی قلعی بھی کھل جائے گی کہ آیا تم سچ مچ تائب ہو۔ اور اپنی سابقہ چالوں سے باز آچکے ہو یا صرف زبانی ہی زبانی باتیں بناتے ہو یعنی تمہارے آئندہ کے اعمال و کردار تمہاری عذر داریوں کی حقیقت کو واضح کر دیں گے۔

سَیَحۡلِفُوۡنَ یعنی وہ قسمیں کھا کر تمہیں کہیں گے کہ ہم سے درگذر کرو یعنی ہمیں رسوا نہ کرو تو اس کے جواب میں فرماتا ہے ان کی باتوں میں سے ایک نہ سنو اور ان کو اپنے سے دور رکھو اور کسی قسم کی رعایت ان کے ساتھ نہ کرو اور ان سے بچو جس طرح نجس چیز سے بچا جاتا ہے۔

لِتَرۡضَوۡا یعنی وہ تم کو قسمیں دیں گے کہ راضی ہو جاؤ لیکن میرا یہ فیصلہ ہے کہ تم راضی ہو یا نہ ہو میں تو ان لوگوں پر ہرگز راضی نہ ہوں گا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی راضی نہ ہونا چنانچہ حدیث نبوی میں وارد ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی صرف اللہ

کی خوشنودی کے لیے برداشت کرے تو خدا خود بھی اس سے راضی ہوگا اور لوگوں کو بھی اس سے راضی رکھے گا لیکن جو شخص اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرنے کی کوشش کرے گا اس پر اللہ بھی ناراض ہوگا اور لوگوں کے دلوں میں بھی اس کی ناراضگی ڈال دے گا۔

مختصر قصۂ تبوک

تفسیر جامع جلد ۳ میں اس طرح مذکور ہے کہ جب جنگ حنین کے بعد ملک عرب بت پرستی کی آلائش سے پاک ہوگیا تو حضورؐ کی خواہش ہوئی کہ ملک شام کو یونان و روم کی حکومت سے آزاد کرا کے ان کو اسلامی تعلیمات سے نوازا جائے اور اسی اثنا میں ایک گشتی خبر مدینہ میں عام ہوگئی کہ رومی لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے ایک لشکر جرار لے کر آگے بڑھ رہے ہیں چنانچہ ان کی فوجیں حمص میں داخل ہو چکی ہیں۔ پس حضور اکرمؐ نے اپنے صحابہ کو جہاد کی ترغیب دی اور لوگوں کو جانی و مالی قربانی کا حکم دیا اور اسی مضمون پر مشتمل ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا چنانچہ حمد و ثنا پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا "اے لوگو! سب سے اچھا اور سچا کلام قرآن ہے انسان کا بلند ترین کردار تقویٰ ہے۔ سب سے بہترین ملت، ملت ابراہیم ہے اور عمدہ ترین سنت میری سنت ہے ثابت قدمی اور پائداری اچھا عمل ہے اور تنزلزل و سستی بدترین کردار ہے پیغمبر کی راہنمائی بہترین ہدایت ہے اور دین خدا کے لیے شہادت بہترین موت ہے نابینا وہ ہے جو ہدایت کے بعد گمراہی کو اختیار کرے اچھا عمل وہ ہے جو سود مند ہو اچھا راستہ وہ ہے جو پیروی کے قابل ہو۔ بدترین اندھا وہ ہے جس کے دل کی آنکھیں بند ہوں کریم و سخی ہاتھ لئیم و بخیل ہاتھ سے بلند تر ہے وہ تھوڑا مال جو کفایت کر سکے اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو سرکش بنا دے بدترین عذر وہ ہے جو موت کے وقت یاد آئے سخت ترین پریشانی قیامت کی پریشانی ہے یقین جانیے کہ جھوٹ بڑا گناہ ہے اور اچھی بے نیازی وہ ہے جو نفس کو قوت بخشے عمدہ ترین زاد راہ تقویٰ ہے بلند ترین حکمت و دانائی خوف خدا ہے دل کا بہترین نظریہ یقین پروردگار ہے اور زمان جاہلیت کے افعال زشت اور کردار بد سے توبہ کرنا ہے شعر کہنا اور خیالات کو مرتب کرنا وسوسہ شیطانی ہے نشہ آور اشیاء کا استعمال گناہوں کی اصل ہے عورتیں شیطان کا جال ہیں۔ جوانی جنون و دیوانگی کا ایک شعبہ ہے بدترین کسب سود خوری اور کثیف ترین غذا مال یتیم کا کھانا ہے سعادت مند وہ ہے جو نصیحت کو قبول کرے بدبخت وہ ہے جو شکم مادر سے بدبختی لے کر آئے۔ اے لوگو! تم میں سے کسی کو بھی چار ذراع زمین سے زیادہ نصیب نہ ہوگی۔ انجام تمہارا قیامت ہے عمل کا دار و مدار انجام پر ہے۔ جو چیز یقیناً آنے والی ہے اسے نزدیک تر سمجھو۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے۔ مومن کو قتل کرنا کفر ہے مومن کا گوشت کھانا (گلہ کرنا) گناہ ہے۔ مومن کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی مثل ہے جو خدا پر توکل کرتا ہے خدا اس کی کفایت کرتا ہے جو صبر کرتا ہے۔ وہ کامیاب و کامران ہوتا ہے جو شخص درگذر کرے اور لوگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرے خدا اس کی غلطیوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ جو شخص اپنے غصہ کو پی لے وہ خدا کے نزدیک اجر کا مستحق ہے چپ رہنے والے کو خدا دگنا اجر دیتا ہے اور نافرمان کو عذاب کرتا ہے اس کے بعد آپ نے اپنے لیے اور حاضرین کے لیے دعا بخشش فرمائی۔"

لوگوں نے جب یہ خطبہ سُنا تو آمادہ جہاد ہُوئے چنانچہ عرب کے اکثر قبائل جنگ تبوک کے لیے اعلان سُنتے ہی پہنچنا شروع ہو گئے بجز بن قیس کو آپ نے دعوت دی تو اس نے معذرت طلب کی اور اسی کے متعلق آیت[1] اُتری جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں اجازت دیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالیے الخ" پھر اس نے کہنا شروع کر دیا کہ رومیوں کے ساتھ لڑنا آسان نہیں یہ لوگ جائیں گے تو انہیں پتہ چلے گا اور منافقوں نے آپس میں مشورہ کر لیا کہ جب حضورؐ مدینے باہر جائیں گے تو ہم اعلانیہ بغاوت کریں گے اور ان کی اہل و عیال کو مدینہ سے نکال دیں گے چنانچہ بذریعہ وحی حضورؐ کو اطلاع ہو گئی اور جبریل نے یہ پیغام پہنچایا کہ اس سفر کا انجام جنگ نہیں ہو گا لہذا علی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جائیے تاکہ منافقین اپنے مقصد پر کامیاب نہ ہو سکیں چنانچہ حضور نے حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام بنا کر سفر اختیار فرمایا۔

جب منافقوں نے دیکھا کہ ہماری تجویز ناکام ثابت ہوئی ہے تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ حضورؐ کے لیے علیؑ کا ہمرکاب ہونا بار خاطر تھا لہذا اس کو ساتھ لے جانا گوارا نہ فرمایا چنانچہ حضرت علیؑ کے کانوں میں جب یہ خبر پہنچی تو آپ بھی روانہ ہو گئے اور لشکر اسلام کو پیچھے جا کر ملے۔ حضور نے فرمایا یا علیؑ میں نے تو تمہیں اپنا قائم مقام بنا کر مدینہ میں چھوڑا تھا۔ پھر کیوں آ گئے؟ تو عرض کی: حضورؐ! منافقین کی طعنہ زنی سے تنگ آ کر آمادہ سفر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا تو راضی نہیں۔ کہ تیری منزلت مجھ سے وہ ہو جو ہارون کی موسیٰ سے تھی فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد نبی اور کوئی نہیں ہو گا اگر ہوتا تو وہ تو ہی ہوتا تو ہی میرا خلیفہ وزیر اور دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے" پس حضرت علیؑ نے واپس مراجعت فرمائی

منافقین کو جب حضرت علیؑ کی واپسی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آپ کے قتل کی تجویز کی اور راستہ میں کنواں کھود کر اُوپر خس و خاشاک ڈال دیئے تاکہ جب آپ اس میں گر جائیں گے تو اوپر سے سنگ باری کر کے ان کو قتل کر دیا جائے گا آپ کا گھوڑا جب اس مقام پر پہنچا تو فوراً واپس ہو گیا اور کنویں کی اطلاع اپنی زبان بے زبانی سے دے دی۔ آپ نے گھوڑے کو دُعا دی اور حکم فرمایا کہ بے فکر ہو کر چلے جاؤ خدا ہمارا محافظ ہے چنانچہ خدا نے اس جگہ کو مضبوط کر دیا اور حضرت علیؑ کا گھوڑا اوپر سے گذر گیا اور آپ کے ساتھی بھی گذر گئے لیکن ان خس و خاشاک میں ذرہ بھر لچک پیدا نہ ہُوئی۔

اس کے بعد آپ نے کنوئیں کے منہ سے خس و خاشاک ہٹانے کا حکم دیا تاکہ منافقین کا مکر ظاہر ہو جائے صحابہ دیکھ کر حیران تھے آپ نے فرمایا کہ جس طرح منافقوں نے میرے قتل کی تجویز کی تھی اسی طرح حضور کے ہمراہ جانے والے بعض منافقین واپسی پر حضورؐ کے قتل کی بھی تجویز کریں گے لیکن خدا ان کو منافقوں کے شر سے محفوظ رکھے گا[2]۔ صحابہ نے عرض کی کہ بذریعہ خط حضورؐ کو منافقوں کے ارادہ فاسدہ کی اطلاع دے دی جائے تو اچھا ہو گا۔ آپ نے فرمایا خداوند کریم کی جانب سے ان کو پہلے اطلاع ہو جائے گی چنانچہ ادھر جبریل نے اطلاع دے دی اور یہ آیت[3] اُتری "فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ الآیۃ" پس حضور نے اپنے صحابہ کو منافقوں کے اس کرتوت سے اطلاع دی اور آیت پڑھ کر سنائی اسی طرح منافقین کا بسا اوقات رسول خدا اور مومنین کے بارے میں قسم قسم کی لغو و بے ہودہ باتیں کرنا اور ان کے جواب میں خدا کی جانب سے

[1] یہ آیت ص۶۹ تک گذر چکی ہے
[2] وادی عقبہ کا قصہ ص۹۱ پر گذر چکا ہے
[3] ص۱۰۱

سرزنش کے مضمون پر مشتمل اکثر و بیشتر آیات کا ذکر ہو چکا ہے صحابہ کرام میں سے بعض نیک دل اور خالص مومن افراد بھی ایسے تھے جو ابتداءً بعض وجوہ کی بناء پر حضور کے ہمرکاب نہ ہو سکے تھے اور بعد میں پیچھے سے جا ملے تھے۔

ایک ابوخیثمہ جو نہایت بہادر قوی ہیکل اور وجیہ نوجوان تھا اس کے پاس عالی شان محل اور دو نوجوان خوبصورت عورتیں تھیں جن سے لطف اندوز ہونے اور دادِ عیش دینے کے خیالِ خام نے اسے سعادتِ سفر سے محروم کر رکھا تھا ایک دن اسی پرشکوہ محل میں اپنی ہر دو حسیناؤں کے ساتھ محوِ لذّت و سرور تھا کہ یکایک طبیعت میں انقلاب آیا محبوبِ پروردگار کا تپتی دھوپ میں اپنے جسم نازنین کو مصائب و آلام اور صعوبت سفر سے ہمکنار کرنا خیال نشین ہوا۔ فوراً دل میں سوچا کہ واہ تو نعمت و عیش کوشی میں منہمک اور خدا کا حبیب اپنے خالق کی رضا کی خاطر باوجود شدت گرما کے مصروف جہاد: یہ بات ہرگز مناسب نہیں ہے بس اس خیال نے لذّت و عیش کے تمام صنم بیک جنبش توڑ کر رکھ دیئے ایمان نے یاوری کی۔ اور محبّت رسُول نے بڑھ کر استقبال کیا بس اٹھا، آلات حرب و ضرب سے لیس ہوا۔ اپنی دونو محبُوب نوجوان بیویوں سے وداع کیا اور مختصر سا زادراہ لے کر محل کا دروازہ کھولا اور برق رفتار شتر پر سوار ہو کر انجام سے بے نیاز ہو کر اور دنیاوی لذّت و عیش بلکہ ہر محبّت سے الگ تھلگ محبّت خدا و رسُول کے جذبہ میں سرشار ہو کر عازمِ سفر ہوا۔ ادھر گردِ راہ دیکھ کر صحابہ عرض گذار ہوئے کہ حضور! کوئی آتا دکھائی دے رہا ہے آپ نے فرمایا یہ ابوخیثمہ ہے بڑھ کر اس کا استقبال کرو چنانچہ وہ جونہی بارگاہِ نبوی میں مشرف ہوا تو حضور نے اس کے حق میں دُعائے خیر فرمائی۔

حضرت ابوذر رضؓ کا واقعہ

دوسرے حضرت ابوذر غفاری تھے جو تین دن کی تاخیر سے کاروانِ رسالت سے جا ملے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی سواری کا اُونٹ بیمار تھا اور طے مسافت سے قاصر تھا۔ پس انہوں نے اونٹ کو آزاد کر دیا اور رختِ سفر کندھے پر اٹھا کر گردِ راہِ فوج اسلام کے تابع ہو لیا تیسرے دن مسلمانوں نے ظہر کے وقت ادھر سے آتے ہوئے ایک پیادہ کی خبر حضرت رسالتمآبؐ کے گوش گذار کی تو آپ نے فرمایا وہ ابوذر ہو گا۔ پس اس کی پیش قدمی میں جلدی کیجئے کہ وہ پیاسا بھی ہے چنانچہ جب ابوذر حاضر ہوا تو اس کے پاس پُر از آب مشک دیکھ کر فرمایا اے ابوذر پانی کے باوجود پیاسا کیوں چلا آیا؟ عرض کی حضور! اثنائے راہ میں ایک چشمہ کے قریب سے گذرا جس کا پانی نہایت صاف و شفاف و شیریں تھا۔ پس دل میں خیال کیا کہ پہلے حبیب کبریا اس پانی کو پئیں گے پھر میں پیوں گا۔ چنانچہ مشک کو اسی پانی سے بھر کر آپ کی خاطر لایا ہوں آپ نے ابوذر کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا۔ تیرے اوپر خدا کی رحمت ہو: اے ابوذر! تیری زندگی تنہائی کی ہوگی اور تیری موت بھی تنہائی کی ہوگی اور تو اسی حالت میں مبعوث ہوگا اور داخل بہشت ہوگا جب تو حالت غربت و تنہائی میں مرے گا تو عراق سے کچھ لوگ آئیں گے اور تیری تجہیز و تکفین و دفن کا انتظام کریں گے

حضرت ابوذر جناب رسالتمآب کے ان صحابہ میں سے تھے جو زہد و تقویٰ اور ایمان کی منازل رفیعہ پر فائز تھے۔ قبل از اسلام بھی لوٹ گھسوٹ اور مار دھاڑ کی وارداتوں سے الگ تھلگ اپنی دنبیوں سے گذر اوقات کرتے تھے اور

جناب رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد ان پر ظاہری اقتدار کی جانب سے مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے لیکن اس حق گو مرد مجاہد کا مضبوط قدم جادۂ حق سے سر مو نہ ہٹایا جا سکا ان کو شام بھیجا گیا تو خوشامدیوں کے زمرہ میں شریک ہونے کی بجائے صاف گوئی کو انہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا پھر واپس مدینہ میں آئے تو کلمۂ حق کہنے میں کبھی کرسی اقتدار سے مرعوب نہ ہوئے بالآخر انہیں ربذہ کی طرف جلا وطن کیا گیا آخری عمر میں ان کے پاس صرف اپنی ایک لڑکی تھی جو صحرائے ربذہ میں نہایت پریشانی سے رہ کر اپنے باپ کی خدمت بجالاتی تھی۔

توکل کا یہ عالم تھا کہ جب آخری وقت بیمار ہوئے تو ربذہ میں رہنے والے چند آدمی حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ آپ کو کسی شے کی شکایت تو نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے اپنے گناہوں سے شکایت ہے، انہوں نے پوچھا اب کسی شے کی خواہش ہے؟ تو فرمایا ہاں رحمتِ پروردگار کی۔ انہوں نے پوچھا طبیب کی ضرورت ہے؟ تو آپ نے فرمایا طبیب نے ہی تو مجھے بیمار کر رکھا ہے۔

بہرکیف لڑکی نے جب باپ کو بستر بیماری پر دیکھا تو اپنا سر اور منہ پیٹ لیا اور عرض کی اے پدر بزرگوار! اگر اس حالتِ غربت میں آپ پر موت آ جائے تو میں کیا کروں گی۔ ابوذر نے لڑکی کی یہ پریشانی دیکھ کر نہایت اطمینان و سکون سے اس کی دلداری کی اور فرمایا کہ مجھے اپنے آقا حضرت رسالتمآبؐ نے عالم غربت میں مرنے کی خبر دی تھی اور فرمایا تھا کہ عراق کا ایک قافلہ تجھے دفن کریگا پس جب میرا وقت موت قریب ہو تو مجھے قبلہ رخ لٹا کر میرے اوپر عبا ڈال دینا اور راستہ پر بیٹھ جانا جب قافلہ گذرے تو کہنا کہ اس لق و دق صحرا میں میرا باپ حضرت ابوذرؓ مر گیا ہے چنانچہ جب حضرت ابوذر کی روح قفس عنصری سے نکل کر جنت آشیاں ہوئی تو اس کی لڑکی باپ کی وصیت کے مطابق میت پر عبا پھیلا کر راستہ پر قافلہ کی انتظار میں جا بیٹھی جب قافلہ کا گذر ہوا تو لڑکی آگے جا کر کھڑی ہو گئی اس قافلہ میں مالک اشتر موجود تھے۔ جونہی اس لڑکی پر ان کی نظر پڑی تو پوچھا تو کس کی لڑکی ہے اور یہاں کیوں کھڑی ہے؟ اس نے جواب دیا میں حضرت ابوذر غفاری کی لڑکی ہوں میرے باپ کا اس عالم غربت میں انتقال ہو چکا ہے اس کی تجہیز و جنازہ کے لیے انتظار کر رہی ہوں۔ پس مالک اشتر سواری سے پیدل ہوئے اور اس کے ساتھ دیگر صحابہ رسولؐ بھی اترے اور غسل و کفن کا انتظام کیا پھر جنازہ پڑھ کر نہایت عزت و احترام سے ان کو دفن کیا۔

بہرکیف جنگ تبوک کے لیے غلاموں کے علاوہ پچیس ہزار مجاہدین کی جمعیت ہو گئی تھی جب مسلمانوں کا یہ لشکر حدودِ شام میں داخل ہوا تو ادھر شام کے تمام امراء و سلاطین جن میں مملکت منقسم تھی جمع ہو کر مسلمانوں کے پاس پہنچے۔ اور حضورؐ کے قدموں پر گر گئے۔ بعض مسلمان ہو گئے اور بعض نے جزیہ قبول کر لیا پس اسلام کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا اور سلاطین دہر کے دلوں پر رعب قائم ہو گیا جب بادشاہِ روم ہرقل کو اطلاع پہنچی کہ ملک شام کے جملہ حکام پیغمبر اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال کر اسلام یا جزیہ قبول کر چکے ہیں تو اس نے اپنی جانب سے نمائندے بھیجے جو پیغمبر اسلام کے کردار و سیرت

اور دستورِ تعلیم کے متعلق معلومات فراہم کرکے اطلاع دیں چنانچہ وہ مقام تبوک میں پہنچ کر مشرف بہ زیارت ہوئے۔ اور آپ کا صدقہ کو رد کرنا اور ہدیہ کا قبول کرنا اور دیگر آپ کے خصائل حمیدہ کی اطلاع بادشاہ کو بھیجی۔ بادشاہ نے سن کر دل سے اسلام قبول کر لیا اور اعیان مملکت و ارکان سلطنت کے علاوہ ملک کے عوام و خواص کو دعوت نبوی سے خبردار کیا۔ اور اسلام کے حلقہ بگوش ہونے کی پیش کش کی۔ لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو زوالِ سلطنت کے خطرہ سے چارو ناچار بادشاہ کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

حضور اکرمؐ نے تبوک میں دو ماہ قیام کرنے کے بعد مراجعت فرمائی اور واپسی پر راستہ میں منافقین کی ناپاک کوششوں کا انکشاف ہوا جس کا مختصر تذکرہ ہو چکا ہے۔ وادی عقبہ میں حضور کے قتل کی ناپاک سازش کا تذکرہ ص۹۱ پر ملاحظہ ہو۔

مومنین مخلصین کی ایک جماعت جو بعض مجبوریوں کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں حضور کے ہمرکاب نہ جا سکی تھی اور تیاری کرتے ہوئے آج اور کل کے تردد میں انہوں نے وقت گذار دیا تھا چنانچہ ان میں سے کعب بن مالک شاعر، مرارہ بن ربیع اور بلال مرافقی بھی تھے اور یہ کہتے تھے کہ حضور کی روانگی کے بعد ہم کہتے تھے آج جائیں گے، کل جائیں گے اور اسی آج اور کل میں وقت ہاتھ سے نکل گیا اور دوسرے بھی کئی لوگوں نے اسی قسم کی سستائی سے وقت ضائع کیا۔

جب حضور اکرمؐ واپس پہنچے تو ہم خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کی نیز تہنیت پیش کی کہ آپ بحمد اللہ بخیر و عافیت واپس پہنچے ہیں تو آپ نے منہ پھیر لیا اور جواب سلام تک نہ دیا اور تمام مسلمانوں نے ہم سے یہی سلوک کیا۔ حتیٰ کہ مسجد میں ہم پہنچے تو ہم سے کسی نے بات تک کرنا بھی گوارا نہ کیا جب ان کی عورتوں نے یہ خبر سنی تو وہ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ اگر ہمارے شوہر عذابِ خداوندی کے مستحق قرار پائے ہیں تو کیا ہمیں بھی ان سے قطع تعلقی کر لینی چاہیے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ان سے دور ہو جاؤ اور قطع تعلقی کر لو۔ حتیٰ کہ بچوں نے بھی ان سے بولنا چھوڑ دیا تھا

کعب کہتا ہے کہ میں نے ہلال اور مرارہ سے کہا کہ آؤ شہر سے نکل جائیں اور کہیں دامن کوہ میں پناہ لے کر دن کو روزے رکھیں اور راتوں کو عبادت پروردگار میں بسر کرکے نہایت زاری و انکساری سے توبہ کریں ممکن ہے ہماری توبہ کو خدا منظور کر لے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور تین دن متواتر شب و روز گڑگڑا کر تضرع و زاری سے توبہ کی اور اللہ سے اپنی کوتاہی کی معافی مانگی اور اس عرصہ میں یہ تینوں ایک دوسرے سے الگ الگ عالم تنہائی میں گریہ و زاری کرتے رہے چنانچہ بالآخر ان کی توبہ بارگاہ پروردگار میں قبول ہوئی اور ایک رات حضور اکرمؐ ام سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ جبریلؑ ان کی قبولیتِ توبہ کا مژدہ لائے اور اسی سورہ مجیدہ کی آیت ۱۱۸ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ ۳۴ انہی تین تائبین کے حق میں اتری ہے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ پہاڑ کے دامن میں گریہ زاری میں مشغول رہے اور پچاس دن متواتر اسی حال میں لگاتار روتے رہے پس خداوند کریم نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور یہ آیت ان کے حق میں بھیجی۔

الۡاَعۡرَابُ خداوند کریم ایک دستور عمومی کی طرف اشارہ فرما رہا ہے کہ شہری اور دیہاتی زندگیوں میں یہ معتد بہ فرق ہوا کرتا ہے کہ دیہاتی لوگ تہذیب و تمدّن کے مخصوص پہلوؤں سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے اور اسباب علم سے دُور رہنے کی وجہ سے اپنے نظریہ پر زیادہ مضبوط ہوا کرتے ہیں اور وہ جلدی سے کسی دُوسرے کی بات کو قبول نہیں کرتے اور ان کو ان کے قدیم نظریہ کے خلاف کسی جدید نظریہ کا قائل کرنا نہایت مشکل ہوا کرتا ہے اسی بنا پر اگر وہ کافر ہوں گے تو کفر کو چھوڑنا ان کے لیے مشکل ہوگا اور اگر وہ مومن ہوں گے تو ایمان کے تقاضوں سے حتی الامکان عہدہ برآ ہونے کی کوشش کریں گے بخلاف شہری طبقہ کے کہ ان کے مزاج میں پختگی اور دوام ایک حد تک سلب ہو جاتا ہے اور ہر نئے تہذیب و تمدّن اور ہر جدید طرز عمل کو بہت جلد اپنا لیا کرتے ہیں چنانچہ یہ بات سمجھنے میں نہایت آسان ہے اور دور حاضر کی شہری اور دیہاتی زندگیوں میں اسلامی اُصول کی پذیرائی میں نمایاں فرق اس امر کا شاہد ہے پس اس جگہ خدا بھی اسی نظریہ کو دہرا رہا ہے کہ بدوی لوگ کفر و نفاق میں سخت تر ہیں اور حدودِ خداوندی کو نہ جاننے میں وہ پیش پیش ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ مدینہ کے آس پاس کے بدؤں میں خصوصی ہٹ دھرمی موجود ہو بہرکیف اسلام کو جن بدؤں نے صرف ڈر اور خوف سے یا دیکھا دیکھی سے قبول کیا تھا وہ ظاہراً مسلمان تھے لیکن اندر اندر سے پکے کافر تھے وہ راہِ خدا میں خرچ کرنا تاوان سمجھتے تھے اور مسلمانوں پر دور حوادث اور

الۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ
بدوی لوگ زیادہ سخت ہیں کفر و نفاق میں اور لائق ہیں کہ نہ جانیں وہ حدود جو
اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ
نازل کیں اللہ نے اپنے رسول پر اور اللہ جاننے والا دانا ہے اور بدؤں میں سے ایسے
مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيۡهِمۡ
بھی ہیں جو سمجھتے ہیں اپنے خرچ کو تاوان اور انتظار کرتے ہیں تمہارے لیے مصائب کی
دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ
ان پر بدترین مصیبت ہے گی اور اللہ سننے جاننے والا ہے اور بدؤں میں سے ایسے بھی ہیں
يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ
جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت پر اور سمجھتے ہیں وہ جو خرچ کرتے ہیں باعث قربت اللہ
وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ سَيُدۡخِلُهُمُ
کے نزدیک اور باعث خوشنودی رسول آگاہ ہو تحقیق یہ چیز باعث قرب ہے ان کے لیے
اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۹۹﴾
داخل کریگا اللہ ان کو اپنی رحمت میں تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

مصائب کے منتظر رہتے تھے ان کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ خود ہی مصائب وحوادث کا شکار ہوں گے۔ لیکن ان میں سے ایسے بدوی لوگ بھی موجود ہیں جو اسلام کو دل وجان سے قبول کر چکے ہیں وہ خوشنودی خدا اور پیغمبر کی دعا کی خاطر خرچ کرتے ہیں۔

رکوع نمبر ۲۔ وَالسَّابِقُوْنَ خداوند کریم آیت کریمہ میں ایمان کی طرف سبقت کرنے والوں کی مدح فرما رہا ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ جس طرح کسی برائی کی طرف پہلا قدم اٹھانے والا اپنے جرم کے علاوہ تمام ان لوگوں کے گناہوں کا بھی ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے جو اس کے پیچھے چل کر اس برائی کا ارتکاب کریں چنانچہ حدیث میں یہ مضمون بکثرت وارد ہے کہ مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ لَهُ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا کہ جو کسی برائی کی رسم قائم کرے تو اس کی گردن پر تمام ان لوگوں کے گناہوں کے برابر بوجھ ہوگا جو اس بری رسم پر عامل ہوں گے۔ اسی طرح کسی نیکی کی طرف پہل کرنے والا اپنے ذاتی عمل کے ثواب کے علاوہ ان لوگوں کے کار خیر میں بھی حصہ دار ہوگا جنہوں نے اس کے نقش قدم پر چل کر وہ نیکی کی چنانچہ حدیث میں یہ مضمون بھی بکثرت موجود ہے کہ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً كَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔ یعنی جو شخص کسی نیکی کی سنت قائم کرے تو اس کے لیے ان تمام لوگوں کے برابر ثواب ہوگا جنہوں نے اس پر عمل کیا ہوگا آیت مجیدہ میں اسلام کی طرف سبقت کرنیوالوں اور ان کے نقش قدم پر چل کر اسلام کے حلقہ بگوش ہونے والوں کا ذکر خیر ہے اور یہ آیت ان کے لیے رضائے پروردگار کا پروانہ بھی ہے اور وعدہ جنت اور اس میں ہمیشہ بسنے کی رسید بھی۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ

اور پہلے سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ لوگ جو

اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ

ان کے پیچھے چلے خوبی سے راضی ہوا خدا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کیں ان کیلیے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

بہشتیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں یہ بڑی کامیابی ہے۔

لیکن فکر و تدبر کے بعد اس مقام پر جو سوالات ذہن میں آتے ہیں ان کا تجزیہ اور تحقیق کسی حد تک ضروری ہے تاکہ مقصد صحیح طور پر ذہن نشین ہو سکے۔

(۱) اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے مصداق کون لوگ ہیں؟ (۲) تمام مسلمانوں میں سے سابق الایمان کون شخص ہے؟
(۳) آیا کسی کا صرف سابق الایمان ہونا رضائے پروردگار کے لیے کافی ہے یا اس پر ثابت قدم رہنا بھی ضروری ہے؟
(۴) اسی طرح نیک نیتی سے ایمان لانا کافی ہے یا اس پر تا زیست برقرار رہنا بھی ضروری ہے؟ (۵) رضائے پروردگار کے حاصل کرنے کے لیے تو ایمان ضروری ہے لیکن آیا ایمان کے تقاضوں کو بھلا دینے کے بعد رضائے پروردگار کا وعدہ

ختم ہو جائے گا۔ یا باقی رہے گا؟ (۶) اسی طرح جنّت کی پیش کش اور اس میں ہمیشگی کا عہد ایمان کی بقا کے ساتھ وابستہ ہے یا ایمان کے رخصت ہونے کے بعد بھی وہ عہد باقی رہے گا؟

سابقون سے کون لوگ مُراد ہیں

آیت مجیدہ میں بظاہر سابقون کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے (۱) مہاجرین (۲) انصار (۳) تابعین۔ اور یہ ترتیب بھی بظاہر مراتب کے اعتبار سے ہے گویا سابقون میں سے سب سے افضل وہ ہیں جو مہاجرین بھی ہوں اور دُوسرا درجہ انصار سابقین کا ہے اور تیسرا درجہ تابعین کا ہے اور تابعین سے مُراد یہاں وہ لوگ ہیں جو سابق مہاجرین و انصار کے بعد اسلام کے حلقہ بگوش زمانِ حیاتِ پیغمبر میں ہو گئے گویا یہ تینوں قسمیں صحابہ میں سے ہی ہیں۔ پس صحابہ کے دور کے بعد والے دَور کو تابعین سے تعبیر کرنا اصطلاح جدید ہے۔

یہ قابلِ ذکر امر ہے کہ ہجرت اور نصرت سابقون کے مفہوم میں داخل نہیں ہے جیسا کہ من بیانیہ کے معنی سے صاف ظاہر ہے۔ پس یہ معنی درست نہ ہوگا کہ کہا جائے وہ لوگ جو ہجرت میں سابق ہیں یا وہ لوگ جو نصرت میں سابق ہیں۔ اور اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔

(۱) اگر ہجرت یا نصرت میں سبقت مراد ہو تو مہاجرین سابقین کی انصار سابقین پر کوئی فوقیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہجرت بغیر نصرت کے بے معنی ہے اور چونکہ ظاہری ترتیب سے ترتیب مراتب و مدارج کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اکثر مفسّرین نے اس امر کا اعتراف کیا ہے لہذا ماننا پڑتا ہے کہ سبقت کا معیار کوئی دُوسری چیز ہے اور وہ ہے ایمان۔ اور یہ مومنین کے مدارج کی طرف اشارہ ہے کہ مومنین جو سابقون واوّلون ہیں ان میں سے مہاجر انصار سے افضل ہیں اور انصار بعد والوں سے افضل ہیں

(۲) مقصد یہ ہے کہ ایمان ہی ان کی ہجرت کا داعی ہوا ہے اور ایمان ہی کی بدولت انہوں نے نصرت پیغمبر کی طرف اقدام کیا ہے ان صفتوں میں بنیادی اور مرکزی حیثیت ایمان کو حاصل ہے پس اس کے بعد ہجرت کرنا یعنی اپنی جائداد املاک گھر وطن بلکہ بعض اوقات اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو چھوڑنا نہایت کٹھن مرحلہ ہے لہذا جن لوگوں نے ایمان کی خاطر ان تمام چیزوں کو نظر انداز کر کے ہجرت قبول کی ان کا درجہ صرف نصرت کرنے والوں سے بلند تر ہے کیونکہ مہاجرین کی ہجرت خود اپنے مقام پر ایک نصرت ہے اور علاوہ ازیں انصار کے دوش بدوش بھی نصرت میں ان کا حصّہ ہے۔ پس ان کی نصرت انصار کی نصرت سے دوگنی ہے اور ترک وطن اور عزیزوں اور قریبیوں کا فراق نیز جائدادوں اور املاک سے دستبرداری ان کی ایسی قربانی ہے کہ اس میں ان کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے

(۳) اگر ہجرت و نصرت میں سبقت مُراد لی جائے تو وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ کا معنی درست نہیں بن سکتا۔ کیوں کہ اس سے قبل صحابہ کے دو گروہوں کا بیان ہے ایک سابق فی الہجرت اور دوسرے سابق فی النصرۃ اب تیسرا گروہ وہ ہوگا جو پہلے دونوں گروہوں کے نقش قدم پر چلے یعنی مہاجر بھی ہو اور ناصر پیغمبر بھی لہٰذا مدینہ میں پہنچ جانے کے بعد جن مدنی لوگوں نے اسلام کو قبول کیا وہ صرف انصار اولین کے تابع ہوئے۔ مہاجرین اولین کے تابع نہ ہوئے اسی طرح فتح مکہ کے بعد جن کی

لوگوں نے اسلام قبول کیا اور ہجرت نہ کی وہ بھی انصار سابقین کے تابع ہوئے مہاجرین سابقین کے تابع نہ ہوسکے پس تیسرے گروہ کا وجود مشکل ہو جائے گا۔ لیکن اگر سابقون میں سبقت سے مراد سبقت ایمانی ہو تو بلا تردد تیسرے گروہ کا معنی سمجھ آسکتا ہے۔ کہ پہلا صفت ایمان میں سابق مہاجر گروہ دوسرا صفت ایمان میں سابق انصار کا گروہ اور تیسرا وہ گروہ جو مہاجرین سابقین اور انصار سابقین کے بعد اسلام و ایمان کی صفت سے متصف ہو

(۴) مہاجرین میں سے جو مومنین سابق الایمان ہیں وہ ان سے افضل ہیں جو انصار میں سے سابق الایمان ہیں اور چونکہ ان کی افضلیت ان کی قربانیوں کی عظمت کے پیش نظر ہے لہذا صلح حدیبیہ سے قبل ہجرت کرنے والے مومنین ہی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ جیسا کہ اکثر مفسرین کا نظریہ ہے کیونکہ صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کرنا اس قدر مشکل امر نہیں تھا جتنا پہلے تھا اور جو قربانی قبل از صلح حدیبیہ ہجرت کرنے والوں نے کی تھی بعد از صلح اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ پس ہجرت میں سبقت کا مفہوم اس لحاظ سے پایا جاتا ہے لیکن سابقون کے لفظ کی دلالت سے نہیں بلکہ خارجی امور اور اہم فالاہم کے اعتبار سے ہے اور اسی طرح انصار میں سے بھی جو سابق فی النصرہ ہوں گے وہ افضل ہوں گے پیچھے ملحق ہونے والوں سے کیونکہ سابق نصرت جب کہ اسلام نہایت کمزور تھا اسلام کے اطراف عالم میں پھیل جانے کے بعد کی نصرت سے کہیں زیادہ وزنی اور اہم ہے

(۵) وہ شخص جو کسی نیکی کے میدان میں پہلا قدم رکھے وہ "مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً" الخبر کے مصداق ہونے کے لحاظ سے تمام ان لوگوں سے افضل ہوگا جو بعد میں اس نیکی کی طرف اقدام کریں۔ پس جو شخص سابق الایمان ہونے کے ساتھ ساتھ سابق الہجرۃ بھی ہو وہ باقی تمام سابق افراد سے افضل ہوگا خواہ وہ صرف سابق الایمان ہوں اور سابق الہجرت نہ ہوں یا سابق الہجرۃ ہوں لیکن سابق الایمان نہ ہوں۔ کیونکہ سابق الایمان اور سابق الہجرۃ کی دونو وصفوں میں باہمی تلازم نہیں ہے پس پہلے ہجرت کرنے والا گروہ بعد میں ہجرت کرنے والوں سے افضل ہوگا اسی طرح پہلا نصرت کرنے والا بعد میں نصرت کرنے والوں سے افضل ہوگا۔

مزید وضاحت

یہ واضح ہے کہ جمع کا صیغہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سابقین سے مہاجرین کی ایک جماعت مراد ہے اور انصار کی بھی ایک جماعت مراد ہے چنانچہ مہاجرین سابقین سے بعض مفسرین نے وہ صحابہ مراد لیے ہیں جنھوں نے دونو قبلوں کی طرف نمازیں ادا کیں اور بعض نے صلح حدیبیہ سے پہلے کے مہاجرین بتائے ہیں۔ اور انصار سابقین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے بعثت نبوی کے گیارھویں سال منیٰ میں جا کر آپؐ کی بیعت کی تھی اور ان کی تعداد سات تھی اور پھر دوسری مرتبہ مقام عقبہ پر بیعت کی جن کی تعداد ستر مرد اور دو عورتیں تھیں

مہاجرین انصار سے اس لیے افضل ہیں کہ ان میں دو صفتیں ہیں ایک ہجرت اور دوسری نصرت۔ کیونکہ جہاں ان کا ہجرت کرنا بھی نصرت اسلام کا موجب تھا وہاں اس نصرت کے علاوہ ظاہری جنگوں میں بھی دوسرے انصار کے دوش بدوش تھے۔ پھر مہاجرین کے دو حصے ہوگئے ایک سابق اور دوسرے تابع اور ان میں سے سابق افضل ہیں۔ کیونکہ

یہ لوگ بعد والوں کے لیے تحریک کے باعث ہوتے ہیں اور پھر مہاجرین سابقین میں سے وہ افضل ہیں جو سابق الایمان ہیں۔ کیونکہ تمام فضائل میں سے بنیادی حیثیت ایمان ہی کو حاصل ہے اور اس کے بغیر کوئی دوسری صفت فضیلت نہیں بن سکتی۔ لہٰذا جو ایمان میں سابق ہوگا وہ تمام مومنین سے افضل ہوگا خواہ مہاجرین ہوں خواہ انصار ہوں اور اگر سابق الایمان شخص ہجرت اور نصرت میں بھی سابق ہو تو اس کی فضیلت کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

فخر الدین رازی کی منطق

تفسیر کبیر ج ۴ صفحہ ۹۱؟ پر کہتا ہے کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سابقون سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہجرت اور نصرت میں سابق ہوں اور اس کی دو وجہیں ہیں (۱) چونکہ خدا نے سابقون فرمایا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ کس میں سابق ہوں تو لفظ مجمل ہو گئے لیکن بعد میں جب مہاجرین و انصار سے ان کا ہونا ذکر کیا تو یہ دونوں لفظیں اس سابق اجمال کے دور کرنے کا قرینہ بن گئیں لہٰذا ضروری ہوا کہ سابقون سے مراد وہ لوگ ہوں جو ہجرت یا نصرت میں سابق ہوں تاکہ اجمال دور ہو جائے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ہجرت ایک زبردست قربانی ہے جو رسول کے دل کی تقویت کا باعث ہے اور اسی طرح نصرت بھی ایک بڑا اہم کام ہے لہٰذا سابقون کے مفہوم میں ہجرت اور نصرت کو ہی دخل ہونا چاہیے

اَقُوْلُ ہم متعدد دلیلوں سے اس مطلب کو باطل کر چکے ہیں اور یہ ثابت کر چکے ہیں کہ سابقون سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان میں سبقت رکھتے ہوں فخر الدین نے اپنی منطقی استعداد سے جو سابقون کا اجمال دور کیا وہ صرف اس لیے کہ وہ اس کھوکھلی بنیاد پر اپنے زعم میں ایک نہایت عالی شان محل تعمیر کرنا چاہتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ "جب ثابت ہو گیا کہ سابقون سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہجرت میں سابق ہوں تو ماننا پڑے گا کہ حضرت ابوبکر ہجرت کرنے میں تمام سے سابق تھے۔ کیونکہ وہ حضور کے ہمرکاب اور ساتھی تھے اور حضرت علی اگرچہ مہاجرین اولین میں سے تھے لیکن ان کی ہجرت حضور کی ہجرت کے بعد ہے اور اس میں شک نہیں کہ حضرت علی بھی حضرت رسالت مآب کے اہم امور کی انجام دہی کی خاطر مکہ میں رہ گئے تھے تاہم ہجرت میں حضرت ابوبکر کو ہی سبقت حاصل ہوئی۔ پس اس فضیلت میں حضرت ابوبکر کا حصہ سب سے زیادہ ہوا"

اور ملا محمد عبدہ صاحب تفسیر منار نے اگرچہ اس بات پر تقریباً اتفاق ظاہر کیا ہے کہ سبقت سے مراد سبقت ایمانی ہے لیکن انہوں نے ایک نیا راستہ اپنی مطلب براری کے لیے نکال لیا ہے چنانچہ کہتے ہیں وَمَا كُلُّ سَابِقٍ اَفْضَلَ مِنْ كُلِّ مَسْبُوْقٍ یعنی ضروری نہیں کہ ہر سابق مسبوق سے افضل ہو۔ وَمِنَ السَّابِقِيْنَ بِالْاِيْمَانِ مَنْ سَبَقَهٗ غَيْرُهٗ بِالْهِجْرَةِ کیونکہ سابق الایمان لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ ہجرت میں دوسرے لوگ اس سے سبقت لے گئے اور یہ سب کچھ حضرت علی کے سابق الایمان ہونے کی فضیلت کو چھپانے کی سعی بے سود ہے بہر کیف ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ایمان کے بغیر کسی صفت کو کوئی درجہ

فضیلت حاصل نہیں ہے اور صفت ایمان ہی مدار و محور ہے تمام باقی صفات کے لیے پس سبقت ایمان ہی علی الاطلاق افضل ہونے کا معیار بن سکتی ہے اور حضرت علی علیہ السلام کا سابق الایمان ہونا چونکہ فریقین میں مسلّم ہے لہٰذا تمام اُمت سے ان کا افضل ہونا آیت مجیدہ کی رو سے ثابت ہو گیا۔

ہجرت کا حُسن

یہ جاننا ضروری ہے کہ ہجرت کا حسن ذاتی نہیں یعنی ضروری نہیں کہ جب بھی ہجرت پائی جائے وہ اچھی بھی ہو بلکہ ہجرت کا حسن یا قبح غرض و غایت یا نتیجہ کی اچھائی یا بُرائی کے تابع ہو گا اگر اچھائی کے لیے ہجرت ہو گی تو ہجرت اچھی ہو گی ورنہ نہیں آیت مجیدہ میں مہاجرین کو جو مدحیہ رنگ میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ صرف ہجرت کے حسن کی بنا پر نہیں بلکہ اس لیے یہ ہجرت رسول کے مشن (یعنی اسلام کی بقاء و ارتقاء) کے لیے از حد ضروری تھی اس میں رسالت مآبؐ کی حفاظت اور تقویت کا راز مضمر تھا گویا یہ ہجرت رسول اور اسلام کی بہت بڑی نصرت تھی اور اس نصرت کا درجہ دوسری ظاہری نصرت سے کہیں زیادہ تھا پس مہاجرین کو انصار پر فوقیت اسی بناء پر دی گئی تو معلوم ہوا کہ معیارِ فضیلت ہے نصرتِ رسول اور تقویت اسلام۔ ہجرت سے قبل یہ ذمہ داری حضرت ابو طالبؑ اور حضرت خدیجہ نے اپنے ذمہ لی ہوئی تھی کہ اگر حضرت ابو طالب کی نصرت و تائید شامل حال نہ ہوتی تو مکہ میں اسلام کی توسیع و اشاعت کا سلسلہ ہی قائم نہ ہوتا پس حضور کو کھل کر سر میدان حقانیتِ اسلام پر تقریر کرنے کی جُرأت حضرت ابو طالب کی سرپرستی سے حاصل تھی اور لوگوں کو ذہنی طور پر اسلام کی تعلیمات سے متاثر کرنا شرک و بت پرستی کے عیوب کی وضاحت اور اسلام کے نظام کی ہر دلعزیزی اور لوگوں کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ وغیرہ حضور اکرمؐ کے بیانات کے مرہونِ منت تھا جس کو آپ نے خوب نبھایا اور تھوڑے عرصہ میں لوگوں کے دلوں کو جیت لیا پھر اسلام کے حلقہ بگوش ہونے میں جو مالی نقصانات کا اندیشہ تھا اور قریش سے قطع تعلقی کے بعد اقتصادیات کی کمزوری کا جو خطرہ تھا۔ اس کو حضرت خدیجہ کی مالی قربانی و ایثار نے بہت حد تک رفع کر دیا پس حضور نے نہایت اطمینان و سکون سے تبلیغ اسلام کا سلسلہ بلا دریغ شروع کر دیا کیونکہ مزاحمت کرنے والوں کے آگے حضرت ابو طالب کا رعب و اقتدار حائل تھا اور مالی کمزوری کا شکوہ کرنے والوں کے لیے خدیجہ کا دسترخوان بچھا تھا اور وہی لوگ جو ایمان و اسلام کے حلقہ بگوش ہونے میں حضرت ابو طالب و جناب خدیجہ کے ممنون احسان تھے ان ہر دو محسن اسلام شخصیتوں کی وفات کے بعد ہجرت مکہ پر مجبور کر دیے گئے اور تمام تاریخیں شاہد ہیں کہ ابو طالب کی وفات کے بعد خداوند کریم کی جانب سے ہجرت کا حکم ہوا کیونکہ اب مکہ میں ان کا کوئی سہارا باقی نہ رہا تھا پس حضرت رسالتمآبؐ حضرت ابو طالب کی نصرت اور حضرت خدیجہ کی تائید کے ختم ہو جانے کے بعد نصرت و تائید کے طالب تھے اور ہجرت کے بعد کی تاریخ اسلام شاہد ہے کہ حضرت علی نے جس طرح حضور کی نصرت و تائید کی کوئی دوسرا اس کے عُشرِ عشیر تک بھی نہ پہنچ سکا اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ صحابہ کی ہجرت و نصرت حضرت ابو طالب اور خدیجہ کی نصرت کے قائم مقام ہے لہٰذا جن مہاجرین و انصار کے تفاوت درجات

کہ آیت مجیدہ میں ذکر ہے وہ وہی ہیں جو ان دونوں کے علاوہ ناصرین پیغمبر کے زمرہ میں داخل ہوئے۔

جب ہجرت کا حکم ہوا تو قابل غور امر یہ ہے کہ اس وقت جب کہ کفار قتل رسول کے درپے تھے۔ تو سب سے اہم معاملہ رسول کی حفاظت کا تھا اب ایک طرف ہے رسول کے بستر پر آرام کرنا تاکہ کفار یہ سمجھتے رہیں کہ حضور محو خواب ہیں۔ لہذا تعاقب نہ کرسکیں اور دوسری طرف ہے رسول کی معیت میں سفر کرنا تاکہ آپ تنہا نہ رہیں۔ ہر صاحب عقل و دانش جان سکتا ہے کہ موقع و محل کی نزاکت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی حفاظت کی خاطر ان کے بستر کو خالی نہ چھوڑا جائے تاکہ حضورؐ مقام محفوظ تک پہنچ جائیں اور ان کی جان پر کوئی آنچ نہ آئے ورنہ اگر بستر خالی ہوتا تو کفار فوراً تعاقب کرکے غار ثور تک پہنچنے سے قبل ہی آپ کا کام تمام کر دیتے اور اسلام کا جگمگاتا ہوا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جاتا اور وہاں ایک یا دو ساتھی کفار کے حملہ کو ہرگز نہ روک سکتے پس حفاظت کے لیے سب سے بڑی قربانی بستر رسول پر سونا تھا۔ جس میں جان جانے کا خطرہ بھی تھا۔ بخلاف اس کے ساتھ جانے میں ایک طرف اگر ہجرت ظاہری سے تقویّت رسول مقصود ہو بھی تاہم اس میں ایک غرض ذاتی بھی ہے اور وہ ہے حفاظتِ جانِ خود۔ پس حضرت علی نے اپنی جان کی قربانی دے کر جانِ رسول کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا اور حضرت ابوبکر نے اپنی جان کو بچا کر رسول کا ساتھ اختیار کیا تو چونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ہجرت میں ذاتی حسن نہیں ہے بلکہ ہجرت کا حسن غرض و غایت اور مقصد کے حسن کے تابع ہے اور فعل کی بلندی اور اہمیت مقصد کی بلندی اور اہمیت کے تابع ہوتی ہے تو اب صاحبانِ عقلِ سلیم کے لیے فیصلہ نہایت آسان ہے کہ ابوبکر کی ہجرت کا مقصد رسول کی صحبت ہو سکتا تھا اور ساتھ ساتھ اپنی جان کی حفاظت بھی اس کا لازمہ تھی اور حضرت علی کے بستر رسول پر سونے کا مقصد ایک اور صرف ایک تھا یعنی حفاظت پیغمبر خواہ اس مقصد کے حصول کے لیے اپنی جان بھی چلی جائے۔ چنانچہ نتیجہ یہی ہوا کہ کفار حضرت علی کو سوتا دیکھ کر اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ حضورؐ بنفسِ نفیس سوئے ہوئے ہیں لہذا تعاقب نہ کر سکے اور اتنے میں حضور مقام محفوظ تک پہنچ گئے تو معلوم ہوا کہ نصرتِ پیغمبر میں اہم کردار وہی تھا جو علیؑ نے ادا کیا۔ پس ان کی بستر رسول پر شب خوابی ابوبکر کی معیت رسول میں شب بیداری اور ہجرت سے افضل تھی۔ لہذا رازی کا یہ کہنا کہ ہجرت میں سبقت صرف حضرت ابوبکر کو ہی حاصل ہے درست ہے لیکن اس میں فضیلت کا کوئی خام سے خام پہلو بھی نظر نہیں آتا جس پر فخر کیا جا سکے اور یہ کہنا کہ ان کی ہجرت تقویّت رسول کی موجب تھی۔ صرف کوتاہ نظری اور خوش فہمی ہی خوش فہمی ہے ورنہ اگر یہ صحبت رسول کی تقویت یا تسکین کی موجب ہوتی تو جناب رسالت مآب لَا تَحْزَنْ نہ فرماتے جو شخص خود غم و حزن کا اس قدر شکار ہو کہ خدا و رسول کو بار بار چپ کرانے کی ضرورت محسوس ہو۔ وہ کسی دوسرے کے لیے اطمینان و سکون کیسے اور کہاں سے میسر کریگا؟ اور اس کی تفصیل اسی جلد میں گذر چکی ہے

اور ثانیاً رازی کا اپنا اعتراف ہے کہ حضرت علی جناب رسالت مآبؐ کی جانب سے بعض اہم امور کی انجام دہی کے لیے ٹھہرے تھے۔ اور اگر یہ بات ہے تو پھر بھی حضرت علیؑ کا ان امور خاصہ کی انجام دہی میں رسول کا معتمد خصوصی ہونا

maablib.org

کو ثابت کرتا ہے بلکہ رسول کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ سفر میں ساتھ تو ایک غلام کو بھی لے جایا جا سکتا ہے۔ لیکن اپنے مقام پر کسی کو اپنی مخصوص ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لیے ٹھہرانا ایسی بڑی عظمت کو ظاہر کرتا ہے جو ساتھ جانے والے میں اس کی ادنیٰ مقدار بھی مبالغہ آمیز متصور ہوتی ہے۔ پس یہ کہنا کہ علی الاطلاق ہجرت کرنے میں سبقت کرنے والے دوسروں سے افضل ہیں ایک دعویٰ بلا دلیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا البتہ عمومی طور پر یہ کہنا درست ہے کہ مہاجرین کا درجہ انصار سے بلند ہے اور اولین کا درجہ متاخرین سے بڑا ہے

علیؑ سابق الایمان ہے

اور ہمارے سابق بیان سے واضح ہو گیا ہے کہ حضرت علیؑ تمام اُمّت سے افضل ہیں کیونکہ تمام مؤرخین کا مسلّمہ امر ہے کہ حضرت علی سابق الایمان ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس کی اہمیّت کو کم کرنے کے لیے کہا جائے کہ بچوں میں سابق الایمان حضرت علیؑ تھے ورنہ اگر تعصب سے بالاتر ہو کر عینِ انصاف سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ علی سابق الایمان ہیں اور اس اعتبار سے وہ تمام ایمان والوں کے پیش رو ہیں۔ چنانچہ مسند احمد اور دیگر کتب عامہ و خاصہ میں منقول ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وارد ہے حضرت علی اس کے امیر و شریف ہیں (مسند احمد) تفسیر مجمع البیان میں تفسیر ثعلبی سے مروی ہے عفیف کندی کہتا ہے۔ میں سفر تجارت میں ایک دفعہ ایّام حج میں مکّہ پہنچا اور چونکہ حضرت عباس بن عبدالمطلب سے وہ شناسا تھا لہٰذا اس کے ہاں ٹھہرا اور یہ شخص یمن سے عطر خرید کر ایّام حج میں مکّہ میں بیچا کرتا تھا وہ کہتا ہے میں اور عباس منیٰ میں گئے تو دیکھا ایک جوان آیا اور قبلہ رو کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک لڑکا آیا اور اس کے پہلو میں کھڑا ہو گیا پھر ایک پردہ دار آئی اور پیچھے کھڑی ہو گئی پس انہوں نے نماز پڑھی۔ رکوع و سجود کیا۔ میں نے عباس سے کہا یہ تو امرِ عظیم ہے اس نے بھی کہا کہ ہاں امرِ عظیم ہے تو میں نے پُوچھا یہ کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور کہتا ہے کہ کسریٰ اور قیصر کو میں فتح کروں گا اور یہ لڑکا علی بن ابی طالب ہے اور عورت جناب خدیجہ بنت خویلد اس کی زوجہ ہے یہ دونوں اس دین پر اس کے تابع ہیں (حضرت علی کی عمر اس وقت کم و بیش دس برس تھی) خدا کی قسم روئے زمین میں اس دین پر سوائے ان تینوں کے اور کوئی نہیں ہے (عفیف کندی اسلام لانے کے بعد کہا کرتا تھا کاش اسی وقت میں بھی مسلمان ہو جاتا۔ تاکہ چوتھا شمار ہوتا)

نیز مروی ہے کہ حضرت ابوطالب نے ایک دفعہ حضرت علی سے پوچھا اے بیٹے یہ کون سا دین ہے جس کو تو نے اختیار کیا ہے تو آپ نے فرمایا اے ابا جان! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکا ہوں اور وہ جو کچھ فرمائیں میں اس کو مانتا ہوں اور اللہ کی خوشنودی کے لیے ان کی اقتدار میں نماز ادا کرتا ہوں تو ابوطالب نے کہا کہ بے شک حضرت محمدؐ نیکی کی دعوت دیتے ہیں لہٰذا ان کے طریقہ کو ہرگز نہ چھوڑو۔ ایک اور روایت میں حضرت علی علیہ السّلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا انا عبداللہ و اخو رسولہ و انا الصدّیق الاکبر لا یقولہا بعدی الا کذاب مفتر

صلّیت قبل النّاس بسبع سنین۔ ترجمہ میں عبد خدا اور اس کے رسول کا بھائی ہوں۔ اور میں ہی صدّیق اکبر ہوں میرے علاوہ یہ دعوٰے کوئی کذاب ہی کرے گا۔ میں نے تمام لوگوں سے پیشتر سات برس نماز پڑھی ہے (یعنی لوگ سات سال مجھ سے بعد ایمان لائے ہیں)

مسند سید ابو طالب ہروی سے بروایت ابوایوب منقول ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میرے اور علی کے اوپر فرشتوں نے سات سال درود بھیجا کیونکہ اس عرصہ میں میرے اور علی کے علاوہ اور کوئی نمازی نہیں تھا (مجمع البیان)

تفسیر منہج الصّادقین جلد ۲ صٓ ۲۵۶ پر ابو نخلہ سے مروی ہے کہ میں نے موسم حج میں حضرت ابوذر سے دریافت کیا کہ لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اب ہمیں کس کی پیروی کرنی چاہیے تو ابوذر نے جواب دیا کتاب خدا اور علی ان دونوں کو لازم پکڑو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا تھا۔ علی پہلا شخص ہے جس نے میری تصدیق کی اور یہ پہلا شخص ہے جو بروز قیامت میرے ساتھ مصافحہ کرے گا اور یہی صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہے کہ حق و باطل کے درمیان فرق کرے گا اور یہی دین اور مومنین کا یعسوب ہے جس طرح کہ مال ظالموں کا یعسوب ہے

رازی اپنے مقام پر سمجھتا ہے کہ علی سابق الایمان ہے اسی بنا پر تو اس نے اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ سے مراد ہجرت میں سبقت کرنے والے لیے ہیں تاکہ دستارِ فضیلت حضرت ابوبکر کے سر پر باندھی جائے۔ ورنہ اگر اَلسّٰبِقُوْنَ سے مراد ایمان میں سبقت کرنے والے لیے جائیں تو حضرت علی آگے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں جو رازی کی قوت برداشت سے باہر ہے اور دعوت عشیرہ کے موقعہ پر تمام مؤرخین کے اتفاق سے حضرت علی ہی ہیں جنہوں نے آواز پیغمبر پر صدائے لبیک بلند کی تھی۔ اور دعوت میں آپؐ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو میری تصدیق کرے گا وہ میرا خلیفہ ہوگا اور جنت میں میرا ساتھی ہوگا (مسند احمد بن حنبل) لیکن اس کی اہمیت کو کم کرنے کی خاطر رازی نے دبے لفظوں میں اقرار کر لیا لیکن فوراً اس کی تاویل کے پیچھے پڑ گیا چنانچہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ لوگوں میں حضرت ابوبکر اور حضرت علی کے سابق الایمان ہونے کے بارے میں اختلاف ہے لیکن اس قدر اتفاق ہے کہ مردوں میں سے ابوبکر عورتوں میں سے خدیجہ بچوں میں سے علی، اور غلاموں میں سے زید سابق الایمان ہیں صرف ابوبکر کو اس صف میں کھڑا کرنے کے لیے چار گروہ بنا دیے ورنہ اگر علی الاطلاق بتانا پڑتا کہ سب میں سے سابق الایمان کون ہے۔ تو سوائے علی و خدیجہ کے اور کس کا نام لیتا؟ پس چار حصّوں میں تقسیم کر کے اپنے حسد و بغض کی پیاس بجھالی اور عوام کالانعام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا کھیل بھی کھیل لیا اور اس پر بھی اکتفا نہیں کی آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے ایمان لانے کے بعد تبلیغی فریضہ انجام دیا اور بہت سوں کو اسلام سے مشرف کرنے کی سعادت حاصل کی۔ لیکن اس کے مقابلہ میں علی چونکہ بچّہ تھا لہٰذا وہ اس سعادت سے محروم تھا۔ پس ابوبکر کا سابق الایمان ہونا اسلام کے لیے مفید تھا اور علی کا سابق الایمان ہونا صرف رسمی تھا لہٰذا سابقون کا راس و رئیس صرف ابوبکر ہی ہے۔ خدا خود ہی حق پوشی کا ایسے حاسدین سے انتقام لے گا۔ اگر حضرت علی کا ایمان بچپنے کی وجہ سے رسمی تھا اور

قابل قدر نہ تھا تو دعوت عشیرہ میں علیؑ کے لبیک کہنے پر حضرت رسول کریم صلعم کو تمغہ اخوت و وصایت کیوں دیا۔ اور عہدہ خلافت کیوں کیا؟ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۶ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۸ اور کنز العمال ج ۶ ص ۳۹۲ (دلائل الصدق) بلکہ اگر بنظر انصاف و امعان غور کیا جائے۔ تو بچپنے کا ایمان بڑھاپے کے ایمان سے بدرجہا افضل و بہتر ہے کیونکہ علی کا بچپنے کا ایمان یہ ثابت کرتا ہے کہ صحابہ میں سے صرف علی ہی وہ شخصیت تھے جنہوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی شرک اور بت پرستی کی آلائش سے اپنی ذات کو آلودہ نہ کیا۔ لہذا صحابہ میں سے صرف یہی ذات ہے جو زیور عصمت سے آراستہ ہے اور مردوں میں سے حضرت ابوبکر کا ایمان گو باقی لوگوں سے پہلے ہو لیکن یہ تو کم از کم ثابت کرتا ہے کہ اکثر زندگی ان کی شرک اور بت پرستی میں گذری تھی لہذا وہ صرف مسلمان ہی ثابت ہو سکتے ہیں اور یہ ظاہر ہے جس نے اول عمر سے آخر تک کبھی بت پرستی نہ کی ہو۔ وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جو ایک مدت تک کفر و شرک کی آلائشوں میں ملوث رہا ہو اور اگر اس کے ساتھ سورہ ھود کی آیت ۱۱۳ وَلَا تَرْكَنُوٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الخ ۲۴۵ یعنی ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جو کسی زمانہ میں ظلم کا ارتکاب کر چکے ہوں۔ ورنہ جہنم میں جاؤ گے اور ساتھ یہ بھی لحاظ رکھا جائے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو شخص شرک کے جرم کا ارتکاب کر چکا ہو وہ اس قابل نہیں کہ اس کی طرف جھکا جائے لہذا مفہوم کے لحاظ سے یہ آیت ببانگ دہل پکار رہی ہے کہ ان کی طرف جھکو جنہوں نے اپنی پوری عمر کے کسی لمحہ میں بھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا پس اس سے تو حضرت علی کی خلافت بلافصل بطریق اولیٰ ثابت ہو جائے گی اور حضرت علی کا بچپنے کا ایمان کہہ کر جس بنا پر ان کی سبقت ایمانی کو گھٹا رہے تھے وہ الٹا ان کے بنے بنائے سابق الایمان کے لیے مصیبت کا باعث بن گئی اور ان کی خلافت کے لیے بھی ایک چیلنج ہو گئی جس کا تاقیامت ان کے پاس جواب نہیں ہو سکتا۔ بہر کیف علی کا سابق الایمان ہونا ان کی خلافت بلافصل کی دلیل ہے خواہ اس کو بچپنے کا ایمان کہتے پھریں یا کوئی اور تاویل کرتے رہیں علی کی اس فضیلت پہ پردہ ڈالنا سورج پر گرد پھینکنے کے مترادف ہے۔

ایمان لانے والوں کے تین گروہ

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ آیت مجیدہ میں تین گروہوں کی خداوند کریم نے مدح فرمائی (۱) سابقین اولین مہاجرین (۲) سابقین اولین انصار (۳) وہ جو ان سابقین کے پیچھے خیر و خوبی سے چلے۔ خداوند کریم نے سابقین کے پیچھے چلنے والوں کے تین گروہ بیان کیے (۱) وہ جو سابقین کے پیچھے نیکی و خوبی سے چلے یعنی ایمان لانے کے بعد نیک عمل کیے (محسنین) (۲) وہ گروہ جو ایمان لائے صرف زبان سے اور دل میں مومنین کی مخالفت پر ڈٹے رہے (منافقین) (۳) وہ گروہ جو دل سے ایمان لائے۔ لیکن عمل میں نیکی اور بدی کو مخلوط کر بیٹھے۔ یعنی نیکی بھی کرتے رہے اور برائی سے بھی باز نہ آئے۔ ان کو مذبذبین کہا گیا۔ منافقین اور مذبذبین کا ذکر اگلی آیتوں میں آ جائے گا۔ اس مقام پر محسنین کا ذکر ہے۔ اور خداوند کریم نے مہاجرین انصار اور محسنین ان ہر سہ گروہوں کو ذکر خیر سے یاد فرمایا ہے اور انہی کے لیے اپنی رضامندی کی پیش کش فرمائی اور انہی کے ساتھ جنت کا

وعدہ فرمایا۔ تفسیر منار میں مفتی محمدؐ عبدہ نے بڑے طمطراق سے لکھا ہے کہ صحابہ رسولؐ کے ہر سہ طبقات کے لیے خدا کی جانب سے رضامندی اور وعدۂ جنّت روافض کی تردید کے لیے کافی ہے آگے چل کر ایک روایت نقل کی ہے کہ حمید بن زیاد کہتا ہے میں نے محمّد بن کعب قرظی سے صحابۂ رسول کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ رسول کے تمام صحابہ خواہ نیک ہوں یا بد جنّت میں جائیں گے۔ میں نے پوچھا یہ کیسے؟ تو اس نے یہی اَلسّٰابِقُوْنَ والی آیت پڑھی۔ اور کہا خدا نے تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک مہاجرین دوسرے انصار اور تیسرے تابعین اور پہلی دونو قسموں کے ساتھ نیکی یا بدی کی کوئی قید نہیں لگائی۔ لیکن تابعین کے ساتھ یہ قید لگا دی ہے کہ جو ان میں سے نیکی اور احسان کا راستہ اختیار کرے گا۔ پس مہاجرین انصار کے ساتھ یہ قید نہ لگانا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خواہ نیک ہوں یا بد خدا ان سے راضی ہے اور وہ جنت میں ضرور جائیں گے۔ لیکن تابعین یعنی بعد میں ایمان لانے والے صرف وہی جنّت میں جا سکیں گے۔ جو نیک ہوں گے اور اس روایت کو رازی نے تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۹۲ پر نقل کیا ہے۔

آلِ رسولؐ پر ظلم

دیکھیے یہ سب کچھ اہل بیت عصمت پر ظلم کرنے والوں اور ان کو تشدد کا تختۂ مشق بنانے والوں کے اعمال پر پردہ ڈالنے اور آلِ رسول کی عظمت کو گھٹانے کے لیے ہی کیا جا رہا ہے۔ ورنہ کوئی صاحب عقل سلیم اس قسم کی خرافات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کہ دور اوّل کے لوگ بلا تمیز نیک و بد داخل جنّت ہوں اور بعد والوں کے لیے جنّت میں داخلہ کے لیے نیک ہونے کی پابندی عائد کر دی جائے۔ اس کا مطلب تو صاف یہ ہوگا کہ جنّت کا انعام ایک کھیل ہے اور دوزخ کا عذاب سکھوں والی پھانسی ہے کہ جس کے گلے میں فٹ آ جائے۔ اسی کو لٹکا دیا جائے اگر اس اسلام کو اس حلیے سمیت اقوام عالم کے سامنے پیش کیا جائے۔ تو اسلام اور اس کی تعلیمات محل تمسخر بن کر رہ جائیں خداوند کریم اور اس کا پاک رسول اس قسم کے خیالات فاسدہ اور عقائدِ کاسدہ سے بیزار ہیں۔ اور اسلام میں اس قسم کے خرافات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے خداوند کریم کا دین عقل و انصاف کے اُصولوں پر مبنی ہے اور اس کے قوانین بلا فرق امیر و غریب اور بلا تمیز خورد و کلاں تمام اہل عالم پر یکساں نافذ ہیں اور جنّت صرف انہی لوگوں کے لیے ہے جو خدا و رسول پر ایمان لانے کے بعد اسلامی قوانین پر کاربند ہوں اور مرتے دم تک کاربند رہیں۔ خواہ عرب ہوں یا عجم، خواہ اپنے ہوں یا بیگانے، نیز خواہ صحابہ ہوں یا غیر۔ لیکن اگر زبان سے دعوئے ایمان کرتے رہیں اور اسلامی قوانین کی مخالفت کرتے ہوں اور نیکی و بدی میں فرق نہ سمجھتے ہوں تو ایسے لوگ یقیناً خدا کی رضا کے مستوجب نہیں ہو سکتے اور نہ خدا ان سے راضی ہوتا ہے ورنہ اگر خدا بُرے لوگوں سے راضی ہو اور اچھے لوگوں سے بھی راضی ہو تو اچھائی و بُرائی کا کوئی فرق نہ رہے گا "العیاذ باللہ"۔ اور پھر یہ کہ صحابہ کے لیے اچھائی و بُرائی کا فرق نہ ہو اور باقیوں کے لیے ہو تو معاذ اللہ، خدا ظالم ٹھہرے گا حالانکہ وہ خود عادل ہے اور عدل کی دعوت دیتا ہے نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ کسی کے ظلم پر رضامند ہوتا ہے۔ نیز رضائے پروردگار اور وعدۂ جنّت کے لیے یہ ضروری ہے۔ کہ جن کے ساتھ وعدہ ہے وہ تا زیست

صفتِ ایمان اور عمل صالح پر رہیں۔ ورنہ اگر ابتداء میں مومن ہوں اور بعد میں مرتد ہو جائیں تو قطعاً رضائے خدا کے وہ حقدار نہ ہوں گے۔ اور نہ ان کے لیے وعدۂ جنت ہو گا لہٰذا جن لوگوں نے حضور رسالتمآبؐ کے بعد آلِ رسولؐ کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا اور حضرت علیؑ کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کیا اُن کا انجام اچھا نہ رہا اور جب خاتمہ درست نہ ہوا تو خواہ مہاجر ہوں یا انصار آیت مجیدہ کے اس وعدہ سے وہ باہر ہوں گے۔

نیز پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ تیسرے گروہ سے رسالت مآبؐ کے بعد والے تابعین مراد لینا بعد والوں کی اصطلاح جدید ہے۔ ورنہ اس آیت مجیدہ میں ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو سابقین کے بعد صفت ایمان سے متصف ہوئے اور احسان کی صفت تین گروہوں میں سے ہر ایک کے لیے ضروری ہے اور آخری گروہ کے ساتھ ذکر کر کے پہلے دونوں سے حذف کر دی گئی ہے۔ جس طرح وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ کو دو دفعہ ذکر کرنے کی بجائے صرف ایک دفعہ ذکر کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کے حذف پر قرینہ قائم ہے ورنہ چاہیے تھا وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ وَرَسُوْلُهٗ حَقٌّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اور اس قسم کا حذف کلام عرب میں عام شائع ہے جیسے اَنْتَ بِمَا عِنْدَكَ وَنَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا رَاضُوْنَ۔ پس اس آیت میں بھی ایک دفعہ لفظ احسان کو ذکر کر دینے کے قرینہ سے مہاجرین و انصار میں احسان کی قید خود بخود سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا وہاں اس کو بڑھانے کی ضرورت نہیں رہی۔ پس معلوم ہوا کہ مصداق آیت کے لحاظ سے وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ سے مراد مہاجرین و انصار سابقین کے بعد ایمان لانے والے صحابی ہیں۔ لیکن تاویل و باطن کے لحاظ سے تا قیامت بعد میں آنے والے جملہ مومنین کو آیت شامل ہے۔ ورنہ آیت کا مضمون ایک عرصہ محدود تک کے لیے محصور ہو جائے گا۔ حالانکہ اس کی جملہ ہدایات تا قیامت جاری ہیں۔

رازی نے روایت متقدم الذکر میں ایک جملہ کا آخر میں اضافہ کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اِتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ صحابہ مہاجرین و انصار تمام کے لیے خواہ نیک ہوں یا بد چونکہ رضوان خدا اور جنت کا وعدہ ہے۔ لہٰذا خدا کے اس وعدہ میں بعد میں آنے والے وہی مومن داخل ہوں گے جو صحابہ مہاجرین و انصار کے نقش قدم پر چل کر ایمان قبول کریں گے۔ لیکن ان کی غلط کاریوں اور برائیوں پر نکتہ چینی نہ کریں گے اور پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ بعد میں آنے والے اور اسلام کے حلقہ بگوش ہونے والے مومنین بھی اس آیت کی رو سے رضوان خدا اور وعدہ جنت میں داخل ہیں۔ لیکن ان کے لیے شرط یہ ہے کہ احسان اور نیکی سے ان کے پیچھے چلیں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مہاجرین و انصار کے بارے میں اچھائی بیان کریں ورنہ اگر نکتہ چینی کریں گے تو اس انعام سے محروم رہیں گے۔

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ آیت مجیدہ کی آڑ صرف صحابہ کی اس روش پر پردہ ڈالنے کے لیے ہے جو آلِ رسولؐ کے ساتھ انہوں نے اختیار کی اور شیعہ حضرات کو کوسنے کی خاطر ہی یہ منطق لڑائی جاتی ہے۔ لیکن بخاری شریف اور دیگر کتب معتبرہ کی ان احادیث کو کہاں چھپائیں گے جن میں صاف طور پر ہے اَلْفَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِّنِّيْ مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِيْ

یعنی فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور غضبت فاطمہ علی ابی بکر کے بخاری کے غیر مبہم الفاظ کی کیا تاویل ہوگی اور اس کے بعد اسی سورہ میں فرمان خداوندی کا کیا جواب ہوگا، کہ جو خدا و رسول کو ایذا دے گا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اگر بقول بخاری فاطمہ کی ایذاء رسول کی ایذاء ہے اور حضرت ابوبکر نے فاطمہ کو ایذاء بھی دی تو قرآن کی رو سے ایذاء رسول دوزخ میں داخلہ کی ناقابل تردید سند ہے اور صرف باتوں باتوں سے یا تاویلات سے یہ معاملہ ٹل نہیں سکتا، رضوان خدا اور جنّت صرف اُن لوگوں کے لیے ہے جو مومن رہے اور آخر دم تک صفت ایمان کے ساتھ ساتھ آلِ رسولؐ کے اطاعت گذار بھی رہے۔

اور رازی کے دل میں کھٹک ضرور ہے اور وہ ان تمام باتوں کو سمجھتا ہے، لیکن باپ دادا اور گذشتگان کی اندھی تقلید نے اس کے دل و دماغ کو معطل کر رکھا ہے، چنانچہ آخر میں کہتا ہے کہ مہاجرین و انصار کے حق میں بلیحہ طعن لب کشائی کرنے والا رضائے خدا اور جنت کی پیش کش سے اس لیے محروم ہے کہ وہ ان کے نقش قدم پر احسان و نیکی سے نہیں چلا کیونکہ دیندار مومنین اصحاب رسول کی تعظیم میں مبالغہ کے قائل ہیں اور وہ ان کی غیبت و شکوہ میں زبان نہیں کھولتے اور نہ ان کو ایسے انداز سے ذکر کرتے ہیں جو ان کے خلافِ شان ہو۔

یہ سب کچھ عقل و دانش کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت بلکہ اعلانِ جنگ ہے بس عقل کا صریح فیصلہ ہے، کہ خواہ کتنا بڑا ہو اگر خدا و رسول کا مخالف ہو تو وہ جنّت کی بو نہ سونگھے گا کیوں کہ جب حضرت نوحؑ کا سگا بیٹا عذاب خداوندی سے نہ بچ سکا تو کوئی اور کیوں کر کسی ناجائز رعایت کا مستحق قرار دیا جاسکے گا، اور خداوند کریم کسی کی ناجائز رعایت کر سکتا ہی نہیں۔ اور اگر کسی کی آلِ رسول کے حق میں گستاخی قابل عفو ہو سکتی ہے تو صحابہ کے حق میں گستاخی بھی قابلِ عفو ہو سکتی ہے۔ پھر ہر شخص کے لیے آزادی ہے جو چاہے کہتا پھرے۔

رازی نے ایک اور منطقی استدلال کا اضافہ یوں کیا ہے کہ چونکہ مہاجرین و انصار کے متعلق خدا نے فرمایا ہے رَضِیَ اللہُ عنہم یعنی خدا ان سے راضی ہو گیا اور یہ رضامندی زمانۂ ماضی اور حال اور استقبال تینوں زمانوں کو شامل ہے۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ آل رسول سے جھگڑا کرنے کے بعد وہ خدا کے غضب کے مستحق ہو گئے تو خدا کا رَضِیَ کا وعدہ واقع کے مطابق نہ رہے گا، کیوں کہ خدا نے اپنی رضا کے وعدہ میں یہ نہیں فرمایا کہ خلافت سے پہلے تک راضی ہوں اور ان کے خلافت کے دعویٰ کرنے کے بعد راضی نہ ہونگا۔ پس خدا کا رضا کے ساتھ زمانہ کی قید نہ لگانا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ان مہاجرین و انصار سے ہر زمانہ میں راضی ہے۔

صاحبان عقل و فکر کے سامنے رازی کا یہ بیان بھی تارِ عنکبوت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ اس عقل کے اندھے کو یہ خیال نہیں رہا کہ رَضِیَ فعل ماضی کا صیغہ ہے جس کی دلالت صرف زمان ماضی تک محدود ہے اور یہ فعل استمرار کے لیے استعمال نہیں ہوتا تو گویا صاف معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے ہجرت اور رسول کی نصرت میں سبقت کی خدا ان سے راضی

ہو گیا۔ یعنی ہجرت اور نصرت خدا کے نزدیک اس قدر مستحسن فعل ہیں کہ ان کی وجہ سے خدا نے ان کی سابقہ تمام لغزشیں معاف کر دیں اور ان کے لیے جنّت کا وعدہ کر دیا کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اب اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کے بعد اگر ایمان و اسلام کے تقاضوں کو چھوڑ کر مریں تب بھی وہ اس پیش کش کے سزاوار رہیں گے۔ کیا بخاری شریف کی ارتداد والی حدیثیں اور حدیث حوض یاد نہیں رہی کہ حضور فرماتے ہیں میں حوض پر ہوں گا اور میرے سامنے چند لوگ جائیں گے۔ اور ان کو جہنم کا فیصلہ سُنایا جائے گا تو میں کہوں گا اُصَیْحَابِی اُصَیْحَابِی یعنی یہ تو میرے صحابی ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے تو جواب ملے گا آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے بعد میں کیا کیا کرتوت کیے تو میں کہوں گا دُور کرو، ان کو دُور کرو۔ اور یہ حدیثیں من و عن حوالہ جات سے مقدمہ تفسیر میں درج کی جا چکی ہیں۔ ص ۱۵۳ و ص ۱۵۴

رازی نے توجیہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ رضائے خدا اور وعدہ جنّت ایک موصوف پر مترتب ہیں تو جب تک اس موصوف میں وہ صفت باقی رہے گی، وعدۂ رضا و جنّت کا باقی رہنا بھی ضروری ہے اور وہ صفت ہے ہجرت میں سابق ہونا اور نصرتِ رسول میں سبقت کرنا تو چونکہ یہ صفتیں مہاجرین و انصار کے لیے دائمی ہیں۔ لہٰذا جنت و رضا کا ثبوت بھی دائمی ہو گا اس کے بعد ان سے جس قسم کی لغزشیں سرزد ہوں وہ رضائے خدا اور وعدۂ جنّت کے آگے حائل نہیں ہو سکتیں۔

اس کا جواب ہمارے گذشتہ بیان میں واضح ہو چکا ہے کہ سبقت سے مُراد سبقت ایمانی ہے اور ایمان ہی محور و مدار ہے تمام باقی صفات کا اور اسی صفت ایمان کو ہی اُصولی اور بنیادی مقام حاصل ہے ورنہ اس صفت کے بغیر ہجرت و نصرت قطعاً قابل مدح ہو سکتی ہی نہیں۔ پس سابقون سے مراد ہیں ایمان میں سبقت کرنے والے اور سب میں سے سابق اوّل حضرت علیؑ ہیں اور باقی مہاجرین و انصار جو بعد میں اس صفت سے متصف ہوئے۔ بالفرض اگر ان کو سابقین کی صفت سے ملقب کیا گیا تو رضا و جنّت کے وعدہ کا مدار ہے صفت ایمان اگر خاتمہ ایمان پر رہا تو وعدہ برقرار رہا۔ لیکن اگر خاتمہ ایمان پر نہ ہوا تو سابق ہجرت اور نصرت کو حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ کے نہ خانے میں ڈال دیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور رسالت مآبؐ کی متواتر احادیث سے یہ مضمون ثابت ہے۔ علامہ حلّی نے اس آیت مجیدہ کو حضرت علی کے خلیفہ بلافصل ہونے کی دلیل قرار دیا ہے اور فضل بن روزبہان جیسے متعصب نے بھی علی کا سابق الایمان ہونا تسلیم کیا ہے اللّٰھم اجعلنا من انصار محمد و آل محمد و اتباعھم

منافقین و مذبذبین

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ۔ مہاجرین اور انصار سابقین کے بعد اظہار ایمان کرنے والوں کے تین گروہ تھے۔ جن کا پہلے بھی اشارہ ہو چکا ہے۔ ایک وہ جو مہاجرین و انصار کے نقش قدم پر خیر و خوبی سے چلے۔ ان کو محسنین کا درجہ دیا گیا۔ جن کا پہلی آیت میں بیان گذر چکا ہے دوسرے وہ لوگ جو زبان سے مومن اور دل سے کافر تھے۔ ان کو منافقین کے نام سے یاد کیا گیا۔ اس آیت مجیدہ میں انہی لوگوں کا تذکرہ ہے۔ اس قسم کے لوگ دیہاتوں میں بھی تھے۔ اور خود شہر مدینہ میں بھی تھے۔ جیسے کہ

آیت میں ہے۔ ان کو دو دفعہ کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے ایک دنیا میں رسوائی و ذلت کا اور دوسرا قبر

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ
اور تمہارے گرد و نواح میں سے جو بدوی منافق ہیں اور اہل مدینہ میں سے

مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ
جو قائم ہیں نفاق پر تمہیں پتہ نہیں اور ہمیں پتہ ہے ہم ان کو عذاب دیں گے دو

مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا
دفعہ پھر پلٹائے جائیں گے طرف بڑے عذاب کے اور دوسرے جنہوں نے

بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ
اقرار کیا اپنے گناہوں کا ملا بیٹھے عمل نیک کو اور عمل بد کو امید ہے کہ خدا

اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ
ان کی توبہ قبول کرے گا تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے لے لو ان کے

اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ
مال سے صدقہ کہ تو ان کو پاک و پاکیزہ کر دے اس کے ذریعہ سے اور دعا کر ان کو کہ

میں اور پھر تیسرا عذاب دائمی ہوگا۔ جو بڑا عذاب ہوگا۔

وَاٰخَرُوْنَ ۔ یہ تیسرے گروہ کا بیان ہے۔ جو ایمان دل سے لائے۔ لیکن عمل میں نیک و بد کو ملا بیٹھے یعنی نیکیاں بھی کرتے رہے اور برائیاں بھی ان سے سرزد ہوئیں اور ان کو مذنبین کہا گیا ہے۔ ان کے متعلق فرمانا ہے کہ ان کی توبہ قبول ہوگی

وجوب زکوٰۃ کا حکم

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ

تفسیر مجمع البیان میں ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے۔ کہ انصار میں تین آدمی جو غزوہ تبوک میں ہمرکاب رسالت مآبؐ نہ ہوئے تھے جب ان کو پتہ چلا کہ ان کے حق میں سخت ترین آیتیں اتری ہیں تو انہوں نے سزا کے طور پر اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ جب حضور اکرمؐ واپس آئے اور اُن کے متعلق دریافت کیا تو جواب ملا کہ ان لوگوں نے بطور سزا کے اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے اور سوائے حضور کے ان کو کوئی نہیں کھول سکتا تو آپ نے فرمایا کہ میں ان کو کھولنے کی جرأت نہیں کرتا جب تک کہ حکم خدا نہ ہو پس جب آیت ۱۰۲ اتری جس میں مذنبین کی توبہ کے قبول کرنے کا ذکر ہے تو آپ نے ان کو کھول دیا۔ پس وہ اپنے مال اٹھا لائے اور کہنے لگے کہ انہی مالوں نے ہمیں آپ کے پیچھے رہنے پر مجبور کیا تھا۔ لہذا ان کو صدقہ کر دیجئے۔ پس آپ وحی کے منتظر ہوئے۔ اور آیت اتری کہ سارا مال نہ لیجئے بلکہ ان کے اموال میں سے کچھ لے لیجئے اور مِن یہاں

تنقیص کے لیے ہے اور یہ صدقہ ان کے لیے کفارۂ گناہ کے طور پر تھا اور ممکن ہے کہ یہ آیت عام وجوب زکوٰۃ کے حکم کے لیے ہو کہ مومنوں سے زکوٰۃ وصول کرو جو ان کی روحانی طہارت کے لیے ہے کہ صفت بخل سے ان کے قلوب پاک ہوں گے اور ان کے مالوں کے تذکیہ کے لیے ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی برکت سے ان کا مال بڑھیگا اور رزق میں وسعت ہوگی اور آیت مجیدہ میں ابہام تھا جس کو حضورؐ نے اپنے فعل سے رفع فرما دیا کہ زکوٰۃ فلاں فلاں جنس و نقدی میں واجب ہے، اور اس کا نصاب اس قدر ہے اور وجوب واداکا وقت فلاں ہے اور یہ تمام مسائل تفصیل کے ساتھ حسب ضرورت اسی جلد میں مذکور ہو چکے ہیں لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا
تحقیق تیری دعا ان کے لیے باعث تسکین ہے اور وہ اللہ سننے جاننے والا ہے کیا وہ نہیں جانتے

اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ
کہ اللہ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے صدقات کو

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى
اور اللہ ہی قبول کرنے والا مہربان ہے اور کہہ دو کہ تم عمل کرو، عنقریب دیکھے گا

اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ
اللہ تمہارا عمل اور اس کا رسول اور ایمان والے اور عنقریب تم پلٹائے جاؤ گے طرف جاننے والے

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾
غیب و شہادت کے پس تمہیں خبر دے گا، جو تم عمل کرتے ہو۔

اِنَّ صَلٰوتَكَ ۔ مقصد یہ ہے زکوٰۃ و صدقہ وصول کرنے کے بعد ان کے حق میں دعا کیا کرو اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے حق میں وصول کرنے والے کو دعا کرنی چاہیے۔

يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ ۔ یعنی خدا خود لیتا ہے صدقات کو، جیسا کہ روایت میں وارد ہے حضورؐ فرماتے ہیں کہ صدقہ مستحق کے ہاتھ میں پہنچنے سے قبل خدا کے ید قدرت پر جاتا ہے مقصد یہ کہ مستحق تک پہنچنے سے قبل وہ سند قبولیت حاصل کر لیتا ہے اور صدقہ کی فضیلت کے متعلق قبل ازیں احادیث حسب ضرورت نقل کی جا چکی ہیں ص ۷۶

آئمہ ہمارے اعمال سے مطلع ہوتے ہیں

فَسَيَرَى اللّٰهُ ۔ اعمال کو خدا کا دیکھنا تو واضح ہے اور صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا تم لوگ کیوں حضرت رسالت مآبؐ کو ناراض کرتے ہو؟ تو پوچھا گیا کہ حضور وہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے اعمال ان کے پیش کیے جاتے ہیں پس وہ تمہاری برائیاں دیکھتے ہیں تو ناراض ہوتے ہیں لہٰذا تم ان کو ناراض نہ کیا کرو، بلکہ خوش کیا کرو۔ اور امام رضا علیہ السلام

سے ایک شخص نے عرض کی کہ مولا: میرے لیے اور میرے گھر والوں کے لیے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا پہلے میں نہیں کرتا ہوں؟ خدا کی قسم تمہارے اعمال ہر شب و روز میرے پیش کیے جاتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے تعجب کیا تو آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ یہاں مومنوں سے مراد حضرت علی بن ابی طالبؑ ہیں اور مقصد یہ ہے کہ مومنوں سے مراد آئمہ معصومینؑ ہیں۔ چنانچہ دوسری روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی صراحت موجود ہے۔ اور عیاشی سے بروایت امام محمد باقر علیہ السلام منقول ہے کہ کوئی مومن یا کافر جہاں بھی مرے تو اس کے قبر میں داخل کرنے سے قبل اس کے جملہ اعمال حضرت رسالت مآبؐ اور حضرت امیر المومنینؑ اور یکے بعد دیگرے تمام آئمہ طاہرینؑ کے پیش کیے جاتے ہیں۔ بہر کیف اس مضمون کی روایات کتب شیعہ میں بکثرت وارد ہیں کہ جملہ اعمال آئمہ طاہرین کے پیش ہوتے ہیں اور ہمارے نیک اعمال کو دیکھ کر وہ خوش ہوتے ہیں اور بد اعمالیاں دیکھ کر وہ ناراض ہوتے ہیں اس لیے جملہ محبان محمدؐ و آل محمدؐ کو چاہیے کہ اپنے اعمال کا ہر وقت جائزہ لیں کہ کہیں ان سے ایسے افعال سرزد نہ ہوں جن سے وہ ناراض ہوں اور ایسے اعمال بجا لانے کی کوشش کریں جن سے وہ خوش ہوں۔

اور ظاہر کے لحاظ سے آیت مجیدہ کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان اپنے اعمال کو خواہ کتنا ہی پوشیدہ کرنے کی کوشش کرے آخر اس کی ہوا باہر نکل ہی آیا کرتی ہے۔ چنانچہ تفسیر منار میں حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص ایک پتھر کے سوراخ میں گھس کر کوئی کام کرے جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی تب بھی خدا اس کے عمل کو ظاہر کر دے گا خواہ وہ جس نوعیت کا بھی ہو۔ مقصد یہ ہے کہ تمہاری بد اعمالیاں خدا و رسول و مومنین سے مخفی نہیں رہتیں لہٰذا تم ایسے کام سے گریز کرو جس کا ظاہر ہونا ایک دن تمہارے لیے باعث ندامت ہو۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ			
اور دوسرے منتظر ہیں امر خدا کے یا ان کو عذاب دے گا اور یا توبہ قبول کرے گا			
عَلَيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾		وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا	مَسْجِدًا
ان کی اور خدا جاننے والا حکمت والا ہے		اور جنہوں نے	بنائی مسجد

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ۔ غزوہ تبوک سے تخلف کرنے والوں کی قسمیں متعدد گذر چکی ہیں۔ بعض وہ تھے جو اجازت لے کر بیٹھ گئے تھے اور بعض بلا اجازت رہ گئے تھے۔ بعض پشیمان ہوئے اور انہوں نے صدقہ بھی دیا اور بعض اپنے کفر و عناد پر ڈٹے رہے۔ بعض کی توبہ فوراً قبول ہوئی اور بعض مومنوں سے مسخری کرنے کے درپے ہو گئے بہر کیف یہ بھی انہی لوگوں میں سے ایک قسم ہے جو خداوند کریم کے فیصلہ کے منتظر ہیں نہ ان کا کفر ظاہر ہے۔ کہ حتمی عذاب ہوا اور نہ انہوں نے توبہ کی۔ کہ حتمی معافی ہو۔ اور تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد حضرت حمزہ و جعفر طیار کے قاتل ہیں جنہوں نے قبل از اسلام

ان کو شہید کیا اور بعد میں خود مسلمان ہو گئے۔ اور شرک وکفر کو چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور یہ تردید اس اعتبار سے ہے کہ مومنوں کو ان کے انجام کا پتہ نہیں ہے ورنہ خالق کو تو معلوم ہے کہ ان کو عذاب دے گا یا معاف کرے گا۔ پس جو اس کی مشیت کا تقاضا ہو گا وہی ہو گا۔

مسجد قبا اور مسجد ضرار ضِرَارًا وَّكُفْرًا اس کے شان نزول کے متعلق مجمع البیان میں مروی ہے کہ بنی عمرو بن عوف نے مسجد قبا تعمیر کی اور حضور کو دعوت دی۔ پس آپ نے جا کر وہاں ان کو نماز پڑھائی۔ پس یہ دیکھ کر منافقین کی ایک جماعت جو بنی غنم بن عوف تھے۔ ان کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے تجویز پاس کی کہ ایک الگ مسجد بنائیں گے۔ جس میں نماز الگ پڑھیں گے اور یہ ۱۲ یا ۱۵ آدمی تھے چنانچہ انہوں نے مسجد قبا کے پہلو میں ایک مسجد بنا ڈالی۔ اور حضور کو اطلاع دی جب کہ آپ تبوک کی طرف تیاری کر رہے تھے۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم نے بیماروں اور محتاجوں کے لیے نیز بارش اور سخت سردی کے ایام کے لیے اپنے ہاں ایک مسجد بنائی ہے آپ بنفس نفیس وہاں نماز پڑھیں۔ اور ہمارے حق میں دعا بھی فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا ابھی میں سفر کو جا رہا ہوں جب واپس آئیں گے تو انشاء اللہ تمہاری مسجد دیکھیں گے۔ پس آپ تبوک سے واپس آئے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں ضرارًا اور اس کے بعد منصوبات مفعول لہ ہیں۔ یعنی انہوں نے مسجد بنائی خالص مومنوں کو ضرر دینے کے لیے اور کفر بکنے کے لیے۔ کہ وہاں بیٹھ کر وہ مسلمانوں اور پیغمبر اسلام کا گلہ و شکوہ کریں اور مومنین میں اختلاف ڈالنے کے لیے اور دشمن خدا اور رسول کے لیے کہ وہ اپنا اڈہ وہاں جمالے۔

ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ

ضرر اور کفر اور مومنین میں پھوٹ ڈالنے کے لیے اور رصد گاہ اس شخص کے لیے جس نے

اللّٰهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ

جنگ کی اللہ اور اسکے رسول کیساتھ پہلے سے اور وہ قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں ارادہ کیا مگر نیک

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَّمَسْجِدٌ

اور اللہ گواہ ہے کہ تحقیق وہ جھوٹے ہیں اس میں نہ نماز پڑھو بالکل البتہ وہ مسجد

أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ فِيهِ

جو بنائی گئی تقوی پر پہلے دن سے وہ اس لائق ہے کہ اس میں نماز پڑھو

رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾

اس میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں پاک ہونا اور اللہ بھی چاہتا ہے پاک باز وں کو

لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ ایک شخص ابو عامر نامی جو زمانِ جاہلیت میں راہب بنا ہوا تھا مدینہ میں حضورؐ کی تشریف آوری

سے کو بیدہ خاطر ہوا اور اس نے حضور کو ناکام بنانے کی کئی سازشیں کیں ۔ لیکن خود ناکام ہوا اور فتح مکہ کے بعد یہ شخص طائف چلا گیا اور جب وہ لوگ مسلمان ہوئے تو وہ نصرانیت کو قبول کر کے شام گیا اور وہاں سے روم چلا گیا ۔ اس نے منافقوں کو پیغام بھیجا تھا ۔ کہ میں قیصر روم کے پاس جا رہا ہوں اور وہاں سے فوجیں ساتھ لاؤں گا ۔ اور اہل اسلام کو مدینہ سے نکال دونگا لہٰذا تم میرے لیے ایک مسجد بنا لو ۔ پس ان لوگوں نے وہ مسجد اس کے لیے ایک اڈہ قائم کرنے کی خاطر بنائی تھی اور حضور اس کو ابو عامر فاسق کے نام سے پکارتے تھے اور یہی ابو عامر اُس حنظلہ[ھ] کا باپ تھا جو حضرت رسالتمابؐ کی معیت میں جنگِ احد میں درجہ شہادت پر فائز ہوا تھا اور ملائکہ نے اس کو غسل دیا تھا ۔ جس کی وجہ سے وہ غسیل الملائکہ کے لقب سے ملقب ہوا تھا جب حضور تبوک سے واپس آئے تو وہ منافقین قسمیں کھانے لگے کہ ہم نے یہ مسجد محض خلوص نیت سے بنائی تھی لیکن خداوند کریم نے ان کی بدباطنی کی اطلاع دے دی تھی اور فرمایا کہ یہ بالکل جھوٹ کہتے ہیں ۔ لہٰذا ان کی بنائی ہوئی نام نہاد مسجد میں بالکل نماز نہ پڑھیے ۔ پس حضور نے اپنی جانب سے دو آدمی بھیجے کہ اس مسجد کو گرا کر اس کے سامان کو نذرِ آتش کر دیں اور اسے مزبلہ بنا دیں ۔

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ

کیا وہ جس نے بنایا مکان اوپر تقویٰ خدا کے ۔ اور رضامندی اس کے بہتر ہے

أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ

یا وہ جس نے بنایا مکان اوپر کنارے وادی کے جو گرنے والا ہو پس اس کو لے گرے آگ دوزخ

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (۱۰۹) لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً

میں اور اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو ۔ ہمیشہ رہے گا وہ مکان جو انہوں نے بنایا باعث

فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۱۱۰)

ارمان انکے دلوں میں مگر یہ کہ ان کے دل پھٹ جائیں (وہ مرجائیں) اور اللہ علیم و حکیم ہے

شَفَا جُرُفٍ ۔ شفا کا معنی کنارہ ہوا کرتا ہے اور اس کا تثنیہ شفوان ہوتا ہے لغوی طور پر پیمائش کا آخری سرا شفا کہلاتا ہے اور **جُرُف** وادی یا نہر یا دریا کا کنارہ جس کو نیچے سے پانی نے کھود ڈالا ہو اور گرنے کے لیے تیار ہو ھار یہ ھَارَ یَہَارُ کے باب سے ہے ۔ اور اجوف وادی سے ہے اس کا فاعل ھائر ہونا چاہیے تھا پس ھارٍ مقلوب ھائر کا ہے جس طرح شاکی مقلوب ہوا کرتا ہے شائک کا یعنی سلاح پوش ۔ اور اِنْهَارَ یَنْهَارُ باب انفعال اسی مادہ سے ہے اور اس کا معنی گرنا ہوا کرتا ہے تو اس آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے اس بنائے مسجد کو تشبیہ دی ایسے مکان کی بنا سے جس کی بنیاد کسی نہر کے گرتے ہوئے کھوکھلے کنارہ پر رکھی جائے جو فوراً پانی میں گر جانے والا ہو ۔ پس گویا ان کی یہ مسجد جہنم کے کنارہ پر بنائی گئی ہے جو اپنے اہل سمیت جہنم میں جا گرے گی ۔

ھ ۔ تفسیر کی جلد ۴ ص ۴ پر حنظلہ کا واقعہ گذر چکا ہے ۔

لَا یَزَالُ اب چونکہ حضور نے ان کی سازشوں کی قلعی کھول دی اور ان کے کفر و الحاد کے اڈہ کو مسمار کر دیا ۔ تو فرماتا ہے کہ یہ حسرت تا دم مرگ ان کے دلوں میں رہے گی اور جب مریں گے تو انجام کا انہیں پتہ چلے گا اور یہ بھی ممکن ہے ۔ کہ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ کا معنی یہ ہو کہ وہ توبہ کریں یعنی توبہ سے ان کے دل پھٹیں اور افسوس کریں کہ ہائے ہم نے کیا کیا ۔

رکوع نمبر ۳ مومن کے لیے جنّت کی پیش کش

اِنَّ اللّٰہَ ۔ چونکہ عبادت کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک جانی اور دوسری مالی ۔ پس جو شخص ایمان لائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں جانی و مالی ہر دو اعتبار سے احکام خداوندی کی رعایت رکھے تو اس کے لیے جنّت ضروری ہے ۔ پس اس مقام پر خرید و فروخت کے عنوان سے ذکر کرنا اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ جانی و مالی ہر دو نو طریقوں سے خدا کے اطاعت گذار ہوں ان پر جنّت واجب ہوتی ہے جس طرح خرید و فروخت میں سودا کرنے کے بعد چیزوں کا تبادلہ ضروری ہوا کرتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ

تحقیق اللہ نے خرید لیا ہے مومنوں سے ان کے نفس اور مال اس بدلہ میں کہ ان کو جنت

لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ

دے گا ۔ جو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پس مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں

وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰی

یہ اس کا پکا وعدہ ہے ۔ تورات اور انجیل اور قرآن میں اور کون اللہ

بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ؕ وَذٰلِکَ

سے زیادہ وعدہ کی وفا کرنیوالا ہے پس تمہیں مبارک ہو یہ سودا جو تم نے اس سے کیا ہے ۔ اور یہ ہی

ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (۱۱۱) اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ

بڑی کامیابی ہے توبہ کرنے والے عبادت گذار حمد کرنے والے روزہ دار

الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ

رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے

اَلتَّآئِبُوْنَ مومنوں کے اوصاف بیان فرمائے ۔ غلطی کے بعد پشیمان ہونا اور توبہ کرنا عبادت کرنا حمد پروردگار بجا لانا خوشنودئ خدا کی خاطر روزہ رکھنا یا بعضوں نے سائحون کا معنی طلب علم کے لیے سفر کرنا مراد لیا ہے ۔ اور یہ بھی درست ہو سکتا ہے اس کے بعد رکوع سجدہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ۔ یہ سب مومنوں کی نشانیاں ہیں جن سے خدا نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ پچھلی کلام سے الگ کر کے جملہ متانفہ بنایا گیا ہے ۔ گویا اگر کوئی سوال کرے کہ وہ مومن کس قسم کے ہیں ۔ جن سے جان و مال کے عوض میں خدا نے جنّت کا سودا

کیا ہے؟ تو یہ اس سوال کا جواب ہوگا اور آخر میں اَلْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ سے ایک کلیہ بیان فرما دیا۔ کہ وہ وہ ہیں جو حدود خداوندی کی حفاظت کریں اس کے واجبات کو ترک نہ کریں اور محرمات کے قریب نہ جائیں اور انسان کے جملہ شوؤن زندگی میں ذاتی اور تمدنی لحاظ سے اوامر و نواہی کے جو قواعد شریعت نے پیش کیے ہیں وہی اللہ کی حدود ہیں اور ان کو توڑنا ایمان کے منافی ہے۔ اور اس میں تمام ابواب فقہ اجمالاً آجاتے ہیں۔ پس اس مختصر لفظ میں پورے اسلامی منشور کو اپنانے کی باندازِ بلیغ دعوت دی ہے جو اسی کلام کا طرۂ امتیاز ہی ہو سکتا ہے۔ خداوند کریم تمام مومنین کو حدود خداوندی کے قائم کرنے کی توفیق دے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اور نہج البلاغہ میں حضرت امیر علیہ السلام کا بھی فرمان ہے کہ تمہارے نفوس کی قیمت جنت ہے۔ لہذا ان کو کسی اور چیز کے بدلے میں فروخت مت کرو۔ ایک مرتبہ زہری امام زین العابدین علیہ السلام سے راہِ حج میں ملا تو کہنے لگا کہ آپ نے جہاد کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ مشکل ہے اور حج پر آسان سمجھ کر روانہ ہو گئے۔ تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اگر ان صفات کے مومنین ہمیں مل جائیں تو ہم جہاد کو حج سے ترجیح دیں گے۔

اَلْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا

اور حفاظت کرنے والے اللہ کی حدود کی اور مومنوں کو خوشخبری و مبارک دو ۔ نہیں

كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا

روا نبی اور مومنین کے لیے کہ دعائے بخشش کریں مشرکوں کے لیے اگرچہ وہ ان

اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾

کے رشتہ دار قریبی ہوں بعد اس کے کہ ان کو پتہ ہو کہ وہ دوزخی ہیں

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ

اور نہیں تھا طلب بخشش کرنا ابراہیم کا اپنے چچا آذر کے لیے مگر ایک وعدہ کی وجہ سے جو انہوں نے کیا تھا

اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ

تو جب پتہ چلا کہ وہ دشمن خدا ہے تو اس سے بیزار ہو گئے تحقیق ابراہیم بہت رونے والے

مشرک کے لیے دعا کرنا

ماکان۔ آیت مجیدہ میں نبی اور مومنین کو مشرکوں کے حق میں دعائے بخشش سے روکا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ حتمی طور پر جہنم میں داخل ہوں گے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ جن لوگوں کے متعلق بیقین ہو کہ اس کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا اور وہ یقیناً دوزخی ہوگا، تو اس آیت مجیدہ کے باطن کی رو سے اس کے حق میں بخشش کی دعا کرنا ممنوع ہوگا، خواہ وہ اپنا کس قدر عزیز اور قریبی ہی کیوں نہ ہو۔ پس مومن اولاد کا غیر مومن والدین کے لیے

دعا کرنا بھی اس آیت کے مقصود کے خلاف ہوجائیگا البتہ اگر والدین اعلانیہ دشمن اہل بیت نہ ہوں بلکہ محبت آل محمد بھی رکھتے ہوں اور دوسروں کی ہاں میں بھی ہاں ملا دیتے ہوں جس طرح کمزور عقیدہ والے لوگوں کا دستور ہوا کرتا ہے تو اولاد کے لیے ایسے والدین کے حق میں دعائے بخشش کی مخالفت نہیں ہوگی ۔ واللہ اعلم

عَنْ مَوْعِدَةٍ برویت صافی عیاشی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم سے اس نے (چچا آذر نے) وعدہ کیا تھا کہ میں اسلام لاؤں گا تب حضرت ابراہیم نے اس کے حق میں دعا کی اور جب پتہ چلا کہ یہ دشمن خدا ہے تو اس سے بیزاری اختیار کر لی اور چچا کو مجازاً اب کہا جاتا ہے اسی بنا پر آیت مجیدہ میں چچا پر اب کا اطلاق ہوا ہے

حَلِيمٌ (۱۱۴) وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ

اور صابر تھے اور خدا کی شان نہیں کہ گمراہ کرے کسی قوم کو ہدایت کے بعد یہانتک کہ واضح کرتا ہے

لَهُم مَّا يَتَّقُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۱۱۵) إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ

ان کے لیے وہ احکام جو موجب تقوی ہیں تحقیق اللہ ہر شئی کو جانتا ہے۔ تحقیق اللہ کے لیے ہی ہے ملک

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن

آسمانوں اور زمین کا جلاتا ہے اور مارتا ہے اور نہیں تمہارا اس کے سوا کوئی ولی و مددگار

وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (۱۱۶) لَّقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ

تحقیق توبہ قبول کی اللہ نے نبی اور ان مہاجر و انصار لوگوں کی

الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ

جنہوں نے اس کی پیروی کی تنگی کے زمانہ میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ کج ہوجائیں دل

فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (۱۱۷) وَ

کچھ لوگوں کے ان میں سے پھر ان پر رجوع برحمت فرمایا تحقیق وہ رؤف و رحیم ہے اور

عَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ

ان تین آدمیوں پر جو پیچھے رہ گئے یہانتک کہ جب ان پر زمین تنگ ہو گئی

مَا يَتَّقُونَ یعنی خدا ان کو اپنے اوامر و نواہی سے مطلع فرما دیتا ہے ۔ تاکہ اس کی مخالفت سے بچ سکیں ۔ پس حجت کا تمام کرنا اس پر ضروری ہے

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو غزوہ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اور بعد میں جا کر ملحق ہوئے ۔ جیسے ابوخیثمہ وغیرہ جن کا ذکر قصہ تبوک میں گذر چکا ہے ص۱۰۹

عَلَى الثَّلَاثَةِ یہ ان لوگوں کا قصہ ہے جو سفر تبوک میں آج و کل کرتے ہوئے وقت گذار بیٹھے تھے اور قصہ تبوک میں ان کی توبہ

بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ
باوجود کشادگی کے اور ان کے دل تنگ ہو گئے۔ اور گمان کیا کہ کوئی نہیں جائے پناہ
لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ
اللہ سے مگر اسی کی ہی طرف پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تاکہ نیکی کیطرف پلٹیں
لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۱۹﴾
تحقیق اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

کا واقعہ گذر چکا ہے ص۱۱۱ تنبیہ۔ جہاں یہ فرمایا کہ خدا نے نبی اور مہاجرین و انصار کی توبہ قبول کی وہاں نبی کا ذکر صرف تحسین کلام کے سلیے سے مقصد یہ ہے کہ حضرت نبی علیہ السلام کی برکت اور ان کے وسیلہ سے خدا نے مہاجرین و انصار کی توبہ کو قبول فرمالیا چنانچہ امام علی رضا علیہ السلام سے جو قرأت منقول ہے وہ بِالنَّبِيِّ عَلَى الْمُهَاجِرِينَ ہے۔ یعنی حضور کے وسیلہ سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔

رکوع نمبر۴ صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ آیت مجیدہ میں ایمان والوں سے خطاب ہے۔ یعنی بعد والے دو نو حکم صرف ایمان والوں کے لیے ہی ہیں پس اگر ایمان صحیح نہیں ہوگا تو تقویٰ اختیار کرنا بے معنی ہوگا آیت نمبر۱۱۵ میں خدا نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے لطف و کرم سے بندوں پر ان تمام احکام کو بیان فرماتا ہے جن کی مخالفت ناجائز اور منافیٔ ایمان ہو اور جن کی موافقت تقویٰ ہو اب اس آیت میں فرماتا ہے کہ ایمان والو تقویٰ اختیار کرو۔ تو چونکہ تقویٰ کا اختیار کرنا تقویٰ کے معنی کو سمجھنے پر موقوف ہے اور ہر شخص میں یہ صلاحیت نہیں کہ تقویٰ کا معنی سمجھے اور خود اپنے لیے تقویٰ کا راستہ معین کر کے اس پر گامزن ہو جائے پس خدا نے تقویٰ کا مقصد اور اس کے قوانین کی تفہیم کا بیڑہ خود اٹھایا ہے چنانچہ اس نے اپنی جانب سے ایسے افراد قدسیہ کو منتخب کر کے بھیجا جو ہمیں زبان سے بھی سمجھائیں اور اپنے عمل سے کر کے بھی دکھائیں اور ان کو صادقین کے لقب سے ملقب فرمایا۔ لہٰذا اس آیت مجیدہ میں تمام اہل ایمان کو تقویٰ کی دعوت دینے کے بعد صادقین کے ساتھ ہو جانے کا حکم دے دیا اور یہاں ساتھ ہونے سے مراد اطاعت و پیروی ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۱۹﴾
اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور ہو جاؤ ساتھ سچوں کے

پس ان کی پیروی کر کے ہی ہم تقویٰ اختیار کر سکتے ہیں اور تقویٰ کے ساتھ اپنے دعوائے ایمان میں صداقت پیدا کر سکتے ہیں۔

علامہ حلی نے آیت مجیدہ کو حضرت علی کی خلافت بلافصل کی دلیل قرار دیا ہے اور کتب عامہ سے ثابت کیا کہ اس جگہ صادقین کا مصداق حضرت علی ہیں اور جب آپ ثابت ہو گئے تو ان کے بعد ان کی پشت سے آئمہ اثنا عشر یکے بعد

دیگر صادقین کا مصداق بنتے جائیں گے اور چونکہ آیت تاقیامت زندہ ہے اور اس کا حکم تاقیامت تمام مسلمانوں کے لیے باقی ہے لہٰذا دورِ رسالت مآبؐ میں حضورؐ خود ہی اس کے مصداق تھے۔ اور لوگوں کے لیے معانی تقوٰی کے قولاً و فعلاً سمجھانے والے تھے اور ان کے بعد حضرت علی اور اس کی اولاد امجاد معصومینؑ ہر دور میں یہ فریضہ ادا کرتے رہے پس اس کا مصداق محمدؐ و آل محمدؐ ہی ہیں۔

فخرالدین رازی نے اس آیت مجیدہ کے حکم سے اتنا ضرور سمجھا ہے کہ صادقین سے مراد معصوم ہوں گے۔ کیونکہ جن کی پیروی کا خدا حکم دیتا ہے اگر وہ معصوم نہ ہوں تو ممکن ہے کہ کہیں غلطی کا حکم دے دیں تو ایسی صورت میں خدا کی طرف سے ان کی اطاعت کا حکم نازیبا بلکہ خلافِ شانِ الوہیت ہوگا۔ رازی کی اصل عبارت ملاحظہ فرمایئے تاکہ مطلب سمجھنا آسان ہو۔

انہ تعالیٰ امر المومنین بالکون مع الصّادقین و متی وجب الکون مع الصّادقین فلابد من وجود الصّادقین فی کل وقت۔

خدا نے مومنین کو صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے۔ تو جب صادقین کے ساتھ ہونا واجب ہے تو ہر زمانہ میں صادقین کا پایا جانا ضروری ہے

پھر آگے چل کر اس مطلب کو یوں واضح کرتا ہے۔

ھذا الامر انما یتناول من لیصح منہ ان لایکون متقیا و انما یکون کذٰلک لو کان جائز الخطاء فکانت الآیۃ دالۃ علی ان من کان جائز الخطأ وجب کونہ مقتدیا بمن کان واجب العصمۃ وھم الذین حکم اللہ تعالیٰ بکونھم صٰدقین فھذا یدل علی انہ واجب علی جائز الخطاء کونہ مع المعصوم عن الخطاء حتی یکون المعصوم عن الخطأ مانعا لجائز الخطا عن الخطاء وھٰذا المعنی قائم فی جمیع الازمان فوجب حصولہ فی کل الازمان۔

یہ حکم یعنی تقوٰی کا اختیار کرنا ان لوگوں کو شامل ہے۔ جو خود متقی نہ ہوں اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ جائز الخطا ہوں۔ تو پس آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو جائز الخطا ہو اس پر واجب ہے ایسے شخص کی اقتدا کرنا جو واجب العصمۃ ہو اور وہ وہی لوگ ہیں۔ جن کو خدا نے صادقین کہا ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ جائز الخطا پر معصوم عن الخطا کی پیروی واجب ہے۔ تاکہ معصوم عن الخطا جائز الخطا کو غلطیوں سے روکے۔ اور یہ بات چونکہ ہر زمانہ میں ضروری ہے لہٰذا معصوم کا ہونا ہر زمانہ میں واجب ہے

یہاں تک پہنچنے کے بعد اس نے دیکھا کہ جن لوگوں کو اکثریت نے مذہبی پیشوا بنا رکھا ہے وہ زیور عصمت سے بیگانہ ہیں، اور جو لوگ زیور عصمت سے آراستہ ہیں ان کو گوشہ تنہائی میں بیٹھنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ تو اپنی مفلوج ذہنیت کا یوں مظاہرہ کیا۔

قوله لم لا يجوز ان يكون المراد هو
كون المومن مع المعصوم الموجود فی
كل زمان قلنا نعترف بانه لا بد من معصوم
فی كل زمان الا انا نقول ذلك المعصوم
هو مجموع الامة وانتم تقولون ذلك
المعصوم واحد منهم فنقول هذا الثانی
باطل لانه تعالیٰ اوجب علی كل واحد
من المومنين ان يكون مع الصادقين
وانما يمكنه ذلك لو كان عالما بان ذلك
الصادق من هو لا الجاهل بانه من هو فلو
كان مامورا بالكون معه كان ذلك تكليف
ما لا يطاق وانه لا يجوز لكنا لا نعلم
انسانا معينا موصوفا بوصف العصمة الخ

اگر کوئی پوچھے کہ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ کہ ہر زمانہ میں مومن کو معصوم کے ساتھ ہونے کا حکم ہو۔ تو ہم کہیں گے یہ تو ہم مانتے ہیں کہ ہر زمانہ میں معصوم کا ہونا ضروری ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں۔ کہ وہ معصوم مجموع امت ہے۔ اور تم کہتے ہو۔ کہ معصوم ایک شخص ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ خدا نے تمام مومنین پر واجب قرار دیا ہے۔ کہ صادقین کے ساتھ ہوں۔ اور یہ تب ہو سکتا ہے کہ وہ جانتے ہوں کہ وہ صادق کون ہے؟ نہ کہ وہ اس سے جاہل ہوں۔ ورنہ اس کے ساتھ ہونے کا حکم ناقابل عمل ہو جائے گا۔ اور یہ ناجائز ہے اور ہم کسی انسان کو معین طور پر وصف عصمت سے متصف نہیں جانتے

چونکہ صادقین کے مفہوم سے ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں معصوم ہونا چاہیے کہ صدق سے مراد عام ہے خواہ قول میں خواہ فعل میں اور خواہ اعتقاد میں ہو۔ تو علی الاطلاق صادق وہی ہوگا جو معصوم ہوگا۔ اور استدلال سے بھی رازی نے صادق کی اطاعت کے حکم سے اس کی عصمت کو ثابت کیا۔ اب اہل بیت عصمت سے منہ پھیرنے اور اکثریت کی ہاں میں ہاں ملانے کی خاطر ہی یہ بہانہ تلاش کرنا پڑا کہ ہم ان کو پہچانتے نہیں ہیں۔ لہذا ان کی اطاعت کا حکم نہیں ہو سکتا۔ لہذا صادقین سے مراد اجماع ہے رازی کا یہ مزعومہ چند وجوہ سے باطل و عاطل ہے۔ صاحبان عقل غور فرمائیں۔

maablib.org

(۱) دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ شروع میں کہتا ہے۔ کہ جن کو صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم ہے اور تقوی کا امر ہے وہ وہی ہیں جو جائز الخطا ہوں تو اس منطقی سے کوئی پوچھے کہ فرداً فرداً امت کے تمام افراد جن کو تقوی کا حکم ہے جائز الخطا ہیں تو ان تمام خطا کاروں کا مجموعہ معصوم کیسے بن جائے گا اور تمام دنیا کے گنہگاروں کے مجموعہ کا بے گناہ بن جانا ایک ناقابل فہم بات ہے اور دنیا کا کوئی جاہل انسان بھی اس فلسفہ کا قائل نہیں ہو سکتا۔

(۲) اجماع جب انہی لوگوں کا مجموعی فیصلہ ہے تو معلوم ہوا۔ صادقین مجموع الامت ہے اور جن کو پیروی کا حکم دیا گیا ہے وہ بھی تو مجموع الامت ہے گویا تمام امت کو خود اپنے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ قطعاً باطل ہے۔

(۳) اگر رازی کو یہ اعتراف ہے کہ معصوم کو ہم نے نہیں پہچانا اس لیے ان کی اطاعت کا حکم نہیں ہو سکتا تو کیا وہ امّت کے اجماعی فیصلہ کو پہچان سکتا ہے؟ مثال کے لیے کوئی ایک زمانہ ایسا ثابت کر دے جس میں امت کے تمام افراد نے متفقہ طور پر ایک بات کا فیصلہ کیا ہو۔ چار پانچ یا دس بیس آدمیوں کی بات کو اجماع کہنا آسان ہے۔ لیکن تمام امّت کا اتفاق حاصل کرنا ناممکن ہے۔ لہذا اس کا عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہے۔

(۴) مجموع الامت بقول رازی کے ہے صادق کا مصداق تو چونکہ ہر دور میں صادق اور معصوم ضروری ہے۔ تو گویا ہر دور میں مجموع الامت کا اتفاق و اجماع ہی صادق کا فرد ہوگا اور چونکہ آیت مجیدہ میں صرف ایک صادق نہیں بلکہ صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم ہے تو معنی یہ ہوگا کہ ہو جاؤ مجموع الامت کے مجموعوں کے ساتھ اور یہ ترجمہ ہر صاحب عقل سلیم کے نزدیک بالکل لغو اور بے معنی ہے۔ رازی بیچارہ جہاں بھی اہل بیت عصمت کے حق میں کوئی آیت پاتا ہے تو خود بخود سیخ پا ہو کر اِدھر اُدھر جان چھڑانے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ چنانچہ آیت اولوالامر میں بھی اس نے یہی کھیل کھیلا تھا اگر تعصب کی پٹی آنکھوں پر نہ ہوتی اور اندھی تقلید نے عقل و دماغ پر پردے نہ ڈالے ہوتے۔ تو خود جستجو کرتا اور جوئیندہ یابندہ کے مقولہ کے مطابق اس کو معصوم بھی مل جاتے اور صادقین کے مصداق کا مسئلہ بھی آسانی سے حل ہو جاتا۔ آیت مباہلہ میں خود رازی معترف ہے کہ نصاریٰ کے مقابلہ میں جانے والے محمدؐ، علی، فاطمہ، حسن اور حسین تھے۔ اور آیت مجیدہ کا ذیل فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ببانگِ دہل پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ پانچ نصاریٰ کے مقابلہ میں جانے والے کاذب نہیں اور ان کے مقابلہ والے کاذب ہیں اور نصاریٰ نے جزیہ قبول کر کے ان کی صداقت کو تسلیم کرنے میں ذرا بھر پس و پیش نہ کیا۔ پس جب خدا کی کتاب ان کو صادق کہہ چکی اور تمام مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تو یہ عذر فضول ہے کہ تعیین نہیں ہو سکی کہ صادق کون ہے۔ جس کی پیروی کی جائے۔ نیز آیت تطہیر کے نزول کے متعلق تمام مفسرین کو اعتراف ہے کہ حضور نے علی و فاطمہ و حسن و حسین کو چادر میں داخل کر کے دعا کی اور آیت مجیدہ نازل ہوئی۔ احادیث میں علی مع القرآن اور علی مع الحق والحق معہ کا مضمون متواتر ہے۔ حدیث ثقلین کتب فریقین میں تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود اگر رازی کو صادق کی اور معصوم کی تعیین نہ ہو سکے تو اس کا علاج ہی کیا ہے؟

ہاں اصل بات یہ ہے کہ جن کو اکثریت کی اندھی تقلید میں پھنس کر صدیق بلکہ صدیق اکبر کہہ بیٹھے ان کی عصمت کو تلاش کرنے سے جب مایوس ہوئے تو صرف صادقین کی عصمت پر کیسے ایمان رکھیں کیوں کہ اس معمّہ کا اس کے پاس کوئی حل نہیں ہے کہ خدا نے جن کو اطاعت کا حکم دیا ہے وہ ہیں گنہگار لہذا صادقین وہی ہوں گے جو معصوم ہوں۔ لیکن ادھر کرسیٔ اقتدار کا جائزہ لیا جائے تو صادق بجائے خود جس کو صدّیق اور صدیق اکبر مانا گیا ہے عصمت تو بجائے خود عصمت کی بُو بھی وہاں نہیں ملتی تو اہل بیت کو معصوم ماننے کے بعد چونکہ صدیق اکبر کی صداقت سے دست برداری کرنا پڑتی ہے۔ لہذا

سرے سے معصوم کی تشخیص کا انکار کر دیا تاکہ دین رہے یا نہ رہے کرسی اقتدار پر ضرب نہ پڑے۔

ماکان ۔ تبوک کا قصہ ختم ہونے اور پیغمبر کی مراجعت کے بعد جب عذر خواہی بھی ہو چکی اور توبہ کرنے والوں کی توبہ بھی قبول ہو گئی۔ تو اب بطور سرزنش کے آئندہ کے لیے محتاط رکھنے کے لیے ان کو تنبیہ فرماتا ہے۔ کہ مدینہ والوں یا گرد و نواح کے دیہاتی مومنین کے لیے قطعاً ناجائز ہے کہ رسول کی جان سے اپنی جانوں کو پیارا کریں کہ وہ جنگ کی طرف سفروں کی

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ
نہیں جائز مدینہ والوں کے لیے اور نہ اطراف کے بدؤں کے لیے کہ

أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ
پیچھے رہیں رسول اللہ سے اور نہ یہ کہ پیارا کریں اپنے نفسوں کو اُن کے نفس سے

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي
یہ اس لیے کہ نہیں پہنچتی ان کو پیاس نہ تکلیف اور نہ بھوک راہ

سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ
خدا میں اور نہیں طے کرتے ایسے مقام کو جس سے کفار کو غصہ آتا ہو اور نہیں دکھ

مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا
سہتے دشمن سے مگر لکھی جاتی ہے ان کے لیے اس کے بدلہ میں نیکی تحقیق اللہ نہیں

يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (۱۲۰) وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا
ضائع کرتا بدلہ نیکی کرنیوالوں کا اور نہیں خرچ کرتے کوئی خرچ چھوٹا یا

كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ
بڑا اور نہ طے کرتے ہیں کسی وادی کو مگر لکھا جاتا ہے تاکہ ان کو بدلہ دے خدا بہترین اس کا

صعوبتیں برداشت کریں۔ اور یہ آرام سے گھر میں بیٹھے رہیں۔ وہ تو ان کے محسن ہیں۔ جنہوں نے کفر کی تاریکی سے نکال کر انہیں اسلام کی اوج رفعت تک پہنچایا ہے۔ لہذا ان کی احسان شناسی اس طرح ہونی چاہیے کہ اپنا سب کچھ ان کی خاطر قربان کر دیں اور پھر بھی ان کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی، بلکہ ان کی معمولی سے معمولی تکلیف کا بھی جو راہ خدا میں ان کو پہنچے گی۔ ان کو بہت اچھا بدلہ دیا جائے گا۔

لا یطئون یعنی دشمن کی زمین میں جہاں بھی قدم رکھیں گے تو کفار کو تو غصہ آئے گا۔ پس اس صورت میں جو بھی ان کو تکلیف پہنچے گی خدا اس کا بدلہ دے گا۔

لاینالون ۔ نیل سے ہے جس کا معنی ہوتا ہے پانا اور مراد یہاں جانی یا مالی یا زبانی یا کسی قسم کی تکلیف کا پہنچنا ہے

آیت نفر ۔ آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ لیکن آیت کے ظاہری معنی کے لحاظ سے سب سے موزوں ترین یہ ہے کہ یہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو سب کے سب گھروں کو تنہا چھوڑ کر مسائل دین سیکھنے کے لیے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوتے تھے اور تکالیف شاقہ اپنے اوپر برداشت کرتے تھے تو ان کی سہولت کی خاطر ارشاد ہوا کہ تم سب کے سب یہ تکالیف برداشت نہ کرو بلکہ تمہارے ہر قبیلہ میں سے چند آدمی خدمتِ نبوی میں آجایا کریں اور مسائل دین سیکھ کر واپس جائیں اور اپنی اپنی قوم و قبیلہ میں آکر بیان کریں اور غلطی کرنے والوں کو عذابِ خداوندی سے ڈرائیں تاکہ وہ خوفِ خدا کریں تو آیت مجیدہ ہر قوم کے لیے طلب علم دین کے وجوب کو ثابت کرتی ہے

أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۲۱) وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا

جو وہ عمل کرتے ہیں اور نہیں مناسب مومنوں کے لیے کہ کوچ کریں سب کے

كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

سب پس ایسا کیوں نہیں کہ کوچ کرے ہر قوم سے ایک ایک گروہ کہ تعلیم حاصل کریں دین کی

وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (۱۲۲)

تاکہ ڈرائیں اپنی اپنی قوم کو جب واپس آئیں ان کی طرف تاکہ وہ لوگ ڈریں ۔

علمائے اصول نے اس آیت کو خبر واحد کی حجیت کی دلیل قرار دیا ہے کیوں کہ شروع میں لولا کلمہ تحضیض ہے جو علم دین سیکھنے کے وجوب کو ثابت کرتا ہے۔ چنانچہ روایات اہل بیت میں آئمہ نے وجوب تحصیل علم کے اثبات میں اسی آیۂ مجیدہ کو پیش کیا ہے۔ جب تحصیل علم اور تفقہ فی الدین واجب ثابت ہوا تو اس کی غرض و غایت جو آیت میں ہے، وہ ہے انذار و تبلیغ قوم جس طرح کہ لِيُنْذِرُوا کے صیغہ سے ظاہر ہے پس جب تحصیل علم واجب ہے۔ تو اس کی غرض و غایت انذار و تبلیغ بھی یقیناً واجب ہوگی ۔ کیوں کہ غرض و غایت واجب نہ ہونے کی صورت میں تحصیل علم کا وجوب بے معنی ہو جائے گا۔ اور انذار و تبلیغ کی غایت و انجام ہے۔ قوم و قبیلہ کا دل میں خوفِ خدا محسوس کرنا اور ان کے وعظ و نصیحت کا قبول کرنا کیونکہ اگر ان پر ان کا وعظ و ذکر واجب القبول نہ ہو تو ان کے انذار و تبلیغ کا واجب ہونا بے معنی ہوگا پس اس سے ثابت ہوا کہ جب خبر دینے والا عادل ہو تو اس کی بات کا قبول کرنا واجب ہے کیونکہ ہر ہر قبیلہ میں وہ انذار کرنے والا تو ایک ایک فرد ہی ہوگا جن کی بات کو قبیلہ والے قبول کریں گے۔ پس خبر واحد کی حجیت ثابت ہو گئی۔

بعضوں نے کہا ہے کہ آیت غزوہ تبوک کے بعد اتری ہے اور مومنین جب تخلف کرنے والوں کا حشر دیکھ چکے تھے اور پیچھے رہنے والوں کے حق میں قرآن کی متعدد آیات سن چکے تھے تو بعد میں جو غزوہ پیش آتا تھا سب کے سب چل پڑتے تھے۔ اور رسول خدا بعد میں تنہا رہ جاتے تھے تو خداوند کریم نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا کہ مومنین کے لیے یہ درست

نہیں کہ سب کے سب چلے جائیں بلکہ انہیں اس طرح کرنا چاہیے کہ ہر ہر قوم سے ایک ایک گروہ جائے۔ اور وہ دشمنوں پر فتح و نصرت اور تائید خداوندی کے مظاہر اور دین مبین کی سربلندی کے اسباب ہیں فقہ و بصیرت حاصل کرے اور واپس آکر اپنی اپنی قوم و قبیلہ کو چشم دید واقعات سنا کر انہیں مخالفت اسلام سے روکے اور زیادہ سے زیادہ ان کو دین کا ہمنوا بناتے۔ پس اس صورت میں نہ انذار کا وجوب ہے اور نہ حذر کا وجوب بلکہ صرف بطور ارشاد کے ہے۔ کہ جب وہ چشم دید قصہ بیان کریں گے تو فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ جلد اور زیادہ متاثر ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش ہوں گے پس اس صورت میں یہ آیت حجیت خبر واحد کی دلیل نہ بن سکے گی۔ تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ کہ اولاً تو یہ آیت جنگ سے متعلق نہیں ہے کیونکہ جنگ کی آیتوں کے درمیان اس کا آجانا اس کی دلیل نہیں بن سکتا اور ثانیاً اگر جنگ کے متعلق ہو بھی تو ہر ہر قبیلہ سے تھوڑے تھوڑے آدمی جانے کا کیا مقصد ہے بلکہ رسول کی تنہائی تو اس سے بھی دور ہو سکتی ہے۔ کہ صرف ایک قبیلہ کے چند آدمی پیچھے رہ جائیں۔ اور باقی قبیلے سب کے سب چلے جائیں۔ پس اگر جنگ کے لیے ہے۔ تو مقصد یہ ہے۔ کہ سب کے سب ادھر کیوں چلے جاتے ہیں بلکہ کم از کم ہر قبیلے سے ایک ایک گروہ تو دینی مسائل حاصل کرنے کے لیے بھی کوچ کرے تاکہ باقیوں کو واپس آنے پر مسائل دین سے روشناس کرائے۔ پس اس صورت میں خبر واحد کی حجیت سابق تقریب سے ثابت ہو جائے گی

اجتہاد و تقلید

اگر اس آیت میں غور کیا جائے تو وجوب اجتہاد و تقلید پر دلالت صاف ظاہر ہے۔ کیونکہ آیت مجیدہ کا صاف اور صریح مقصد دین میں فقہ و بصیرت حاصل کرنے پر زور دینا ہے اور پھر جا کر لوگوں کو مسائل دین سے آگاہ کرنے کا حکم ہے اور جب مجتہدین پر احکام دین کا بیان کرنا اور مسائل شرعیہ کا بتانا واجب ہوا تو لوگوں پر ان کا قبول کرنا بھی واجب ہو جائے گا۔ کیوں کہ ان پر اگر قبول واجب نہ ہو تو ان پر بیان کرنے کا وجوب بے معنی ہوگا لہٰذا حجیت خبر واحد کی اس آیت کو دلیل قرار دینا خود بخود کمزور ہو جائے گا کیونکہ حجیت خبر واحد کا مقصد یہ ہے کہ مجتہد اور فقیہ کے لیے کسی راوی کی نقل بانسبت قابل قبول ہے اور آیت اس کے برعکس اس مطلب کو ثابت کرتی ہے کہ عوام کے لیے مجتہد اور فقیہ کی بات واجب القبول ہے۔ یعنی آیت کہتی ہے کہ جب خبر دینے والا فقیہ و مجتہد ہو اور سننے والا ایسا نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس کی بات قبول کرے اور حجیت خبر واحد کہتی ہے کہ خبر دینے والا غیر مجتہد و غیر فقیہ ہو۔ اور مجتہد اور فقیہ استنباط مسائل شرعیہ میں اس کی خبر کو قبول کریں۔

آیت مجیدہ کا وجوب تحصیل علوم شرعیہ پر دلالت کرنا احادیث اہل بیت ؑ سے بالتواتر ثابت ہے۔ اور ظاہر آیت ممکن ہے کسی ایک حادثہ یا مخصوص واقعہ سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن قیامت تک کے لیے اس کا باقی رہنا اور اس کی تاویل و باطن کا جاری رہنا لامحالہ وجوب تحصیل علم پر دلالت کرتا ہے جس کی تائید معصومین کی فرمائشات اور عمل علماء سے صاف ظاہر ہے

پس اگر ہر جماعت و قوم میں سے ایک ایک گروہ کے لیے دین میں بصیرت و تفقہ اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد حاصل کرنے کا حکم ہے تو اس کا صاف و صریح مطلب یہ ہے کہ تقلید اعلم کا وجوب ساقط ہے۔ کیونکہ اس صورت میں انذار کا حکم صرف اعلم کی طرف ہی متوجہ ہوگا۔ اور عوام کے لیے اسی کا ہی قول واجب القبول ہوگا۔ نہ غیر اعلم فقہا۔ پر انذار عائد ہوگا۔ اور نہ عوام پر ان کی بات کا قبول کرنا ضروری ہوگا۔ پس اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر ہر قوم سے ایک ایک جماعت کے لیے تفقہ اور اجتہاد کا وجوب بھی ساقط ہو جائے گا۔ بلکہ ہر دور میں صرف ایک ہی فقیہ کا ہونا ضروری ہوگا۔ جس پر انذار واجب ہو اور عوام پر اس کے حکم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہو۔ ورنہ یہ بات بعید از فہم بلکہ سراسر ناانصافی ہے کہ سیکھنا ہر قوم و قبیلہ کی ایک ایک جماعت پر واجب ہو اور تبلیغ بھی ہر فقیہ پر ضروری ہو لیکن عوام کے لیے ان میں سے ایک کا قول ہی قابل قبول ہو۔ آیت مجیدہ میں حکم عمومی اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دعوت اجتہاد اس لیے دی گئی ہے کہ عوام الناس کو دین کے سیکھنے اور سمجھنے میں سہولت رہے اور مجتہد کے لیے بھی اپنی آواز کا پہنچانا آسان ہو ورنہ اگر دنیا بھر میں صرف ایک شخص ہی دنیا بھر کے مومنین کے لیے واجب التقلید ٹھہرے تو نت نئے پیش آمدہ مسائل سے اس کا عہدہ برا ہونا بھی مشکل بلکہ ناممکن ہوگا اور لوگوں کے لیے عمل میں جو دشواریاں پیش آئیں گی ان کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ پس جو مجتہد جس قوم میں ہو اس قوم پر اس کا فتویٰ حجت ہوگا۔ ہاں البتہ اگر ایک جگہ متعدد مجتہد اور صاحبان فتویٰ موجود ہوں تو ان میں سے الاعلم فالاعلم کی رعایت کرنا قابل فہم بھی ہے اور قرین عقل بھی لیکن ایسا نہ ہونے کی صورت میں خواہ مخواہ ایک کی طرف رجوع کا حکم تقریباً تکلیف مالایطاق کے مترادف ہے۔ اور آئمہ کے زمانہ میں دور دور کے لوگوں کو اپنے اپنے قریب ترین علماء کی طرف رجوع کرنے اور مسائل سیکھنے کا حکم ہمارے قول کی تائید کے لیے کافی ہے۔ اور اس کے شواہد بہت کافی ہیں۔ مقدمہ تفسیر میں مسئلہ تقلید اعلم کے بیان میں مفصل بیان کیا گیا ہے جس میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ ہر جامع الشرائط مجتہد کی تقلید جائز ہے اور تقلید اعلم کا وجوب بالکل بلا دلیل اور ناقابل فہم ہونے کے علاوہ ناقابل عمل بھی ہے۔

رکوع نمبر ۵

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا
اے ایمان والو لڑو ان سے جو تمہارے قریب ہیں کفار میں سے اور چاہیے کہ وہ تم
فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (۱۲۳)
میں شجاعت محسوس کریں اور جان لو تحقیق اللہ متقین کے ساتھ ہے

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ اس آیت مجیدہ میں تمام اہل ایمان کو اپنی اپنی سرحدوں کے قریب ترین کفار سے جہاد کا حکم ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں جرأت و شجاعت اور سختی و تلخی کے مظاہرے کا فرمان ہے۔ تاکہ ان پر رعب طاری ہو جائے۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ
اور جب کہ کوئی سورہ اترے تو بعض ان (منافقین) سے کہتے ہیں - اس نے
زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ
کس کا ایمان زیادہ کر دیا ہر حال جو مومن ہیں تو ان کے ایمان تو زیادہ
اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
کرتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور لیکن جن کے دلوں میں
مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا
مرض ہے تو ان کا کفر اور کفر کے ساتھ بڑھاتی ہے اور ایسے لوگ
وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ
مرے تو بھی کافر ہو کر کیا تم دیکھتے نہیں کہ تحقیق وہ آزمائے جاتے ہیں
فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ
ہر سال ایک یا دو دفعہ پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے
يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ
ہیں اور جب اترے کوئی سورہ تو بعض ان کے دوسرے کیطرف

وَاِذَا مَا چونکہ ایک مقام پر خدا کا فرمان ہے کہ جب قرآن کی آیتیں اترتی ہیں تو مومنوں کے ایمان زیادہ ہوتے ہیں تو منافقین نے اس سے استہزاء کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب بھی کوئی آیت اترتی تھی تو ایک دوسرے سے یا مومنین سے مسخری کے طور پر پوچھا کرتے تھے کہ تم میں سے اس آیت کے اترنے سے کس کا ایمان بڑھا ہے پس خدا ان کے قول کی تردید فرما رہا ہے۔ کہ بے شک مومنوں کے ایمان میں یقین قلب اور سکون نفس کا اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کے دل نفاق کی مرض کا شکار ہیں ان کے سابق کفر کے ساتھ اور کفر کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ پہلے بھی نجس ہوتے ہیں پھر بار بار کے انکار سے ان کے دل زیادہ سے زیادہ نجس ہوتے جاتے ہیں۔ اور وہ کافر ہو کر ہی مرتے ہیں۔

اَوَلَا يَرَوْنَ مقصد یہ ہے کہ وہ ہر سال ایک یا دو دفعہ امتحان لیے جاتے ہیں یعنی کفار کیساتھ جہاد میں ان کو ظاہراً اپنے مال و جان کی حفاظت کی خاطر شریک ہونا پڑتا ہے۔ پس مومنین کی قوت و شوکت کو دیکھتے ہیں اور کفار کی ذلت کا ملاحظہ بھی کرتے ہیں۔ یا یہ کہ ان کی بد باطنی اور منافقت کا پردہ چاک بھی کیا جاتا ہے اور مسلمانوں میں لبا اڈتا

رسوائے عام بھی ہوتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ وہ توبہ نہیں کر لیتے اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ (۱۲۶) یعنی جب قرآن مجید کی کوئی تازہ سورت اترے تو منافقین جو ایک دوسرے کے قریب یا دور بیٹھے ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کے ساتھ آنکھوں کے اشاروں اشاروں میں باتیں کر لیتے ہیں کہ آیا کوئی ہمیں دیکھنے والا تو نہیں ہے۔ پس اگر جانیں کہ کوئی نہیں دیکھتا تو اسی مشغلہ میں لگے رہتے ہیں کہ آنکھوں کے اشاروں سے آیات پر تمسخر کرتے ہیں اور جب معلوم کر لیں کہ کوئی دیکھ رہا ہے۔ تو پہلو بدلا لیتے ہیں اور چپ ہو جاتے ہیں۔ رہا یہ کہ جب

اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ

گھورتے ہیں۔ کہ کوئی دیکھتا تو نہیں پھر چلے جاتے ہیں پھیر لیا خدا نے ان کے دلوں کو وہ

قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (۱۲۷) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ

ایسی قوم ہیں جو نہیں سمجھتے تحقیق تمہارے پاس رسول

مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ

تم ہی میں سے آیا ناگوار ہے اس کو تمہاری تکلیف حرص کرتا ہے تمہارے اوپر

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۱۲۸) فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۫

کہ مسلمان ہو جاؤ اور مومنین پر رؤف و رحیم ہے پس اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دے کہ مجھے کافی ہے اللہ

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (۱۲۹)

نہیں کوئی لائق عبادت سوائے اس کے اس پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

جانتے ہیں کہ ہماری طرف کسی کا خیال نہیں ہے۔ تو درمیان میں سے آہستہ آہستہ کھسک کر چلے جاتے ہیں تاکہ کوئی آیت ایسی نہ ہو جس میں ہماری تذلیل ہو۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ۔ عربوں کو غیرت دلائی گئی ہے کہ یہ رسول تمہاری قوم میں سے یا تمہاری جنس میں سے یا تمہارے ملک میں سے تم میں مبعوث ہوا ہے تم نے اس کے بچپنے جوانی بلکہ پوری زندگی کا پورا پورا مطالعہ کیا ہے اگر اس میں کوئی نقص ہوتا تو تم سے اوجھل نہ ہوتا پس جب کوئی عیب اس میں نہیں ہے تو سمجھو کہ وہ تمہاری خیر خواہی کرتا ہے اور تمہارے فائدہ کے لیے ہی تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہے اور تمہارے ساتھ انتہائی مہربانی کا برتاؤ کرتا ہے۔ پس تم پر واجب ہے کہ اس کی بات مانو اور اس کے حکم کی حتی الامکان اطاعت کرو۔

(سلامتی کے لیے ورد)

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس سورہ کی آخری آیت قرآن کی سب سے آخری آیت ہے جو آسمان سے آخر میں اتری ہے اور قرآن کی سورت کاملہ جو سب سے آخر اتری وہ یہی سورہ برأة ہے تفسیر جامع میں بروایت اصبغ ابن نباتہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ گھر سے روانگی کے وقت سورۂ برأة کی آخری دو آیتیں پڑھ کر انسان روانہ ہو تو حیوانات و درندوں کے خطرہ سے محفوظ رہتا ہے۔ سورۂ برأة کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ رب العالمین

سورہ یونس

اس سورہ مبارکہ میں ایک سو نو آیتیں ہیں ۔ اور بقول صاحب تفسیر جامع کے ۱۸۳۲ کلمات اور ۷۵۳۲ حروف ہیں ۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اس سورہ کو دو ماہ یا تین ماہ میں پڑھے تو وہ جاہلوں سے نہ ہوگا اور قیامت کے روز مقربین میں سے ہوگا ۔

تفسیر جامع میں کتاب خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا، اس کے نامہ اعمال میں حضرت یونس کی تصدیق و تکذیب کرنے والوں کی تعداد کے برابر نیکیاں درج ہونگی اگر اس سورہ کو لکھ کر نیچے ان افراد خانہ کے نام لکھے جو اس گھر میں ہوں اور اس نوشتہ کو گھر کے اندر رکھے تو ان ناموں والے اشخاص میں سے جس کے ذمہ کوئی قصور ہوگا وہ ظاہر ہو جائے گا ۔ چنانچہ اگر اس سورہ کو طشت میں لکھ کر دھویا جائے اور اس پانی سے آٹا خمیر کر کے روٹی پکائی جائے (بشرطیکہ مشتبہ لوگوں کے نام بھی سورہ کے نیچے لکھے جائیں) پس وہ پکی ہوئی روٹی ان لوگوں کو کھلائی جائے، تو جو بھی ان میں سے چور ہوگا وہ لقمہ اس کے حلق میں پھنس جائے گا اور اس کو نہ کھا سکے گا ۔ اور اگر کھا لیا تو چوری کا اقرار ضرور کرے گا ۔

maablib.org

رکوع نمبر ۶

الرٰ - یہ حروف مقطعات قرآنیہ میں سے ہے۔

الحکیم - یعنی محکم - اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیات سب محکم ہیں اور دوسری جگہ اس کی بعض آیات کو متشابہ بھی فرمایا اس مسئلہ کی مکمل تحقیق ہم تفسیر انوار النجف کی تیسری جلد ص ۱۹۱ تا ص ۱۹۵ بیان کر چکے ہیں

ضرورت نبی - اکان للناس - چونکہ انسان تدبیر نفس اور تدبیر منزل اور سیاست مدینہ میں عقل کی رو سے ایک خاص نظام پر چلنے کا محتاج ہے اور اپنے معبود حقیقی کے سامنے فریضہ عبدیت کے نبھانے کا طریق کار بھی اس کو مہیا کرنا ہے اور یہ سب کچھ براہ راست نہ تو اپنی عقل سے طے کر سکتا ہے اس لیے کہ وہ اوہام و شہوات و خواہشات و اغراض و حرص و ہوس وغیرہ قوائے کثیرہ پر ہمہ گیر غلبہ پانے سے قاصر ہے لہذا اس کے طے کردہ اصول و قوانین ان قوائے مذکورہ کے یا ان میں سے بعض کے اشارے سے وضع شدہ ہونے کی حیثیت سے مبنی بر انصاف نہ ہوں گے اور نہ اس میں اس قدر صفائے باطن اور قوت قدسیہ ہے کہ براہ راست اپنے خالق سے رابطہ قائم کر سکے پس خدائے علیم و حکیم نے اس بندۂ عاجز پر اپنا لطف و کرم عام کرتے ہوئے اپنی جانب سے نمایندے بھیج کر ان کو انسانوں کے لیے ایک ضابطہ حیات عطا فرمایا جس کا نام اسلام رکھا اور انہیں ضروریات زندگی انسانی میں جملہ شعبہ جات پر حاوی مفصل احکام کے رواج دینے کی ہدایت کی اور تمام انسانوں کو اس کی دعوت عام دی اور حضرت رسالت مآب ان تمام خدائی نمایندوں کے سردار و حاکم اور سب سے افضل ہیں اور ان کا لایا ہوا پیغام کامل اور ان کے بیان کردہ اصول و احکام اور فروع و مسائل لازوال مصالح پر مبنی ہیں جن پر عمل کر کے انسان دنیا و آخرت میں فلاح حاصل کر سکتا ہے اور جونہی حضور نے نجات انسانی کا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ساتھ نام اللہ کے جو رحمن و رحیم ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۱ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا

الر - یہ محکم کتاب کی آیتیں ہیں کیا لوگوں کے لیے باعث تعجب ہے

اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

کہ ہم نے وحی کی ایک بندے کی طرف ان میں سے کہ ڈرا لوگوں کو اور خوشخبری دے ان کو

اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ

جو ایمان لائے تحقیق ان کے لیے اچھا اجر ہے نزدیک ان کے رب کے تو کہنے لگے کافر

یہ مژدہ سنایا تو کفار قریش نے اپنی نااہلیت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ واہ خدا نے ان کو کیسے بھیجا حالانکہ یہ تو ہم جیسا ہے پس آیت مجیدہ میں ان کے اس قول کی تردید ہے۔

قَدَمَ صِدْقٍ کہتے ہیں کہ آقا کا اچھا فعل ید سے تعبیر کیا جاتا ہے اور غلام کا اچھا فعل قدم سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ غلام و آقا کے مراتب کا فرق ذہن نشین رہے اور اس جگہ قدم صدق سے مراد ان کا وہ اجر ہے جو ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے ان کو ملے گا۔ روایات اہلبیت میں قدم صدق سے محمد و آل محمد کی شفاعت بھی مراد لی گئی ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ آیت مجیدہ کی ضروری تفسیر اسی کتاب کی چھٹی جلد ص۲۱ و ص۴۲ پر گذر چکی ہے اور اسی جلد میں پارہ ۱۲ کے رکوع ۱ میں بھی بیان ہوگا۔

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ
تحقیق یہ جادوگر ہے صاف ۔ تحقیق تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کیا
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى
آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا عرش
الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ
پر وہ تدبیر کرتا ہے انتظام کی کوئی نہیں شفاعت کرنے والا مگر اس کی اجازت سے
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③ اِلَيْهِ
یہ اللہ ہی تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو کیا تم نہیں سوچتے اس کی
مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ
جانب تمہاری سب کی بازگشت ہے اللہ کا وعدہ حق ہے۔ تحقیق اس نے ایجاد کی مخلوق
ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
پھر اس کو پلٹا بھیجگا تاکہ جزا دے ان کو جنہوں نے ایمان لا کر عمل نیک کیے۔

دلائل بر وجود خدا

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ یعنی تمام نظام عالم کی تدبیر اسی کے علم و حکمت کا ہی نتیجہ ہے اگر چاہتا تو کائنات کی ہر چیز کو بتعبیر کن فیکون ایک لمحہ میں خلق فرما دیتا۔ لیکن بھنے والے کہہ دیتے کہ یہ تخلیق اتفاقی ہے پس اس نے ایک نظام اور تدبیر محکم کے ماتحت ہی آسمانوں زمینوں کی خلقت کو چھ دنوں میں اور مثلاً انسان کی خلقت کو دس ماہ میں اور کسی کو کم مدت میں اور کسی کو زیادہ مدت میں مکمل کیا تاکہ عقل سلیم کے لیے اس کے مصالح و مفاسد پر مبنی نظام کا سمجھنا آسان ہو جائے جس سے وجود و توحید

maablib.org

خالق کے اقرار تک راستہ ہموار بن جائے۔

مَا مِنْ شَفِیْعٍ ۱۴۶ یہاں شفاعت کا تذکرہ درمیان میں جملہ معترضہ کی حیثیت سے ہے کہ کفار کا یہ خیال تھا کہ اللہ کے سامنے ہمارے بت ہماری شفاعت کریں گے تو اس کی تردید ہے کہ وہاں تو نبی بھی بغیر اذن کے شفاعت کا حق نہیں رکھتے چہ جائیکہ یہ بت شفاعت کریں۔

فَاعْبُدُوْهُ ۱۴۷ اپنی خالقیت حکمت، تدبیر اور علم و قدرت کو مختصر اور جامع الفاظ میں سمجھانے کے بعد فرماتا ہے کہ تمہارا خدا یہ ہے جس کی شان یہ ہے پس اسی کی ہی عبادت کرو اور پھر یہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ فاعل موجب نہیں تاکہ تم یہ سمجھو کہ اس نے پیدا کر دیا ہے بس اب ہم خود مختار ہیں اور ہماری باز پرس کوئی نہ ہوگی بلکہ وہ فاعل مختار ہے۔ جس طرح اس نے اپنے اختیار سے پیدا کیا ہے وہ تمہیں فنا بھی کر سکتا ہے اور پھر تمہاری اسی کی طرف بازگشت ہوگی۔ اور تمہارے اعمال کا جائزہ لے کر نیکیوں کی جزا اور برائیوں کی سزا بھی دے گا۔ لہذا اس کے سوا کسی اور کی عبادت و اطاعت نہ کرو یعنی کسی کی اطاعت کے لیے جو داعی ہونے چاہییں وہ اس میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اگر محسن کی اطاعت ضروری ہے تو اس سے بڑھ کر کوئی محسن نہیں ہے۔ اور اگر طمع سے اطاعت کی جاتی ہے تو اس سے بڑھ کر کسی کے پاس انعام و اکرام نہیں اور اگر ڈر موجب اطاعت ہے تو اس کی سزا، اور گرفت کے مقابلہ میں کسی کی سزا نہیں ہو سکتی پس جب اس میں ہر حیثیت سے معبودیت کا داعی موجود ہے تو اسی کی ہی اطاعت کرنی چاہیے۔

بِالْقِسْطِ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌ

ساتھ عدل کے اور جو کافر ہیں ان کے لیے کھولتا ہوا پانی اور عذاب دردناک ہوگا

بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ

بوجہ کفر کے وہ وہ ہے جس نے سورج کو روشنی اور چاند کو چاندنی دی اور

قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ

مقرر کیا اس کو منزلوں میں تاکہ جانو تم سالوں کا عدد اور حساب نہیں پیدا کیا اللہ نے یہ

اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ

مگر حق کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے اس قوم کے لیے جو سمجھیں تحقیق شب و روز کے اختلاف

وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾

میں اور وہ جو پیدا کیا اللہ نے آسمان و زمین البتہ آیات ہیں تقوی رکھنے والے لوگوں کے لیے

هُوَ الَّذِیْ ۱۴۸ تفسیر جامع میں اس کا شان نزول اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ کفار نے حضرت پیغمبر سے یہ درخواست

کی تھی کہ اگر آپ خداوند کریم کے وجود اور اس کی توحید پر واضح علامتیں اور نشانیاں ہمیں بتائیں تو ہم آپ پر ایمان لانے میں کوئی تامل نہ کریں گے پس یہ آیات نازل ہوئیں۔ یعنی خدا وہ ہے جس نے سورج کو روشنی اور چاند کو تابانی عطا فرمائی اور اس کے لیے منزلیں مقدر فرمائیں۔ الخ

علامہ مفتی جعفر حسین صاحب مدظلہ کی دلچسپ اور پر از معنی تحقیق

محمدیہ جنتری ۱۹۶۶ء۔ دعائے رویت ہلال کے عنوان سے اپنے بیان میں فرماتے ہیں: "اس سلسلہ میں ہیئت والوں نے جو معلومات بہم پہنچائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین سے چاند کا فاصلہ مستقل نہیں ہوتا بلکہ کم و بیش ہوتا رہتا ہے چنانچہ اس کا اوسط فاصلہ ۲ لاکھ ۳۸ ہزار ۸ سو ۶۰ میل ہے اور زیادہ سے زیادہ ۲ لاکھ ۵۲ ہزار ۷ سو ۱۰ میل اور کم سے کم ۲ لاکھ ۲۱ ہزار ۴ سو ۶۳ میل ہے اور قطر ۲ ہزار ایک سو ۶۳ میل ہے۔ یہ دو ہزار ۲ سو ۸ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کر رہا ہے۔ اور ایک ایسے زاویے پر واقع ہے کہ اس کا ۲/۵ حصہ ہمیشہ اہل زمین کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ اس میں گہرے گڑھے جھلسے ہوئے چٹیل میدان اور سنگلاخ پہاڑ ہیں جن کی چوٹیاں ۵ ہزار فٹ سے ۱۸ ہزار فٹ تک بلند ہیں اور بعض ہیئت دانوں کا اندازہ ۳۰ ہزار فٹ تک کا بھی ہے اس کی کشش زمین کی بہ نسبت ۱/۶ حصہ ہے۔ اس طرح کہ اگر زمین پر ایک انسان کا وزن ۱۷۵ پونڈ ہوگا تو چاند پر اس کا وزن ۲۹½ پونڈ رہ جائیگا اور اس کے جس حصہ پر سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں وہاں کا درجہ حرارت ۱۳۰ سنٹی گریڈ ہوتا ہے اور جس حصہ پر شعاعیں نہیں پڑتیں وہاں صفر سے ۱۲۰ درجہ سنٹی گریڈ کم ہو جاتا ہے۔ اس میں نہ سبزہ و روئیدگی کے نشان ہیں نہ پانی کا وجود اور نہ ہوا کا گذر ہے یہ تیرہ و تار ایک سورج سے روشنی مستعار لیتا ہے اور یہی روشنی منعکس ہو کر ہماری راتوں کو روشن اور کرۂ زمین کو حسن و رعنائی کے جلووں سے معمور کر دیتی ہے۔ بعض علماء نے ارشاد الٰہی هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا (یعنی اس نے سورج کو ضیا بار اور قمر کو روشن قرار دیا ہے) سے سورج کی روشنی کے اصلی اور چاند کی روشنی کے اکتسابی ہونے پر استدلال کیا ہے اس طرح کہ قدرت نے سورج کے لیے ضیا اور چاند کے لیے نور کی لفظ استعمال کی ہے اور ضیا و نور میں اصلی و اکتسابی ہی کا فرق ہے چنانچہ صاحب ریاض السالکین تحریر فرماتے ہیں قال المتکلمون القائم بالمعنی لذاتہ ھو الضوء کما فی الشمس و بالمعنی لغیرہ ھو النور کما فی القمر (متکلمین کا قول ہے کہ جو چیز خود سے روشن ہو وہ ضو ہے جیسے سورج اور جو دوسرے سے روشن ہو وہ نور ہے جیسے قمر"

قَدَّرَهُ مَنَازِلَ ممکن ہے کہ ضمیر کا مرجع کُلٌّ وَاحِدٌ ہو یعنی سورج اور چاند دونوں میں سے ہر ایک کے لیے منازل مقرر فرمائیں اور یہ بھی ممکن ہے ضمیر کا مرجع صرف قمر ہو اور منازل قمر ۲۸ ہیں شرطین، بطین، ثریا، دبران، ہقعہ، ہنعہ، ذراع، نثرہ، طرفہ، جبہہ، زبرہ، صرفہ، عوا، سماک، غفر، زبانا، اکلیل، قلب، شولہ، نعایم، بلدہ، ذابح، بلع

سعود[24]، سعد الاخبیہ[25]، فرع دلو مقدم[26]، فرع دلو موخر[27]، بطن الحوت[28]

تفسیر جامع میں ہے کہ چاند کی تین قسم کی گردشیں ہیں، تبعی، انتقالی اور وضعی پہلی گردش یہ ہے کہ زمین جب سورج کے گرد گھومتی ہے اور چاند بھی اس کے تابع ہو کر سورج کے گرد چکر لگاتا ہے پس چاند کی یہ گردش چونکہ زمین کے تابع ہے لہٰذا اس کو تبعی سمجھتے ہیں دوسری گردش وہ ہے جو زمین کے گرد ۲۷ دن ۷ گھنٹے ۴۳ منٹ میں ایک چکر پورا کرتا ہے۔ اور اس کی یہ گردش انتقالی ہے اور تیسری وہ جو اپنے محور پر گردش کرتا ہے اور وہ اس کی وضعی گردش ہے اور زمین و چاند کے درمیان اسی طرح کشش موجود ہے جس طرح کہ زمین اور سورج کے درمیان موجود ہے۔ علم ہیئت قدیم والے زمین کے سورج کے گرد گھومنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ زمین کو ساکن مانتے ہیں اور چاند و سورج کی اس کے گرد گردش کے قائل ہیں اس لحاظ سے چاند کی تبعی گردش وہ ہوگی جو سورج کے تابع ہو کر وہ زمین کے گرد کرتا ہے۔

علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ چاند و سورج کی تخلیق و تقدیر میں خدا کی توحید پر بہت زبردست دلائل و براہین موجود ہیں مثلاً ان کی تخلیق دن میں ضیاء و نور کی تفویض، ان کی گردشیں، باہمی کشش، فاصلہ قرب و بعد، ان کی مشارق، مغارب کسوف، خسوف، عنبا باری، گرمی و سردی میں الگ الگ تاثیرات، نشو و نما نباتات، پھلوں کا پکنا۔ پھر قمر میں ہلال، بدر محاق وغیرہ ان میں سے ہر ایک غور و فکر کے لیے ایک وسیع و عریض میدان رکھتا ہے اور ان کے حالات میں جس قدر تعمق ہوگا اسی قدر خالق کی معرفت اور اس کی عجیب صنعت اور کمال حکمت کے لازوال ذخائر دستیاب ہوتے جائیں گے لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ یعنی سورج اور چاند کی منازل کی تعیین فرمائی تاکہ تم حساب اور سالوں کے عدد کو جان سکو اس سلسلہ میں علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ کے سابقہ تحقیقی مقالہ کا آخری حصّہ ملاحظہ ہو چنانچہ فرماتے ہیں اوقات کی حد بندی کا تصوّر انسان کے دل میں سورج کے طلوع و غروب سے پیدا ہوا، اس طرح کہ اس نے سورج کو نکلتے اور پھر اسے ڈوبتے دیکھا اور طلوع سے لے کر غروب تک کا وقت روشن اور غروب سے لے کر طلوع تک کا وقت تاریک پایا تو اس نے ایک طلوع سے لے کر دوسرے طلوع تک کا وقت دو حصوں میں تقسیم کر دیا روشن حصّہ کا نام دن ہوا اور تاریک حصّہ کا نام رات۔ اب اگر وقت کا حساب اسی شب و روز سے چلتا تو ایک پچاس سالہ شخص کو اپنی عمر کا حساب لگانے کے لیے اٹھارہ ہزار دو سو پچاس راتوں اور اٹھارہ ہزار دو سو پچاس دنوں کا حساب رکھنا پڑتا اور اگر شب و روز کے مجموعہ سے حساب کرتا جب بھی اٹھارہ ہزار دو سو پچاس کے شمار کی ضرورت پڑتی۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح حساب و شمار نہایت دشوار ہوتا۔ اس دشواری کو اس نے چاند کے ذریعہ دور کیا اس طرح اس نے دیکھا کہ وہ ایک معین وقت پر نکلتا ہے اور تغیرّ و تبدل کے مختلف حالات سے گذرتا ہوا کچھ مدت کے لیے آنکھوں سے روپوش ہوتا ہے۔ اور پھر اسی پہلی وضع و صورت کے ساتھ نمودار ہوتا ہے اور یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جس میں کبھی خلل رونما نہیں ہوتا تو چاند کے دو طلوعوں کے درمیانی عرصہ سے ایک اور وقت کی حد بندی کر لی۔ اور اس کا نام مہینہ تجویز کیا اب پچاس سال کی مدّت کے لیے

اٹھارہ ہزار دو سو پچاس دنوں کو یاد رکھنے کے بجائے چھ سو مہینے ہی یاد رکھنا پڑے۔ پھر موسموں کے دورہ کرنے سے ایک اور مدت کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور اس نے دیکھا کہ ایک موسم کے شروع ہونے کے بعد دوبارہ اسی موسم کے شروع ہونے تک بارہ مرتبہ چاند طلوع ہوتا ہے تو اس نے بارہ مہینوں کی ایک مدت تجویز کر لی اور اس کا نام سال ہوا۔ جب سالوں کے ذریعہ اوقات کی حد بندی ہونے لگی تو اوقات شماری کی تمام دشواریاں دور ہو گئیں۔ جن لوگوں نے سب سے پہلے تشکیل اوقات کی طرف توجہ کی وہ اہل مصر تھے۔ چنانچہ آثارِ مصر کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں وہ ایک مہینہ ظاہر کرنا چاہتے تھے وہاں ہلال کی شکل بنا دیتے تھے۔ اور ۶۰۰۰ ق م انہوں نے اپنے تہواروں کے ناموں پر بارہ مہینوں کے نام رکھ کر سال کی حد بندی کر لی تھی۔ اور یونان، روم، ہند اور عرب میں بھی قمری مہینوں کا حساب رائج تھا۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے بھی قمری حساب کو برقرار رکھا اور قمری مہینوں ہی کے لحاظ سے سال کی تحدید کی اور مہینوں کو گھٹانے بڑھانے اور آگے پیچھے کرنے سے روک دیا کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب اپنی مقصد برآری کے لیے امن و آشتی کے مہینہ کو مؤخر کر دیتے یا حج کے مہینہ کو پیچھے ڈال دیتے تھے۔ یہ سال سنہ ہجری کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس کی ابتداء امیر المومنین علی بن ابی طالب کے مشورہ سے پیغمبر اکرمؐ کی ہجرت پر رکھی گئی تھی اگرچہ ہجرت کا واقعہ ۲۷ صفر کو پیش آیا۔ اور ۱۲ ربیع الاوّل کو آنحضرت کا مدینہ میں ورود ہوا مگر محرم کی اہمیت و شہرت اور اشہر حرم میں نمایاں ہونے کی وجہ سے اور بایں خیال کہ ہجرت کا ارادہ محرم ہی سے تھا اسے سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا اگرچہ قمری حساب سیدھا سادہ اور ہر قسم کے پیچ و خم سے پاک ہے مگر اس میں یہ دشواری نظر آئی کہ اس کے ذریعہ فصلوں کی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ جو مہینہ آج سردی میں آ رہا ہے پھر گرمی میں آنا شروع ہو جائے گا اور جو خزاں میں آ رہا ہے وہ بہاریں آنے لگے گا لہٰذا یہ نہ بتایا جا سکے گا کہ گرمی کے مہینے کون سے ہیں اور سردی کے کون سے۔ کس مہینے میں کاشت ہو گی اور کس مہینے میں کاٹی جائے گی۔ اور مصریوں کو بھی یہی دقت پیش آئی۔ کیونکہ ان کی زندگی کا انحصار کھیتی باڑی پر تھا۔ اور ایک برسات سے لے کر دوسری برسات تک انہوں نے بارہ مہینوں کا حساب لگایا تھا۔ مگر برسات تیرہ مہینوں کے بعد آنے لگی۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسی صورت ہونا چاہیے کہ گرما، سرما اور بہار، خزاں کے موسم کی حد بندی ہو جائے۔ چنانچہ فلکی مطالعہ نے انسان کی رہنمائی کی۔ اور اس نے دیکھا کہ چاند ہر رات کسی نہ کسی ستارے کے پاس نظر آتا ہے۔ اور چونکہ چاند کے نظر آنے کی راتیں اٹھائیس ہوتی ہیں۔ اس لیے اس نے ان ستاروں کو علامت قرار دے کر چاند کی اٹھائیس منزلیں قرار دے لیں۔ ان منزلوں کو ہندی میں نچھتر کہا جاتا ہے۔ جو اسونی، بھرنی، کرتکا، روہنی وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔ اور عربی میں انکے نام ص۱۴۸ پر مذکور ہو چکے ہیں پھر اس نے دیکھا کہ منطقۃ البروج پر کئی ستاروں کے جھرمٹ ہیں جنہیں قاعدہ سے ملایا جائے تو بارہ مختلف شکلیں بن جاتی ہیں اور انہیں شکلوں کے لحاظ سے ان کے نام رکھ لیے گئے۔ ہندی میں انہیں راس اور عربی میں برج کہا جاتا ہے۔ ہندی نام یہ ہیں۔

۰۰۰ اس کی وضاحت ص۲۸۹ پر اسی جلد میں ملاحظہ ہو۔

میکھ ۔ برکھ ۔ مِتھن ۔ کرک ۔ سنگھ ۔ کنیا ۔ تلا ۔ برچھاک ۔ دھن ۔ مکر ۔ کنبھ ۔ مِین اور اسی ترتیب سے عربی نام یہ ہیں ۔ حمل ۔ ثور ۔ جوزا ۔ سرطان ۔ اسد ۔ سنبلہ ۔ میزان ۔ عقرب ، قوس ، جدی ۔ دلو ۔ حوت ۔

پھر ان منزلوں کو ۳۶۰ درجوں پر تقسیم کیا اور ہر منزل میں چاند کا قیام ۱۲ درجہ اور تقریباً ۵۱ دقیقہ اور ہر برج میں اس کا ٹھہراؤ دو دن آٹھ گھنٹہ قرار دیا ۔ پھر یہ دیکھا کہ جس منزل کو چاند شبانہ روز میں طے کرتا ہے سورج اسے تقریباً ۱۳ دنوں میں تمام کرتا ہے جس سے منزلوں کے دن ۳۶۴ بنتے ہیں لیکن سورج اس مقام پر جہاں سے چلا تھا ۳۶۵ دن میں پہنچتا ہے ۔ اس طرح کہ حمل ۔ ثور ۔ سرطان ۔ اسد اور سنبلہ میں ۳۱ ، ۳۱ دن جوزا میں ۳۲ دن ۔ میزان ۔ عقرب ، دلو اور حوت میں ۳۰ ، ۳۰ دن اور قوس و جدی میں ۲۹ ۔ ۲۹ دن صرف کرتا ہے ۔ تو انہوں نے ایام منازل کو دورہ شمسی کے دنوں سے مطابق کرنے کے لیے منزل عفر میں ایک دن کا اضافہ کر کے ۳۶۵ دن کا سال مقرر کر لیا ۔ اور موسموں کو ان منزلوں پر تقسیم کر کے فصول اربعہ کی حد بندی کر لی ۔ اور اسے شمسی سال سے تعبیر کیا جانے لگا ، اور بعض ملکوں میں شمسی سال کے باوجود مہینوں کا حساب قمری ہی رہا ۔ حالانکہ قمری حساب سے سال کی مدت ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ ۳۲ سیکنڈ ہوتی ہے کیوں قمری مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے اگرچہ چاند ۲۷ دن ۷ گھنٹہ ۴۳ منٹ کی مدت میں سمت متقابل کی طرف حرکت کرتا ہوا زمین کے گرد اپنا دورہ مکمل کر لیتا ہے لیکن حرکت ارضی کی وجہ سے چاند کے سفر میں ۲ دن ۲۱ اعشاریہ کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اسے اپنا سفر تمام کرنے کیلیے ۲۹ دن ۱۲ گھنٹہ ۴۴ منٹ ۱۶ سیکنڈ کی مدت درکار ہوتی ہے اس بنا پر وہ کبھی ۲۹ دن کے بعد نظر آتا ہے اور کبھی ۳۰ دن کے بعد اس رویت پر مہینوں کی مدت کا انحصار ہے اور شمسی سال کی مدت ۳۶۵ دن ۵ گھنٹہ ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ ہوتی ہے اس لیے قمری سال ۱۰ دن ۲۱ گھنٹے ۱۴ سیکنڈ شمسی سال سے چھوٹا ہو گا اور ہر سو سال کے بعد شمسی سال سے تین سال آگے بڑھ جائے گا ۔

چنانچہ اہل کتاب میں سے ایک شخص نے امیر المومنین علیہ السّلام سے کہا کہ قرآن مجید میں اصحاب کہف کے متعلق ہے کہ ولبثوا فی کھفھم ثلث مائۃ سنین وازدادوا تسعا (وہ غار میں تین سو برس ٹھہرے اور لوگوں نے نو برس اور بڑھا دیئے) اور ہمارے ہاں کی کتاب میں صرف تین سو برس کا ذکر ہے یہ اختلاف کیوں ہے ؟ حضرت نے فرمایا کہ یونانیوں کے تین سو برس عربوں کے تین سو نو سالوں کے برابر ہوتے ہیں ۔ یہ اس لیے کہ جب ہر سو سال میں تین سال کا اضافہ ہو گا تو تین سو سالوں کے بعد نو سو سالوں کا اضافہ ہونا ہی چاہیئے ۔

روم میں مہینوں کا حساب چاند سے اور سال کا حساب سورج سے لگایا جاتا تھا جب روم میں جولیس سیزر حکمران ہوا ، تو اُس نے ۴۵ ق م میں دو ہیئت دانوں کی مدد سے سال کی مدت ۳۶۵ دن ۶ گھنٹہ مقرر کی اس طرح کہ فروری کے ۲۹ دن اور باقی مہینوں میں ایک مہینہ ۳۰ دن کا اور دوسرا ۳۱ دن کا قرار دیا اور چھ گھنٹوں کی کھپت کے لیے ہر چوتھے سال فروری میں ایک دن کا اضافہ کر دیا ہے اور اپنے نام پر جون کے بعد آنے والے مہینے کا نام جولائی رکھا اس کے بعد آگسٹس نے

جولائی کے بعد والے مہینے کا نام اپنے نام سے اگست رکھا اور فروری سے ایک دن نکال کر اس میں بڑھا دیا یہ حساب صدیوں سے چلتا رہا۔ لیکن سال کی مدت چونکہ ۳۶۵ دن ۶ گھنٹہ تھی اس لیے ۴۰۰ سو سال کے عرصہ میں تحویل آفتاب میں ۳ دن کا فرق پڑ گیا چنانچہ جب ۳۲۵ء میں روم کے ہیئت دان اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے جمع ہوئے تو اس سال تحویل آفتاب ۲۱ مارچ کو تھی حالانکہ ۴۵ ق م جب یہ سال رائج ہوا تھا تو تحویل آفتاب ۲۵ مارچ کو تھی۔ انہوں نے بتایا کہ شمسی سال کی صحیح مدت چونکہ ۳۶۵ دن ۵ گھنٹہ ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ ہے اور ملکی سال کا شمار ۳۶۵ دن ۶ گھنٹہ کے حساب سے ہوتا رہا ہے اور ملکی سال شمسی سال سے ۱۱ منٹ ۱۴ سیکنڈ آگے بڑھتا رہا ہے اس لیے یہ فرق پڑ گیا ہے مگر اس کی تصحیح کی کوئی تدبیر نہ کر سکے۔ آخر ۱۵۸۲ء میں پاپائے اعظم گریگری نے اس کی طرف توجہ کی اور گذشتہ سالوں میں جو ۱۰ دن زیادہ شمار ہوئے تھے کم کر دیئے اور آئندہ کے لیے ہر تین سال کے دن ۳۶۵ اور چوتھے سال کے دن ۳۶۶ قرار دیئے تاکہ ان چار سالوں میں ہر سال جو ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ زائد رہتے ہیں۔ ان کی کھپت ہو جائے۔ مگر جب یہ دیکھا گیا کہ اس سے بھی کچھ فرق پڑتا ہے اس طرح کہ کمی تو چار سالوں میں ۲۳ گھنٹے ۱۵ منٹ ۴ سیکنڈ کی ہوئی ہے اور اضافہ ایک دن کی صورت میں ۲۴ گھنٹے کا کیا گیا ہے جس سے ۴۰۰ سو سال میں ۳ دن کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لیے پوری صدی والے سالوں میں صرف اس سال میں اضافہ باقی رکھا گیا جو ۴۰۰ پر پورا تقسیم ہو جائے تاکہ یہ بڑھنے والے تین دن کم ہو جائیں۔ لیکن اس صورت میں بھی ۲۶ سیکنڈ ہر سال میں بڑھ جاتے ہیں جو ۳۳۲۳ سال میں ایک دن کے مساوی ہو جائیں گے اس کے تدارک کی یہ صورت نکالی گئی کہ جو سال ۴۰۰۰ پر پورا تقسیم ہو جائے۔ اس میں ایک دن کا اضافہ نہیں کیا جائے گا لیکن یہ ایک دن تو ۳۳۲۳ سالوں میں بڑھتا تھا اور کمی چار ہزار سال میں ایک دن کی تجویز ہوئی تو اس کے نتیجہ میں ۲۰ ہزار سالوں میں ایک دن پھر جائے گا۔ مگر اس کے حل کی ابھی تک کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی گئی ہے۔

جس سال میں ایک دن کا اضافہ کیا جاتا ہے اس کے پہچاننے کا حسابی طریقہ یہ ہے کہ سنہ عیسوی کو چار پر تقسیم کر دیا جائے اگر ایک باقی رہے تو ۳۶۵ دن والا پہلا سال، دو باقی رہیں تو دوسرا، تین باقی رہیں تو تیسرا اور پورا تقسیم ہو جائے تو وہ ۳۶۶ دنوں کا سال ہوگا۔ ایسے سال کو لیپ کا سال کہا جاتا ہے۔

بہر حال اس بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ ملکی سال کبھی شمسی سال سے گھٹ جاتا ہے اور کبھی بڑھ جاتا ہے۔ اور ہر چوتھے سال ایک دن کے اضافہ کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور پھر بھی تفاوت رہ جاتا ہے اور پھر اسے وہی سمجھ سکتا ہے جو علم فلکیات میں مہارت رکھتا ہو بخلاف قمری حساب کے کہ وہ گھٹائے بڑھائے بغیر بالکل قدرتی حالت میں ہے اور ہر شخص باسانی معلوم کر لیتا ہے کیونکہ اس کا تعلق عام مشاہدہ سے ہے اس لیے اسلام نے اعمال و عبادات کی بنیاد زیادہ تر قمری حساب پر رکھی ہے تاکہ تعین اوقات میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اور جو سورج سے متعلق ہیں جیسے افطار صوم، یا اوقات نماز یا نماز آیات تو ان کا تعلق صرف سورج کے مشاہدہ یعنی طلوع و غروب و زوال اور کسوف سے ہے جس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ البتہ کچھ امور ایسے ہیں جو شمسی حساب سے متعلق ہیں مگر وہ اعمال واجبہ پر اثر انداز نہیں ہوتے جیسے

نوروز ، کیوں کہ جس دن غدیر خم میں اعلان خلافت علوی ہوا اور جس دن امیر المومنین علیہ السّلام زینت افزائے سریر خلافت ہوئے آفتاب برج حمل میں تھا اسی لیے اس دن کی مسرت کو دوچند کرنے کے لیے قمری و شمسی دونوں تاریخوں کو یوم مسرت قرار دیا گیا اسی طرح نوروز کے ۲۳ دن بعد نیسان کا مہینہ شروع ہوتا ہے جس میں برسنے والے پانی پر مختلف سُورتیں اور دعائیں پڑھ کر پینے سے مختلف فوائد و خواص کا تذکرہ روایات میں ہوا ہے یونہی امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ماہ حزیراں کی ساتویں تاریخ کو پچھنے لگوانے سے منع کیا ہے اور امام رضا علیہ السّلام سے شمسی مہینوں کے لحاظ سے ہر مہینہ کے کچھ اصول صحت وارد ہوئے ہیں۔

اِنَّ فِی اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ ۔ یعنی دن اور رات کے اختلاف میں بھی وجود و حکمت اور قدرت و صنعت پروردگار کی ایسی نشانیاں موجود ہیں جو اس کی توحید کی بولتی زبان ہیں ۔ مثلاً ان میں روشنی و تاریکی کا فرق ، محنت و آرام کا فرق اور گرمی و ٹھنڈک کا فرق ۔ اور ممکن ہے کہ اس اختلاف سے مراد ان کی کمی و بیشی ہو کہ کبھی دن بڑا اور رات چھوٹی اور کبھی اس کا الٹ اور سال میں صرف دو دفعہ برابری اور اس کی تفصیل تفسیر ہذا کی تیسری جلد صد ۱۱۳ پر ملاحظہ ہو۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ ۔ یعنی دلائل وجود خدا و علائم و آیات توحید باری بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کو از سر نو تہدید فرماتا ہے جو اس قسم کی واضح و غیر مبہم آیات میں غور نہیں کرتے اور یہ مالک حقیقی کا انتہائی لطف و کرم ہے کہ بار بار دعوت فکر دے کر غافل مخلوق کو اپنی جانب توجہ کی دعوت دیتا ہے اب اس اتمام حجت کے بعد اگر کوئی عارضی دنیاوی منافع کو ترجیح دے کر خدائی فرمائشات کو نظر انداز کرے تو اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے

یَهۡدِیۡهِمۡ اور تفسیر منہج الصادقین میں اس کا مقصد یہ مذکور ہے کہ خدا نور ایمان کی بدولت ان کو صراط سے گذارے گا چنانچہ جبریل نے حضور کو یہ مژدہ سنایا کہ خدا بعد سلام کے فرماتا ہے تو میرے نور سے اور علی تیرے نور سے اور امت علی کے نور سے گذرے گی ۔ کیوں کہ امت کا نور علی سے ہے اور علی کا نور

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوۡا بِالۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَاطۡمَاَنُّوۡا

تحقیق جو لوگ نہیں امید کرتے ہماری ملاقات کی اور راضی ہیں زندگانی دنیا پر اور مطمئن ہیں اس

بِهَا وَالَّذِیۡنَ هُمۡ عَنۡ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوۡنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاۡوٰهُمُ

سے اور جو لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ

النَّارُ بِمَا كَانُوۡا یَكۡسِبُوۡنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

دوزخ ہے بوجہ اس کے جو کسب کرتے ہیں تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک

الصّٰلِحٰتِ یَهۡدِیۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِیۡمَانِهِمۡ تَجۡرِیۡ مِنۡ

کمائے بھیجے گا ان کو رب اپنا بوجہ ایمان کے (ایسی جگہ) کہ بہتی

تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ (٩) دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا

ہوں گی ان کے نیچے نہریں نعمتوں کے باغات میں ان کا تکیہ کلام ہوگا

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ

تسبیح خدا اور ان کا تحیہ ہوگا سلام اور آخری تکیہ کلام

اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (١٠) وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ

ان کا حمد پروردگار ہوگی جو عالمین کا رب ہے اور اگر جلدی کرتا اللہ

لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ

لوگوں کے لیے شر کی مثل عجلت خیر کے تو پوری کر دی جاتی ان کی اجل

اَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ

پس ہم چھوڑتے ہیں ان کو جو نہیں امید کرتے ہماری ملاقات کی کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران

يَعْمَهُوْنَ (١١) وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا

ہوتے ہیں اور جب چھوئے انسان کو تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے

تجھ سے ہے اور تیرا نور میرے نور سے ہے۔ یہاں امت سے مراد شیعان علی ہیں۔
دَعْوٰىهُمْ یعنی جنت میں ان کا تکیہ کلام یہی ہوگا کہ ہر وقت زبان سے تسبیح پروردگار جاری رکھیں گے اور اس سے وہ لذت اندوز ہوں گے چنانچہ مجمع البیان میں مروی ہے کہ جب کوئی پرندہ ان کے سروں سے گذر کریگا تو اس کو دیکھ کر وہ یہی تسبیح کا کلمہ پڑھیں گے۔ پس وہ بھونے ہوئے گوشت کی صورت میں ان کے سامنے فوراً آموجود ہوگا اور جب یہ لوگ جی بھر کر کھا چکیں گے تو وہ دوبارہ باذن پروردگار زندہ ہو کر پرواز کر جائے گا۔ پس وہ لوگ حمد خدا بجا لائیں گے یعنی ان کی ابتداء کلام تسبیح خدا اور انتہائے کلام حمد خدا ہوگی وَتَحِيَّتُهُمْ یعنی خدا کی جانب سے جو ان کو تحیہ پہنچے گا وہ سلام ہوگا۔ یا یہ کہ فرشتوں کا تحیہ ان کے لیے سلام ہوگا یا یہ کہ ان کا آپس میں تحیہ یہ ہوگا کہ ایک دوسرے کو سلام کہیں گے اور ان کا اختتام کلام حمد خدا ہوگی۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔

رکوع نمبر ۷ وَلَوْ يُعَجِّلُ

یعنی لوگ جب تنگدلی سے یا غصہ اور جذبات کے ابھار میں اپنے یا اپنے اقرباء کے لیے بد دعا کرتے ہیں۔ مثلاً اپنے لیے کہتے ہیں میں مر جاؤں یا کسی دوسرے کے لیے کہتے ہیں کہ تم مر جاؤ پس اگر خدا ان کی ایسی دعائیں قبول کرنے میں جلدی کرتا جس طرح کہ خیر کی دعاؤں میں کرتا ہے تو وہ ختم ہو چکے ہوتے اِسْتِعْجَالَهُمْ میں ضمیر جمع غائب هُمْ مصدر کا مفعول ہے اور مصدر کا فاعل اللہ ہے یعنی

اِسْتِعْجَالَهُمْ اِبَآءَهُمْ یعنی خدا جلد بازی نہیں کرتا اور وہ جانتا ہے کہ جذبات اور غصہ کی رو میں بہہ کر اپنی خاطر بددعا کر رہے ہیں۔ جب یہ حالت دور ہو گی تو وہ فوراً پشیمان ہوں گے۔ علاوہ یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ اگر لوگوں کے لیے خداوند کریم گرفت کی تعجیل کرتا جیسا کہ ان کے گناہوں کا تقاضا ہوتا ہے۔ جس طرح کہ وہ دنیا میں اچھائی اور اپنے نفسوں کی بہتری کے لیے تعجیل کرتے ہیں تو معاملہ کبھی کا صاف ہو جاتا اور یہ لوگ ختم کر دیے جاتے لیکن وہ تو ڈھیل دے دیتا ہے تاکہ ان کو توبہ کا کھلا وقت مل سکے۔

لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ

پہلو کے بل یا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر پس جب دور کرتے ہیں ہم اس کی تکلیف کو تو ایسا

كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ

لگتا ہے کہ گویا کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا کسی تکلیف کے لیے جو اسے پہنچی اسی طرح فریب کا باعث

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۲) وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

بنے غلط کاروں کے لیے اپنے اعمال اور ہم نے ہلاک کیا قوموں کو تم سے پہلے جب

لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا

انہوں نے ظلم کیا اور ان کے پاس رسول آئے واضح دلیلوں کے ساتھ اور نہیں امید تھی کہ

لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ (۱۳) ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

وہ ایمان لائیں ایسی ہی جزا دیتے ہیں ہم مجرم لوگوں کو پھر ہم تم کو لائے

مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یہاں مَرَّ اِستمرّ کے معنی میں ہے یعنی تکلیف کے وقت تو اس کو خدا یاد ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ اس کی سختی کو ختم کر دے تو وہ شکریہ ادا کرنے کی بجائے حسب سابق اکڑ جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے کبھی ہمیں پکارا ہی نہیں تھا۔ اور ایسا ہی کفار اپنے کرتوتوں میں مست نظر آتے ہیں اور ان کی نظروں میں ان کی بداعمالیاں بھلی لگتی ہیں۔ خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں سختی اور نرمی کی حالتوں کی تبدیلی کو اپنی معرفت وعبادت کا داعی ظاہر کیا ہے کاش کہ انسان درس عبرت حاصل کرے۔

لِيُؤْمِنُوْا یعنی ان کو مہلت دی گئی اور جب ان کے ایمان لانے کی امید منقطع ہو گئی تو ان کو عذاب دیا گیا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ یعنی تمہارے لیے ان سابقہ اقوام کے اعمال کے نتائج باعث نصیحت ہیں اور تم انہیں کے جانشین ہو اور خدا اپنے عدل و انصاف کے ماتحت اتمام حجت کے بغیر کسی کو سزا و عقاب نہیں کرتا پس تم بھی اگر اسی سابقہ لوگوں کے طریق کار پر گامزن ہوئے تو مستحق عذاب بنو گے۔ ورنہ اگر سنبھل جاؤ اور راہ راست کو اپنا لو۔ تو

خدا کی رحمت اس کے غضب سے وسیع تر ہے وہ تمہیں اپنے اکرام و انعام سے نوازے گا۔

وَاِذَا تُتْلٰی تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق ہے کہ عبداللہ بن امیہ مخزومی دیگر چار مشرکین قریش کے ہمراہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ آپ کوئی ایسا قرآن لے آئیں۔ جس میں ہمارے خداؤں کے خلاف کوئی بات نہ پائی جائے یا یہ کہ اس قرآن سے قابل اعتراض مواد نکال کر ایسی صورت میں اسے پیش کریں۔ جو ہمارے مزاجوں کے موافق ہو لیس یہ آیت اتری۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ گویا انہوں نے میرے پیش ہونا ہی نہیں ہے۔ بس ان کو صاف جواب دیجئے کہ میں تمہارے پاس قرآن کے احکام پہنچانے کے لیے آیا ہوں۔ مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں تبدیلی کروں اور میں تو صرف وحی پروردگار کے ہی تابع ہوں۔ گویا مطلب یہ ہے کہ کتاب میں ترمیم کرنے کا کسی انسان کو حق نہیں پہنچتا حتیٰ کہ کتاب اللہ کے لانے والا بھی اس میں ترمیم نہیں کر سکتا۔ پس یہ اعلان قرآن مجید کے کامل و مکمل ہونے کا صراحتی بیان ہے

خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

قائم مقام زمین میں ان کے بعد تاکہ دیکھیں کہ کس طرح عمل کرتے ہو

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ

اور ان پر پڑھی جائیں ہماری آیات واضح تو کہنے لگے وہ جو نہیں امید کرتے

لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ

ہماری ملاقات کی لاؤ قرآن اس کے علاوہ یا اسے تبدیل کرو کہہ دو نہیں جائز ہے

اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى

کہ اس کو تبدیل کروں اپنی جانب سے میں تو نہیں پیروی کرتا مگر جو وحی ہو

اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ

میری طرف تحقیق میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب سے بڑے دن کے عذاب سے۔ کہہ دو

لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۫ فَقَدْ

اگر چاہتا اللہ تو میں اس کی تم پر تلاوت نہ کرتا اور نہ بتاتا وہ تمہیں پس تحقیق

قُلْ گویا کفار قریش یہ سمجھے ہوئے تھے کہ حضورؐ اس میں ایرپھیر کرنے کا خود اختیار رکھتے ہیں تو اس خدشہ کے ازالہ کے لیے فرمایا کہ اگر اللہ نہ چاہتا ہوتا تو مجھے از خود تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہ نہ میرے اوپر نازل کرتا اور نہ

maablib.org

میں تم تک پہنچاتا وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ وہ تمہیں نہ جتلاتا یعنی میرے اوپر نازل کر کے تم تک پہنچانے کا حکم نہ دیتا ورنہ تم دیکھتے نہیں ہو اس سے قبل بھی تو میں تم میں رہا ہوں اور کبھی تمہیں یہ باتیں نہیں کہی تھیں اب حکم ملا ہے تو کہتا ہوں

لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑯ فَمَنْ اَظْلَمُ

میں ٹھہرا رہا ہوں تم میں عمر کافی اس سے پہلے بھی کیا تم سمجھتے نہیں ہو پس کون زیادہ ظالم

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ

ہے اس سے جو افترا کرے اوپر اللہ کے یا جھٹلائے اس کی آیات کو تحقیق

لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑰ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

نہیں چھٹکارا پائیں گے مجرم لوگ اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا اس کی

مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ

جو نہ ان کو نقصان دے اور نہ نفع دے اور کہتے ہیں یہ لوگ ہمارے

شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ

شفیع ہوں گے اللہ کے پاس کہہ دو کیا بتاتے ہو اللہ کو ایسی باتیں جنہیں وہ نہیں

فَمَنْ اَظْلَمُ مزید وضاحت کے لیے ارشاد ہے کہ تم ان لوگوں سے کہہ دو۔ کہ اللہ کے حکم کے بغیر اس کی طرف کوئی چیز منسوب کرنا اور اس پر افترا باندھنا سب سے بڑا ظلم ہے اور میری سیرت کا تم مطالعہ کر چکے ہو اور میں تم میں سے ہی ایک فرد ہوں سچائی امانت دیانت میں تمہیں میری پوزیشن کا علم ہے جب میں عام جھوٹ بولنے سے گریز کرتا ہوں تو اپنے خالق کی طرف جھوٹی نسبت کیسے دے سکتا ہوں؟ اسی طرح جب تم مجھے امین جانتے ہو اور میں کسی آپ جیسے انسان کی امانت میں خیانت نہیں کرتا تو خدا کے دین اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب میں کیسے خیانت کر سکتا ہوں۔ پس اس کے بعد یقین جانو کہ میں جو کچھ تمہیں کہتا ہوں وہ خدا کی جانب سے ہے تو جس طرح میرا اس کے متعلق جھوٹ کہنا ناجائز ہے تمہارا یہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے بعد اس کی واضح نشانیوں کو جھٹلانا اور اس کی اور اس کے رسول کی تکذیب کرنا بھی ظلم عظیم ہے پس اس سے باز آجاؤ۔

يَعْبُدُوْنَ اپنی جانب سے ان کو مطمئن کرنے کے بعد ان کو اپنے بنائے ہوئے معبودوں کی عبادت کی خامیوں سے آگاہ فرماتا ہے کہ تم ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ نہ ان کے پاس قدرت ہے نہ اختیار۔ پس اس کی عبادت کرو۔ جو سب کا خالق اور رازق اور قادر و مختار ہے اور نفع و

و نقصان کا مالک بھی ہے ۔

ھٰٓؤُلَآءِ آپ کی پُر از حکمت مدلل و مبرہن تقریر سننے کے بعد انہیں یقین ہو جاتا تھا کہ آپ درست فرماتے ہیں لیکن اپنے باپ دادا کے مذہب کی لاج رکھنے کے لیے یہ بہانہ پیش کرتے تھے کہ ہم ان کی عبادت مقصود بنا کر نہیں کرتے بلکہ عبادت تو اللہ کی کرتے ہیں اور ان کو اس کی بارگاہ میں اپنا شفیع سمجھتے ہیں تو خداوند کریم ان کے اس جواب میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ اس قدر فریب خوردہ ہیں۔ کہ اللہ کے سامنے بھی چالاکی کرتے ہیں کیا وہ اللہ کو ایسی بات

فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى
جانتا آسمانوں اور زمین میں ؟ وہ پاک ہے اور بلند تر ہے اس سے

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً
جس کا وہ شرک کرتے ہیں اور نہیں تھے لوگ مگر ایک امت

فَاخْتَلَفُوْا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ
پس انہوں نے اختلاف کیا اور اگر نہ ہوتا کلمہ سابق تیرے رب سے تو فیصلہ کیا

بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ
جاتا ان میں اس کا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں

عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ
اتاری گئی اس پر کوئی نشانی اپنے رب سے پس کہہ دو کہ بس غیب اللہ کے لیے ہے

بتا رہے ہیں جس کو وہ نہیں جانتا؟ استفہام انکاری ہے یعنی اس قسم کی دروغگوئی اور حیلہ سازی تو اس کے سامنے کرتے ۔ جو حقیقت کو نہ جانتا ہو لیکن وہ خدا جو سب کچھ جانتا ہے اس کے سامنے اس قسم کی مکاریوں کی کیا وقعت ہو سکتی ہے ؟

اُمَّةً وَّاحِدَةً اس میں کئی اقوال ہیں (۱) حضرت آدم سے لے کر حضرت نوح تک ایک دین حق (اسلام) پر تھے پھر اختلاف پڑ گیا (۲) حضرت ابراہیم کے بعد ایک ملت پر تھے ، بعد میں بت پرستی کی وجہ سے اختلاف پڑ گیا (۳) ایک ہی فطرت پر خلق کیے گئے لیکن جذبات و خواہشات میں آکر الگ الگ ادیان و مذاہب بنا لیے ان کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں لہذا ہم نے اس کے متعلق پوری وضاحت تفسیر کی تیسری جلد میں صـ ۲۵ سے صـ ۴۳ تک کر دی ہے ۔

یَقُوْلُوْنَ کفار کا یہ اعتراض بھی تھا کہ اگر یہ خدا کے سچے رسول ہوتے تو خدا کی جانب سے ایک خاص علامت

ان کے ساتھ ہوتی کہ جو انکار کرتا اس کو فوراً سزا ملتی تاکہ ڈر کے مارے سب کے سب اس کے سامنے جھک جاتے۔ تو اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ دین اسلام جبری دین نہیں ہے بلکہ اختیاری دین ہے اور اس کی مصالح کو وہ خود ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے۔

فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا

پھر تم انتظار کرو اور تحقیق میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں اور جب ہم

النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ

چکھائیں لوگوں کو رحمت کا مزا بعد دکھ کے جو انہیں پہنچے تو وہ

مَّكْرٌ فِیْٓ اٰیَاتِنَا قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا اِنَّ رُسُلَنَا

مکر کرنے لگیں ہماری آیات میں کہہ دو کہ اللہ جلدی گرفت کرے گا اس مکر کی تحقیق ہمارے

یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ

فرشتے نوٹ کر لیتے ہیں جو وہ مکر کرتے ہیں وہ جس نے تمہیں چلایا خشکی

وَالْبَحْرِ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ

و تری میں حتی کہ جب تم ہو کشتی میں اور چلائیں ہم پاکیزہ ہوا اور وہ

طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَ

خوش ہو جائیں تو اچانک آ جائے سخت آندھی اور آئے موج ہر طرف

هُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ

کہ ابھی ہو جائے گمان کو ان اور سے

بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا

ہلاک ہوئے تو پکارا اللہ کو خلوص اعتقاد سے کہ اگر تو ہمیں نجات دیدے

رکوع نمبر ۸ ع واذا

خداوند کریم آیت کریمہ میں بے شکرے اور بالخصوص کفار کی بدباطنی کی خبر دے رہا ہے۔ کہ جب تکلیف کے بعد ہم اُن سے دور گذر کرتے ہوئے انہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں۔ اور مُصیبت سے ان کو نجات دے دیں تو بجائے شکر کے ہماری آیات کی تردید میں لگ جاتے ہیں۔ گویا وہ حوادثِ زمانہ کو خدا کے اختیار کے تابع نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں یہ تو ایک فطرت مادہ کا دائمی دستور ہے۔ کبھی دکھ اور کبھی سکھ چنانچہ مثال کے طور پر انسان اگر کشتی میں بیٹھا ہو اور دھیمی دھیمی ہوا چل رہی ہو۔ اور خوشی خوشی میں اچانک تیز

مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ

اس سے تو ہم تیرے شکر گذار ہوں گے توجب اس نے نجات

اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

دیدی پھر وہ سرکشی کرنے لگے زمین میں ناجائز اے لوگو تمہاری

اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

سرکشی تمہارے نفسوں پر فائدہ ہے زندگانی دنیا کا

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر تمہاری بازگشت ہماری طرف ہوگی تو ہم بتائیں گے کہ تم کیا عمل کرتے تھے

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

بجز اس کے نہیں کہ زندگانی دنیا کی مثال اس پانی جیسی ہے جو اتارا ہم نے آسمان

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ

سے پس مل گئی اس کے ساتھ انگوری زمین کی اس سے جو آدمی کھاتے ہیں اور

وَالْاَنْعَامُ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ

حیوان یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی نمائش بنالی اور رہا رونق ہو گئی اور سمجھے

ازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ

مالک اس کے کہ ہم اس سے پورا نفع اٹھائیں گے۔ تو پہنچا

اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا

ہمارا حکم رات کو یا دن کو پس کر دیا ہم نے اس کو خاکستر

ہوا کا جھونکا آجائے موج پر موج اور لہر پر لہر اٹھنے لگے۔ جس سے کشتی کے الٹنے کا خطرہ اور پانی میں ڈوب جانے کا ڈر اسے تمام ظاہری اسباب و ذرائع سے مایوس کردے تو فوراً اس کے دماغ میں جو ذات سماتی ہے وہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ پس فوراً اس کی طرف نہایت خلوص سے گڑگڑا کر اپنی نجات کی درخواست کرتے ہوئے شکر کا عہد کرتا ہے۔ لیکن نجات پانے کے بعد ویسے کا ویسا ہوتا ہے اور ازراہ سرکشی احسان خداوندی کو جھٹلاتا ہے اور اپنی نجات کو کسی اور سبب کا مرہون منت قرار دے دیتا ہے والعیاذ باللہ۔

مِنَ السَّمَآءِ اس آیت میں نصیحت کے لیے خداوند کریم نے اپنی قدرت اور دنیا کے فنا و تغیر کی ایک مثال دی ہے

كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ

گویا یہاں کل کچھ تھا ہی نہیں کھول کھول کر بیان کرتے ہم اپنی نشانیاں

يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي

فکر کرنے والے لوگوں کے لیے اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور ہدایت کرتا ہے

مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢٥﴾ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا

جسے چاہے سیدھے راستہ کی ان کے لیے جو نیکی کریں

الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ

بدلہ اور زیادتی بھی ہے اور نہ پہنچے گی ان کے چہروں کو سیاہی اور خواری

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٦﴾

وہی جنت والے ہوں گے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ

اور جن لوگوں نے کمائی برائیاں تو بدلہ برائی کا اس جیسا ہو گا اور پہنچے گی ان کو

ذِلَّةٌ ۖ مَّا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۖ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ

خواری نہیں ہو گا ان کا اللہ سے کوئی بچانے والا ایسا معلوم ہو گا کہ ڈھانپے گئے ہیں

وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧﴾

ان کے چہرے رات کے سیاہ ٹکڑوں سے یہی دوزخ والے ہونگے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

جس طرح بارش کے بعد زمین کی سرسبزی سے مالکان زمین توقعات وابستہ کرتے ہیں کہ اب اس سے خوب نفع اندوز ہوں گے لیکن خداوند کریم کسی آفت سماویہ یا ارضیہ کے ذریعے سے اس کی تمام آبادی و سبزی کو خشک اور برباد کر دیتا ہے۔ پس پوری زندگانی دنیا کا یہی انجام ہے۔ پس اس دنیا میں رہ کر دار آخرت کے لیے ہی ذخیرہ بنانا چاہیے جہاں فنا نہ ہو اور یہ تغیرات قریب نہ آئیں اور اسی کو دار السلام سے تعبیر فرمایا اور اسی کی طرف تمام انسانوں کو دعوت عام دی۔ اور یہ پیش کش بھی ساتھ ساتھ کر دی کہ نیکی کا بدلہ جزا سے زیادتی ملیگی خواہ دس گنا خواہ ہزار و لاکھ گنا اور خواہ بے حساب اور جنتیوں کے چہرے نورانی ہوں گے نہ اُن پر کوئی میل ہو گی نہ غبار خوش خوش چمکتے پھرتے ہوں گے اور جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ جس کی آنکھ سے ایک قطرہ آنسو خوف خدا کی وجہ سے گرے گا

وہ شخص بروز محشر ذلّت اور چہرہ کی سیاہی سے بچ جائے گا۔ اور اس کے برعکس بدکار کو اگرچہ سزا برائی کے برابر ملے گی۔ لیکن اس کا چہرہ سیاہ اور بدنما ہوگا۔ جیسے کہ رات کا ٹکڑا۔ اور اسی ظاہری حلیے سے تمام اہل محشر جان لیں گے کہ کون جنّتی ہے اور کون جہنمی ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جب تمام اہل محشر اکٹھے ہوں گے تو مشرکین کو اپنے شرکاء کے ہمراہ ایک جگہ کھڑا کیا جائے گا اور پھر ان کو الگ الگ کرکے سوال کیا جائے گا تو وہ وہی وقت ہوگا جب پیر و مرید ایک دوسرے سے تبرا کریں گے عبادت کرنے والے اور ان کے وہ بت جن کی وہ عبادت کرتے تھے ایک دوسرے سے بیزار نظر آئیں گے اور جب ان بتوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا تمہاری پرستش کی گئی تھی تو وہ ان کو شرمسار اور لاجواب کرنے کے لیے کہیں گے

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا

اور جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے پھر کہیں گے ان کو جو مشرک ہیں

مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ

رہو اپنی جگہ پر ساتھ اپنے شریکوں کے پھر ان کو آپس میں جدا کرکے پوچھیں گے تو ان سے شریک

مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿۲۸﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا

(بت) کہیں گے تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے پس کافی ہے اللہ گواہ ہم اور

وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ

تم میں کہ تحقیق ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے وہاں جانے گا

تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ

ہر نفس جو اس نے بھیجا اور پلٹائے جائیں گے اللہ کی طرف جو ان کا مولا ہے

کہ ہم نے تم کو اپنی عبادت کے لیے کب کہا تھا تم نے تو اپنی اغراض کی خاطر اور اپنی خواہش نفس کی اطاعت کے لیے ہماری پرستش کی تھی۔ پس وہ ہماری نہیں بلکہ درحقیقت تم نے ازراہ سرکشی اپنے نفسوں کی اطاعت کی تھی اور بت وغیرہ اس وقت بقدرتِ خدا بول کر جواب دیں گے اور ان کو شرمسار کریں گے اور پھر آخر میں فیصلہ کے طور پر کہیں گے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا شاہد ہے۔ کہ ہمیں تمہاری عبادت کا پتہ ہی نہیں تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ جواب زبان حال سے ہو کہ جب ان کے پاس نہ قوت سامعہ تھی نہ باصرہ بلکہ وہ بے حس و حرکت پتھر یا درخت یا کچھ اور تھے۔ تو بھرے میدان میں ان کی حالت کذائیہ خود بخود زبان حال ہوگی اور جب دیکھیں گے کہ خدا کی عبادت کرنے والے اور توحید سے تمسک رکھنے والے

نعیم جنت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تو ان کی حسرت میں اور اضافہ ہوگا کہ کاش ان بے حس و حرکت پتھروں یا قبروں کی بجائے خدائے واحد کی عبادت کی ہوتی۔ اسی لیے فرماتا ہے کہ اس وقت ہر شخص کو پتہ چلے گا کہ میں آخرت کے لیے کیا کچھ بھیج چکا تھا اور کیا کچھ بھیجنا چاہیے تھا وہاں دنیا کی افترا پردازیاں اور حیلہ سازیاں کام نہ آئیں گی۔

رکوع نمبر ۹ توحید کا بیان

اس سے قبل وجود خدا پر دلائل قائم ہوئے اور پھر دعوت عبادت دی گئی۔ اس رکوع میں شرک سے رد کرنے کے لیے توحید کو ثابت کیا گیا ہے اور سب سوالیہ فقرے اس واسطے استعمال کیے ہیں تاکہ مطلب عام فہم ہو اور اچھی طرح ذہن نشین ہو سکے۔

(۱) تمہیں آسمان سے مینہ برسا کر اور زمین سے پیداوار اگا کر رزق کون دیتا ہے؟

۲۔ کان اور آنکھیں تمہیں کس نے دی ہیں اور ان کا مالک کون ہے؟ یہ سوال اگرچہ معمولی سا ہوتا ہے لیکن درحقیقت بہت بڑا سوال ہے اور اس میں غور و فکر کے لیے بڑی راہیں کھلتی ہیں۔ اول تو تمام اعضائے بدن میں سے صرف کان اور آنکھوں کو مخصوص فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حیوانی زندگی اور کمال بشری کا دار و مدار انہی دونوں پر ہے کہ آنکھوں سے دیکھ کر، کانوں سے سن کر ہی انسان کسی میدان میں قدم رکھ سکتا ہے گویا کسب علوم بلکہ تحصیل جملہ مطالب کا ذریعہ یہی دونوں ہیں جب کوئی بات کرنے والا بات کرتا ہے تو حکمت خداوندی اور تدبیر ایزدی یہ ہے کہ آواز کی رسائی کی حدود تک کی جگہ ہوا ان الفاظ کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے پس وہاں جس قدر بھی کان ہوں وہ الفاظ اپنے صحیح انداز سے ان میں سپرد کردہ قوت سامعہ میں نقش ہو جائیں گے پھر قوت سامعہ اس کو حس مشترک تک پہنچا کر اپنا فریضہ ادا کرے گی

الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾ قُلْ مَن

حق ہے اور باطل ہوگا ان سے جو وہ افترا کرتے تھے کہہ دو کون تم

يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَ

کو رزق دیتا ہے آسمان و زمین سے یا کون مالک ہے کان اور

الْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ

مردہ کو زندہ سے اور کون تدبیر کرتا ہے امر کی تو کہیں گے کہ اللہ

اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ

پس کہہ دو پھر کیا تم اس سے ڈرتے نہیں ہو؟ بس یہ ہے اللہ تمہارا

پس ہوا اس امر پر مسخر ہے کہ ہر زبان میں ہونے والی بات کے سانچے میں فوراً ڈھلتی جائے۔ تاکہ قوت سامعہ اسے بعینہٖ جذب کرتی چلی جائے۔ اسی کے متعلق پوچھتا ہے کہ وہ کون ہے جس نے ہوا میں یہ تدبیر اور نظام محکم پیدا کیا اور قوت سامعہ کو آوازوں کی شناخت اور ان کو اپنے اصلی رنگ و وضع میں حاصل کرنے اور حس مشترک تک پہنچانے کی صلاحیت بخشی؟ اور اسی طرح آنکھوں کو تمام دیکھنے کے قابل اشیا کا عکس لینے کے قابل بنایا کہ اس کے رنگ حجم مقدار اور باقی ظاہری صفات کو جذب کر کے حس مشترک تک پہنچائے؟ سمع کو واحد اور ابصار کو جمع کے صیغوں میں لانے کی وجہ یہ ہے کہ سماعت کا ادراک صرف ایک چیز سے تعلق رکھتا ہے یعنی آوازیں۔ لیکن بصر کا ادراک مختلف رنگوں شکلوں جسموں حجموں اور مقداروں سے ہوا کرتا ہے نیز سمع مصدر ہے اور اس قوت کو باسم مصدر ہی موسوم کیا گیا ہے کیونکہ اسمیں کسی خاص جانب کی کوئی شرط نہیں ہے۔ بلکہ جہات ستہ میں جہاں سے آواز آئے کان اسے بلا کلفت حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن بخلاف اس کے آنکھ صرف ایک سمت یعنی سامنے کی چیز کا ہی ادراک کر سکتی ہے اور بس۔ پس انہی مناسبات سے کان کے لیے سمع کا واحد صیغہ کافی ہے۔ اگرچہ مراد کثرت ہو کیوں کہ مصدر کا اطلاق واحد و کثیر پر یکساں ہوا کرتا ہے اور بصر میں چونکہ یہ بات نہیں ہے لہٰذا اس کی تعمیم و استغراق کے لیے جمع کا صیغہ لانا پڑتا ہے۔

الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۖ

سچا پروردگار پس نہیں بعد حق کے مگر گمراہی

فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴿٣٢﴾ كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ

پھر کہاں جاتے ہو؟ اسی طرح سچی ہے بات

رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾

تیرے رب کی ان لوگوں کے متعلق جو فاسق ہیں تحقیق وہ ایمان نہیں لاتے۔

(۳) مردہ سے زندہ جیسے نطفہ سے حیوان زمین میں بیج ڈالنے سے سبزیاں اور زندہ سے مردہ جیسے ذی روح حیوان کہ روح کے جانے کے بعد وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دانا اور لائق سے نالائق اور نالائق سے لائق یا نیک سے بد اور بد سے نیک و علیٰ ہذا القیاس یہ سب کچھ کون کرتا ہے؟

(۴) تدبیر امر کون کرتا ہے؟ یعنی ارضی دستور، دریا، پہاڑ زمینوں، وادیوں اور اجار و اشجار اور حیوان و نبات میں باہمی انس یا نفرت یا میل ملاپ اور انسانوں میں کلی نظام تمدن اور گٹھ جوڑ اور آسمانی نظام میں افلاک کی حرکت۔ سورج کی ضیا پاشی چاند کی تابانی اور سیارگان کی دستوری گردش، محاق، تربیع۔ کسوف اور خسوف کے حالات اور ہر ایک کی محوری حرکات اور پھر آسمان و زمین کے درمیان فضائی حالات ہوا کی تیزی تندی گرمی و سردی موسموں کی تبدیلی خزاں و

بہار کے جداگانہ اثرات، بادلوں کی صف آرائی، بارشوں کا سماں اور لاتعداد جزوی کرشمہ ہائے قدرت جو منظر عام پر جلوہ گر ہوتے ہیں اور پھر کبھی کسی کا اپنی سپرد کردہ ڈیوٹی میں سرِمو فرق نہ کرنا اور ہر ایک کا ایک خاص نظام کے ماتحت مطیع و مسخر ہونا اور ایسی پُر از حکمت صورت میں ہونا کہ کسی ذی ہوش کے لیے جائے دم زدن باقی نہ رہے۔ یہ سب کچھ کس کی حسنِ تدبیر کا نتیجہ ہے؟ تو بلا تامل کہیں گے، کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے پس فوراً ارشاد فرماتا ہے کہ جب تمہیں یہ اعتراف ہے اور تمہاری ضمیر یہ بات تسلیم کرتی ہے تو پھر نافرمانی کرنے میں اس سے ڈرتے کیوں نہیں؟ پس جو ذات یہ سب کچھ کرتی ہے وہی تمہارا سچا پروردگار ہے اور اس اعتقاد کے علاوہ دوسرا اعتقاد رکھنا صاف گمراہی ہے اور جس طرح یہ اعتقاد حق اور صحیح ہے اسی طرح ان دلائل کو ٹھکرا کر اس کی حدود، اطاعت سے خارج ہونے والوں کے لیے خدا کا کلمۂ عذاب بھی حق اور صحیح ہے۔

توضیح جس شخص کے پاس عقل سلیم اور فہم مستقیم ہے وہ اپنے خالق علیم و حکیم کا انکار نہیں کر سکتا البتہ بعض سرپھرے لوگ صرف اپنی خواہشات نفسیہ سے مغلوب ہو کر اس عقل کے بدیہی فیصلہ سے باغی ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ عالم خود بخود پیدا ہو گیا ہے اور یہ صرف دین سے بغاوت کی خاطر ہی انہوں نے اقدام کیا ہے۔ کیونکہ دین کسی کو شرافت و تہذیب کے دائرہ سے نکل کر آوارہ زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دیتا تو دنیا کے بندوں نے جب اپنے جذبات کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب دین کو دیکھا اور سمجھا کہ عیش کوشی، شہوت رانی اور نفس پرستی کے آزادانہ مشغلہ کے رستہ میں صرف دین کا تصور ہی سنگ گراں ہے تو وہ اس تصور کے دشمن بن گئے اور چونکہ اس کی بنیاد وجود خدا کے ثبوت پر تھی، تو انہوں نے اس کے انکار کے لیے بہانے تلاش کرنے شروع کیے۔ کسی وقت مادہ کو قدیم کہا اور کسی وقت طبیعت کو خالق قرار دیا اور کبھی اتفاق کی پیداوار تمام کائنات کو ظاہر کیا۔ بہرکیف دشمنانِ خدا عقلِ سلیم کو قید نہیں کر سکتے اور نظام عالم کا اس پُر از حکمت صورت میں ظہور پذیر ہونا اور باقی و برقرار رہنا اپنے صانع حکیم کے وجود بلکہ اس کی توحید کی بولتی ہوئی زبان ہے۔ جس سے ہر سلیم العقل اور صحیح الفطرت انسان بہرہ ور ہو کر اس کی یکتائی و بے ہمتائی کا قائل ہوتا ہے۔

وجود باری تسلیم کر لینے کے بعد مشرکین میں متعدد خیالات پائے جاتے تھے اور اب بھی ہیں، کسی نے خیر و شر کے لیے نور و ظلمت کو الگ الگ خالق مانا۔ کسی نے عبادت میں اس کا شریک قرار دے دیا۔ پھر کسی نے فرشتوں کو کسی نے نبیوں کو کسی نے پیر و مرشد کو کسی نے چاند سورج اور ستاروں کو معبود بنایا۔ کسی نے درخت پانی یا پتھر کے بت تراش کر ان کے سامنے سجدہ کیا۔ کسی نے کچھ کیا اور کسی نے کچھ، بہرکیف ہر ایک نے من مانے جتن کیے۔ خداوند کریم آیت متذکرہ بالا میں ان مختلف اشیاء کی عبادت کرنے والوں سے بلا استثنا سوال فرماتا ہے۔ کہ رزق کون دیتا ہے آنکھ اور کان یعنی جملہ اعضائے بدن کا خالق کون ہے۔ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کو کون پیدا کرتا ہے اور تمام کائنات میں تدبیر کون کرتا ہے اور یہی چار سوالات ایسے ہیں۔ جن کے اندر باقی اس مسئلہ کے فروعی عقائد سب

آجاتے ہیں پس اگر ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ وہ صرف اللہ ہے تو بس وہی لائق عبادت ہے۔
مشرکین سے جب سوال کیا جاتا تھا کہ اللہ کو تسلیم کرکے پھر ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو تو وہ کہتے تھے کہ یہ قرب خدا کا وسیلہ ہیں تو آیت نمبر ۱۸ میں اس عقیدہ کی تردید گذر چکی ہے۔ لہٰذا شیعوں پر یہ اعتراض کرنا کہ وہ محمد و آل محمد کو خالق و رازق یا مدبر الامور مانتے ہیں سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ بلکہ شیعہ اور شیعہ کے آئمہ ایسے عقیدہ والوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں جیسا کہ شیعہ کی کتب عقائد میں یہ مسئلہ مبرہن موجود ہے۔

قُلْ هَلْ اُسی سابق دلیل توحید کا تمہ ہے فرماتا ہے جن کو تم لوگ میرا شریک بناتے ہو اُن میں سے کوئی ہے جو مخلوق کو پیدا کیے اور پھر ان کی موت کے بعد دوبارہ ان کو جلا سکے اس کے بعد جواب میں خود فرماتا ہے کہ ایسا کوئی بھی نہیں

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ

کہہ دو کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ہے جو ایجاد کرے مخلوق کی پھر

يُعِيْدُهٗ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى

پلٹا بھی سکے کہہ دو کہ وہ اللہ ہی ہے جو ایجاد کرتا ہے مخلوق کی پھر پلٹاتا بھی ہے پس

تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى

تم کدھر جاتے ہو؟ کہہ دو کیا ہے تمہارے شرکاء میں سے جو ہدایت کرے حق کی طرف

الْحَقِّ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ

تو کہہ دو کہ اللہ ہی ہدایت کرتا ہے حق کی تو جو ہدایت حق کی کرے زیادہ سزاوار ہے کہ اس

اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

کی پیروی کی جائے یا وہ جو نہیں ہدایت کرتا بلکہ ہدایت کیا جاتا ہے تمکو کیا ہوگیا ہے کیسی باتیں کرتے ہو؟

ہے سوائے اللہ کے وہ ہی مارتا ہے اور مارنے کے بعد زندہ بھی کرسکتا ہے۔ لہٰذا بعض مقامات پر انبیاءؑ کا بطور اعجاز کے یا آئمہ طاہرینؑ کا معجزہ کے طور پر مردہ کو زندہ کرنا اس کے منافی نہیں کیونکہ درحقیقت معجزہ خدا کا فعل ہوا کرتا ہے آئمہ طاہرینؑ یا انبیاءؑ معصومین صرف دعا کرتے ہیں اور خدا قبول فرما کر مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں شرک نہیں لازم آتا۔ پھر بت پرست طبقہ کو خطاب کرکے فرماتا ہے کہ تمہارے شرکاء یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو کیا وہ تمہیں حق کی طرف بلاتے ہیں تو ان کا جواب نہیں میں ہوگا کہ وہ بت بے حس و حرکت کسی کو کیسے ہدایت کرسکتے ہیں۔ پس فرماتا ہے۔ پھر ان کے سامنے جھکنے میں کونسی عقلمندی ہے۔ بلکہ اطاعت اور پیروی کا سزاوار وہ ہے جو حق کا راستہ بتائے نہ وہ

جس کو راستہ بتایا جائے۔

وَمَا يَتَّبِعُ جب دلیل و برہان سے ثابت ہو گیا کہ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے اور مشرکین کے پاس اپنے باطل مذہب کی کوئی علمی وجہ تو تھی نہیں کہ وہ بیان کرتے تو خدا اسی کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ اس کا علمی جواب نہیں دے سکتے۔ بس ظن و گمان کی ہی باتیں کرتے ہیں۔ کہ ہمارے آبا و اجداد ایسا کرتے تھے پھر فرماتا ہے کہ اس قسم کی باتوں میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور نہ اس کا کوئی فائدہ ہے اور یہ کہ ان کے اکثر ظن و گمان کے پیچھے جاتے ہیں گویا ان میں بعض مسئلہ کو سمجھنے والے بھی تھے لیکن وہ صرف عناد اور تکبر کی وجہ سے راہِ حق پر آنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

وَمَا كَانَ مشرکوں نے اعتراض کیا تھا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ ان کا اپنا بنایا ہوا ہے اور انہوں نے اس کے مضامین کے نسخ کی یا تبدیلی کی خواہش ظاہر کی تھی تو خدا ان کے مزعوم کی تردید فرماتا ہے۔ کہ یہ ایسا کلام ہے۔ کہ افترا ہو ہی نہیں سکتا بلکہ یہ تو کتب سابقہ کی تصدیق ہے یا یہ کہ بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد آیندہ واقعات ہوں کہ قیامت کے حالات کی تصدیق ہے تَفْصِيلَ الْكِتَابِ یعنی مسائل ضروریہ حلال و حرام کی تفصیل ہے۔ یا یہ کہ عقائد حقہ کی مفصل دلیلیں اس میں موجود ہیں۔

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ

اور نہیں پیروی کرتے ان کے اکثر مگر گمان کی حالانکہ تحقیق گمان نہیں کفایت کرتا حق سے کچھ

شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ

بھی تحقیق اللہ جاننے والا ہے جو وہ کرتے ہیں اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ

أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ

افترا باندھا گیا ہو اللہ پر غیر کی جانب سے بلکہ اس میں تصدیق ہے اس کی جو اس سے پہلے تھیں۔

وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٧﴾ أَمْ

اور تفصیل بیان ہے اس میں شک نہیں کہ جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے کیا

يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ

وہ کہتے ہیں کہ اس نے افترا کیا ہے تو کہہ دو لاؤ تو اس جیسا ایک سورہ اور بلا لو جتنے بلا سکتے ہو

أَمْ يَقُولُونَ فرماتا ہے اگر خواہ مخواہ اصرار کریں کہ یہ خدا کا کلام نہیں تو ان کو کہو پھر تم بھی کم از کم اس جیسا ایک سورہ تو بنا کر پیش کرو۔ پس تمہارا اس کے مقابلہ سے عاجز ہونا اس کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہے اور تنہا نہیں بلکہ تمام دنیا کے فصحاء و بلغاء کی مدد حاصل کرنے کی بھی تمہیں اجازت ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا فرماتا ہے۔ ان کی تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مطالب کا وہ صحیح احاطہ علمی نہیں رکھتے اور بفرمان علیؑ انسان جس کا جاہل ہو اس کا دشمن ہوتا ہے (الناس اعداء ما جهلوا) اس لیے معصوم سے وارد ہے کہ جس کا تمہیں علم نہ ہو اس کی تردید نہ کرو اور جو بات تم نہ جانتے ہو وہ بیان نہ کرو جیسا کہ مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔

اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (٣٨) بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ

سوائے اللہ کے اگر سچے ہو بلکہ انہوں نے جھٹلایا اس کو

يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ

جس کے علم کا احاطہ نہ کر سکے اور نہ آئی ان کے پاس اس کی تاویل ایسا ہی جھٹلایا انہوں نے جو

مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ (٣٩) وَمِنْهُمْ

پہلے تھے پس دیکھو کیا انجام ہے ظالموں کا بعض ان میں

مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ

سے اس پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض ایمان نہیں رکھتے اس پر اور تیرا رب جانتا ہے

بِالْمُفْسِدِينَ (٤٠) وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ

فسادیوں کو • اور اگر تجھے جھٹلائیں تو کہہ دو کہ میرے لیے اپنا عمل اور تمہارے لیے اپنا عمل ہے

أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ (٤١) وَ

تم اس سے بیزار ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس سے بیزار ہوں جو تم کرتے ہو اور

مِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ

بعض ان ہی سے کان دھرتے ہیں تیری طرف کیا تو سنائے گا بہرے کو؟ اگر

رکوع نمبر ۱

وَإِنْ كَذَّبُوكَ

جب دلائل توحید اور دعوت عبادت اور بت پرستی سے ممانعت کا بیان پورا ہوا تو چونکہ جھٹلانے والوں کی زبان تو بند نہیں ہوتی تھی پس خدا ارشاد فرماتا ہے کہ ایسے بے ہودہ لوگوں سے دماغ سوزی کی کوئی ضرورت نہیں پس ان کو کہہ دیجئے کہ تم اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہو۔ اور میں اس سے بری ہوں جو کچھ تم کرتے ہو۔

وَمِنْهُمْ یعنی ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بنظر غائر آپ کی طرف توجہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن طلب ہدایت کے لیے نہیں بلکہ از راہ سرکشی تو چونکہ وہ عبرت ونصیحت کے لیے نہیں دیکھتے تھے۔ لہذا باوجود دیکھنے کے ان کو اندھا کہا ہے اور فرمایا ان عقل کے اندھوں کو تم کیا نصیحت کرو گے؟

كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِى

وہ عقل نہ رکھتے ہوں؟ اور بعض ان میں سے دیکھتے ہیں تیری طرف تو تو کیا ہدایت کریگا

الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ

اندھوں کو اگر وہ نہ دیکھ سکتے ہوں؟ تحقیق اللہ نہیں ظلم کرتا لوگوں پر کچھ

شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ

لیکن لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اور جس دن ہم ان کو

كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ

اکٹھا کریں گے ایسا لگے گا کہ نہیں رہے (دنیا میں) مگر ایک گھڑی دن کی پہچانیں گے آپس کو

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾

تحقیق نقصان پایا جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی ملاقات کو اور نہیں تھے ہدایت پانے والے

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

یا تو ہم تم کو دکھائیں گے بعض وہ جو ان سے وعدہ کرتے ہیں یا تجھے وفات دیدیں گے

اِنَّ اللّٰہَ یعنی جب تک لوگوں پر اتمام حجت نہ ہو جائے خدا عذاب نہیں کرتا تو حجت پوری ہو جانے کے بعد اگر کوئی از راہ عناد و تکبر راہ حق کو قبول نہ کرے تو گویا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور خود ہی جہنم کی بھٹی میں کود گیا لہٰذا خدا نے اس پر ظلم نہیں کیا

وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ یہ ظرف یا تو یَتَعَارَفُوْنَ سے متعلق ہے اور یا کَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْا کے معنی سے متعلق ہے یعنی ان لوگوں کے احوال متشابہ ہوں گے ایسے لوگوں کے احوال سے جو دنیا میں صرف ایک گھنٹے رہے ہوں۔ اَیْ تَشَابَہَ اَحْوَالُھُمْ یَوْمَ یَحْشُرُھُمْ گویا بروز حشر ایسا لگے گا کہ ہمیں دنیا میں صرف ایک گھنٹہ ہی رہنا نصیب ہوا تھا اور یَتَعَارَفُوْنَ کا معنی یہ ہے کہ بروز حشر لوگ ایک دوسرے کو خوب پہچانتے ہوں گے۔

وَاِمَّا یعنی کفار و منافقین کے متعلق جو عذاب کا وعدہ ہم کر چکے ہیں یا تو تمہاری حین حیات میں ہوگا اور یا یہ کہ آپ وفات پا جائیں گے اور وہ بعد میں ہوگا۔ بہر کیف وہ عذاب سے نجات نہیں پا سکتے۔ آخر ان کی ہماری جانب ہی تو بازگشت ہے اور ہمیں پتہ ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ یعنی ہر امت کے لیے اتمام حجت اور دعوت حق کے لیے رسول آیا کرتا ہے پس خدا کسی امت کو

بغیر دعوت حق کے نہیں چھوڑتا اور یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ہر زمانہ میں حجت خدا کا وجود ضروری ہے اور مذہب شیعہ کا یہی عقیدہ ہے

فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ (٤٦)

تو ہماری طرف ان کا رجوع ہوگا پھر اللہ گواہ ہے وہ جو عمل کرتے ہیں

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ

اور ہر گروہ کے لیے رسول ہوتا ہے پس جب آئے رسول ان کے پاس (اور اتمام حجت ہو جائے)

بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (٤٧) وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا

تو فیصلہ ہوتا ہے ان کے درمیان عدل کا اور وہ نہیں ظلم کیے جاتے اور کہتے ہیں کب ہوگا وعدہ

الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (٤٨) قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي

اگر تم سچے ہو کہہ دو میں نہیں مالک اپنے نفس

ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا

ضرر اور نفع ہیں مگر وہ جو چاہے خدا ہر امت کے لیے ایک مدت ہے جب

جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (٤٩)

ان کی مدت آ جائے تو نہ موخر ہو سکتے ہیں ایک گھنٹہ اور نہ مقدم ہو سکتے ہیں

اور اتمام حجت کے بغیر کسی سے بازپرس یا عذاب خلافِ عدل ہے۔ فَإِذَا جَاءَ پس جب رسول آجائے اور حق و باطل سمجھا کر ان کو حق کی دعوت دے پھر وہ لوگ ازراہِ عناد و سرکشی اس کی دعوت کو ٹھکرا دیں تو وہ مستحق عذاب ہوں گے۔ ورنہ اتمام حجت کے بغیر ان کو گرفت کرنا ظلم ہے اور خدا ظلم نہیں کرتا۔

وَيَقُولُونَ ۔ یعنی وہ لوگ (کفار) عذاب کے وقت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کب ہوگا تو ان کے جواب میں کہہ دو کہ میں تو اپنے نفس کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں۔ مگر اتنا کہ خدا چاہے اور یہ کہ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو ایک لمحہ نہ اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ لہٰذا میرے پاس تمہارے عذاب یا موت کی تاریخ معین موجود نہیں ہے۔ اور جناب رسالتمآبؐ سے خدا کا کہلوانا کہ میں تو اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں جہلا کو تنبیہ کرنے کے لیے ہے کہ وہ بھی خدا کو ہی اپنے نفع و نقصان کا مالک جانیں اور نفع حاصل کرنے یا تکلیف کے دور کرنے کی دعا محمد و آل محمد کے وسیلہ سے خدا سے ہی مانگیں اور یہ اعتقاد رکھیں کہ کسی کو تکلیف اللہ کی جانب سے پہنچتی ہے اور تکلیف کو دور کرنے اور نفع پہنچانے پر بھی وہی قادر ہے۔

قُلْ یعنی ان سے کہہ دو کہ عذاب تو اپنے وقت پر ہی آ جائے گا خواہ دن ہو گا یا رات۔ لیکن تم کیسے عذاب کی جلدی چاہتے ہو

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَاذَا يَسْتَعْجِلُ

کہہ دو کہ کیا تمہیں خبر ہے اگر آ جائے تم پر اس کا عذاب رات کو یا دن کو تو کونسے عذاب کی جلدی چاہتے

مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ آلْآنَ

ہیں مجرم لوگ؟ کیا جب واقع ہو گا تو ایمان لاؤ گے اس پر اب؟

وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا

اور ایمان لاتے ہو حالانکہ تم اس کی جلدی چاہتے تھے پھر کہا جائے گا ظالموں کو کہ چکھو

ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ

دائمی عذاب تمہیں نہیں جزا دی جاتی مگر وہ جو

تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي

کماتے ہو اور تجھ سے خبر چاہتے ہیں کہ کیا سچ ہے وہ؟ کہہ دو ہاں خدا کی

إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ

قسم تحقیق وہ سچ ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے اور اگر ہر وہ نفس جو ظالم ہے

کیوں کہ عذاب تو ایسی شی نہیں کہ اس کی خواہش کی جائے ہاں جب وہ واقع ہو گا تو تمہیں مجبوراً ماننا پڑے گا اور خدا کی طرف جھکنا پڑے گا لیکن اس وقت کا ایمان اور جھکنا کس کام کا؟

اَحَقٌّ هُوَ تفسیر جامع میں بروایت صادقین علیہما السلام منقول ہے کہ اہل مکہ نے پوچھا تھا کہ کیا علی کی امامت حق ہے، تو اس کا جواب ہے اور حدیث مشہور و معروف بلکہ متواتر علی مع الحق والحق مع علی بھی اسی سے موافقت رکھتی ہے

maablib.org

رکوع ۶ ع ۱۱

قرآن روحانی و جسمانی امراض کا علاج ہے

وَلَوْ أَنَّ یعنی قیامت کی ہولناکی اور عذاب خدا کی شدت کا یہ عالم ہو گا کہ ظالم لوگ اگر پوری زمین اور اس کے اندر کی تمام موجودات کی ملکیت رکھتے تو اپنے پیش آنے والے عذاب کا فدیہ دینے میں تامل نہ کرے۔

اَسَرُّوا النَّدَامَةَ وہ پیر لوگ اور لیڈر و قائد طبقہ جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا تھا روز محشر جب عذاب خداوندی کا معائنہ کریں گے تو شرمسار ہوں گے اور اپنے مریدوں اور معتقدوں سے اس شرمساری کو چھپانے کی کوشش

کریں گے۔ لیکن وہاں کیسے چھپ سکیں گے بلکہ وہاں تو صرف رسوائی ہی رسوائی ہو گی

ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۗ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ

زمین کی تمام چیزوں کا مالک ہو تو اس عذاب کے فدیہ میں دیدے۔ اور چھپائیں گے ندامت

لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٥٤﴾

کو جب دیکھیں گے عذاب اور فیصلہ ہو گا ان میں عدل کا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ

تحقیق اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تحقیق اللہ کا وعدہ سچا ہے

حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَ

لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے وہی جلاتا اور مارتا ہے اور

وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٥٦﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ

اسی کی طرف پلٹو گے اے لوگو تحقیق آئی تمہارے پاس نصیحت

مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَ

اپنے رب سے اور شفا اس کی جو سینوں میں ہے اور ہدایت اور

یا ایھا الناس

آیت مجیدہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن مجید روحانی اور جسمانی دونوں بیماریوں کا علاج ہے لہذا تمام نوع انسان کو اس آیت میں دعوت عام دی گئی ہے کہ اگر تم روحانی امراض کی شفا چاہتے ہو تو قرآن مجید تمہارے پروردگار کی طرف سے موعظہ اور نصیحت کی کتاب ہے اس پر عمل پیرا ہو کر ہر قسم کی روحانی امراض سے شفایابی حاصل کر سکتے ہو اور اگر تم جسمانی طور پر درد و الم کی شکایت رکھتے ہو تو قرآن سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہے اس کی آیات یا اسکے اجزا کی تلاوت بدنی تکالیف کو بھی رفع کر سکتی ہیں۔ چنانچہ تفسیر جامع میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت پیغمبر اکرمؐ سے اپنے درد سینہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا اس کا علاج قرآن سے کرلو اور آپ نے یہی آیت پڑھی گویا سینہ کے درد کے رفع کرنے کے لیے یہ آیت پڑھی جائے تو درد رفع ہو جائے گا۔ تو چونکہ قرآن کو روحانی اور جسمانی امراض کا علاج قرار دیا ہے اس لیے اس کو ھُدًی و رحمۃ سے تعبیر فرمایا کہ روحانی امراض کے علاج کے لحاظ سے یہ ھُدًی (ہدایت) اور جسمانی امراض کے علاج کے لیے رحمت ہے

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ اس کی تاویل میں متعدد اقوال ہیں مثلاً فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد جناب رسالتمآبؐ یا فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد اسلام یا اس کا الٹ اور ایک روایت میں حضورؐ نے فرمایا کہ جس کو خدا اسلام عنایت کرے اور قرآن کا علم بھی دے پھر وہ فقر و فاقہ کی شکایت کرے تو روز محشر تک اس کی پیشانی پر خدا فقر و فاقہ لکھ دے گا پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (حضرت امام محمد باقرؑ سے اس آیت کی تاویل یہ منقول ہے کہ فضل سے مراد جناب رسول خداؐ ہیں اور رحمت سے مراد حضرت علی بن ابی طالب ہیں (مجمع البیان)

رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ
رحمت مومنوں کے لیے — کہہ دو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پس اس کے ساتھ

فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۵۸﴾ قُلْ
خوش رہو یہ اچھا ہے اس سے جو جمع کرتے ہو — کہہ دو

أَرَأَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللّٰهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ
کیا تم نے دیکھا ہے کہ جو اتارا اللہ نے تمہارے لیے رزق پس بنا لیا تم نے اس سے

حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللّٰهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّٰهِ
کچھ حرام اور کچھ حلال کہہ دو کیا اللہ نے اجازت دی تمہیں یا خود اللہ پر

تَفْتَرُونَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
بہتان باندھتے ہو — اور کیا خیال ہے ان کا جو بہتان باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹا

فَبِذٰلِكَ نحوی اعتبار سے بذالک بدل ہے بِفَضْلِ اللّٰہِ سے یعنی اللہ کے فضل و رحمت کو ہی خوشی کا باعث سمجھنا چاہیے نہ کہ مال و دولت کو اور یہ چیزیں تمہارے جمع کردہ مال سے بہتر ہیں اور بروایت تفسیر جامع کافی میں ہے حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگوں کے لیے آل محمد کی ولا دنیاوی جمع کردہ مال سے خوب تر ہے اور حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ رسالت مآبؐ کی نبوت کا اقرار اور علی و اولاد علی علیہ السلام کی ولایت کا اقرار دنیادی مال خزانوں سے بہتر ہے

قُلْ أَرَأَيْتُم یہ اہل کتاب یہود کے لیے سرزنش ہے جنہوں نے حیوانوں میں اپنی خواہشات کی بناء پر کچھ حلال اور کچھ حرام بنا رکھے تھے کہ کوئی مردوں پر حلال اور عورتوں پر حرام اور کسی کا بعض حصہ حلال اور بعض حصہ حرام وغیرہ اور یہ سب کچھ اپنی خواہش نفس سے تھا انہی کے متعلق فرماتا ہے کہ حلال و حرام کی اس تقسیم کی تمہیں کس نے اجازت دی کیا خدا کا کوئی حکم اس نوعیت کا تمہارے پاس پہنچا ہے؟ اور اگر نہیں تو پھر اس قسم کے بہتان کیوں باندھتے ہو اور اس کی تفصیل تفسیر

کی پانچویں جلد سورہ مائدہ کی تفسیر میں مذکور ہو چکی ہے ۔

رکوع نمبر ۱۲ وَمَا تَكُوْنُ آیت مجیدہ میں خداوند کریم اپنے علم کلی کی وضاحت فرماتا ہے تاکہ مومنین جس مقام پر ہوں اور جس حالت میں ہوں وہ یہ سمجھیں کہ خدا ہمارے ساتھ ہے بس کسی وقت خدا کے بھروسہ سے باہر نہ جائیں اور تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب جناب رسالتمآب اس آیت مجیدہ کی تلاوت فرماتے تھے ۔ تو بہت گریہ کرتے تھے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

قیامت کے دن ؟ تحقیق اللہ تو صاحب فضل ہے لوگوں پر لیکن ان کے اکثر شکر

لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ

نہیں کرتے تم کہیں کسی حالت میں ہو اور کچھ بھی قرآن

قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا

پڑھو اور جو بھی عمل کرو ہمیں اس کی پوری خبر ہے ۔

اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ

جب تم اس میں گھستے ہو اور نہیں غائب تیرے رب سے کوئی چیونٹی کی

ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ

مقدار نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں اس سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ

اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۱ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ

بڑی مگر یہ کہ وہ لوح محفوظ میں موجود ہے تحقیق اللہ کے اولیاء پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ

اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ مجمع البیان میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ وہ ہیں ۔ جو فرائض خداوندی کو ادا کریں ۔ اور سنت رسول پر عمل پیرا ہوں ۔ خدا کی حرام کردہ اشیاء سے بچیں ۔ دنیا میں زہد کریں اور آخرت میں رغبت کریں ۔ اپنے گذارا کے لیے حلال رزق کمائیں نہ کہ فخر و تکبر کی خاطر اور پھر اس سے حقوق واجبہ ادا کریں پس ان لوگوں کے کسب میں خدا برکت دے گا اور آخرت میں اس کی ان کو جزائے خیر دے گا ۔

خداوند کریم نے اولیاء اللہ کی جامع تعریف یہ کی ہے کہ جو ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں ۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى تفسیر مجمع البیان اور جامع میں عقبہ بن خالد سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

اسے عقبہ بروز قیامت خداوند کریم بندوں سے کوئی دین قبول نہیں کرے گا سوائے اس دین کے جو تمہارا (شیعوں کا) ہے اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک میں صرف یہی دیر ہے کہ جب روح کے نکلنے کا وقت ہو گا تو سرہانے حضرت پیغمبرؐ اور حضرت علیؑ پہنچیں گے حضرت رسول اکرمؐ فرمائیں گے کہ میں تیرا رسول ہوں اور دنیا میں تیرے پیچھے چھوڑے ہوئے ترکہ سے میں بہتر ہوں پھر حضرت امیر علیہ السلام فرمائیں گے میں علی بن ابی طالب ہوں جن کی تو ولا و محبت رکھتا تھا آج تجھے میری دوستی فائدہ دے گی۔ پس آپ نے فرمایا جو کچھ میں نے کہا ہے قرآن مجید میں موجود ہے عقبہ کے پوچھنے پر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی کہ اولیاء اللہ کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی جائے گی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مومن جب قبر میں جائے گا تو اس کی قبر سے ایک دروازہ جنت کی طرف کھل جائے گا۔ (مجمع البیان)

وَفِي الْآخِرَةِ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ قبروں سے نکلتے ہی فرشتے

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ
وہ محزون ہوں گے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں
لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ
ان کے لیے خوشخبری ہے زندگانی دنیا میں اور آخرت میں بھی نہیں تبدیلی
لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ
اللہ کے وعدہ میں یہ ہی بڑی کامیابی ہے اور تجھے غم زدہ کریں
قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾
ان کی باتیں کیوں کہ عزت اللہ کے پاس ہے سب وہ سننے جاننے والا ہے
أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا
تحقیق اللہ کے لیے ہے جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور وہ
يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ
جو اتباع کرتے ہیں ان کی جنہیں پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ نہیں اتباع کرتے

ان کو جنت کی بشارت دیں گے اور قیامت کے میدان میں بھی ان کو جنت کی بشارت دیں گے یعنی وقتاً فوقتاً جنت میں داخل ہونے تک ان کو بشارتیں اور مبارکبادیوں کے پیغامات ملتے رہیں گے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ کفار و مشرک خواہ مخواہ اپنی بد باطنی اور حسد و بغض کے اظہار کے لیے حضورؐ کے متعلق زبان طعن

کھولتے تھے کبھی کہتے تھے کہ یہ شاعر ہے کبھی دیوانہ کہتے تھے کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔ بہرکیف حضور کو تکلیف پہنچانے میں وہ کمی نہ کرتے تھے۔ تو خداوند کریم اپنے حبیب کی ان لفظوں میں تسلّی فرما رہا ہے کہ آپ مطمئن رہیں وہ بگاڑ کچھ بھی نہیں سکتے کیونکہ عزت اور غلبہ میرے ہاتھ میں ہے میں ان کی مکاریوں کا خود ہی علاج کروں گا۔

مَا يَتَّبِعُ اگر اس ما کو نافیہ بنایا جائے تو بعد میں ان یّتبعون اس سے بدل ہوگا یعنی یہ لوگ ماسوا اللہ کی اطاعت صرف ظن اور تخمین کی بنا پر کرتے ہیں کہ چونکہ ہمارے آباؤ اجداد ایسا کرتے تھے ورنہ ان کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے اور اگر اس کو موصولہ بنایا جائے تو معنی وہی ہوگا جو تحت اللفظ موجود ہے اور محل اعراب نصب ہوگا۔ کیونکہ انّ کا اسم ہوگا اور اس کا عطف مَن پر ہوگا یعنی یہ لوگ بھی اللہ کی ملکیّت کے اندر ہی ہیں جو غیر پرستی کرتے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ما کو استفہامیہ ائی شئی کے معنی میں قرار دیا گیا یعنی یہ کیا کر رہے ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسرے شرکاء کو پکارتے ہیں۔ تو یہ استفہام انکاری ہوگا۔

إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ

مگر گمان کی اور وہ صرف تخمیناً ہی ایسا کرتے ہیں وہ وہ ہے جس نے بنایا

لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

رات کو کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو دیکھنے کے لیے تحقیق اس میں نشانیاں

لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ

ہیں ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں کہنے لگے بنا لیا اللہ نے بیٹا پاک ہے وہ

هُوَ الْغَنِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ إِنْ

وہ تو بے نیاز ہے اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے نہیں ہے

عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بِهَٰذَا أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا

تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل کیا تم کہتے ہو اللہ پر ایسی بات

maablib.org

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ اب رُخِ کلام ان لوگوں کی طرف ہے جو خدا کے لیے اولاد ثابت کرتے تھے ان کی دو قسمیں تھیں۔ (۱) کفار قریش جو یہ خیال کرتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں (۲) نصاریٰ جو حضرت عیسٰے کو خدا کا بیٹا کہتے تھے ان دونوں گروہوں کی تردید ہے کہ وہ غلط بکواس کرتے ہیں اور اس کا جواب تین طرح سے دیا ہے (۱) سُبْحَانَهٗ۔ اپنی تنزیہ بیان فرمائی اولاد اپنے والد کے مشابہ ہوا کرتی ہے اور خدا مشابہت سے پاک و منزہ ہے نیز اولاد کا ہونا حدوث کو چاہتا ہے۔ اور خدا حدوث سے منزہ ہے نیز اولاد کا ہونا تغیر کو چاہتا ہے اور خدا اس سے بلند و بالا ہے

(۲) هُوَ الْغَنِيُّ یعنی اولاد کا وجود احتیاج کو ثابت کرتا ہے اور وہ خدا جو تمام کائنات کا واحد مالک ہے اس کو کسی کی احتیاج کیا ہے تاکہ اولاد کی اس کی ضرورت ہو؟ (۳) لَهٗ جن اشیاء کو خواہ فرشتے ہوں یا انبیاء وہ خدا کی اولاد سے تعبیر کرتے تھے، وہ سب ملکیت خدا میں داخل ہیں اور مملوک اور اولاد الگ الگ ہوا کرتے ہیں جو چیز مملوک ہو وہ اولاد نہیں ہو سکتی کیوں کہ اولاد باپ کی جنس سے ہوتی ہے نہ کہ غیر تاکہ مملوک بنے اور تمام کائنات اس کی مملوک ہے خواہ آسمان میں ہو، جیسے فرشتے یا زمین میں ہو جیسے انبیاء و اولیاء، پس ان کو خدا کا وَلد کہنا غلط اور بے دلیل ہے، اور پیار و محبت میں مبالغہ کے لیے بمنزلہ اولاد کہنا بھی ناجائز ہے، انہی وجوہ کی بنا پر جن کی بنا پر اس کیلئے اولاد کا تجویز کرنا باطل ہے پس ایسی باتیں صرف افترا پردازی اور بہتان طرازی ہیں جن کا انجام عذاب شدید ہوگا۔

رکوع ۱۳

حضرت نوحؑ کا ذکر

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ پیغام توحید اور تبلیغ رسالت پر جب مشرکین مکہ نے جناب رسالت مآب پر طعن و تشنیع شروع کی تو خداوند کریم نے جناب رسالت مآبؐ کے لیے تسلّی کے طور پر اور لوگوں کے لیے عبرت و نصیحت کے طور پر سابق انبیاء کی مثالیں پیش فرمانا شروع کر دیں اور تمام انبیاء میں حضرت نوح، حضرت موسیٰ اور حضرت یونس کی ہی مثالوں کا انتخاب فرمایا کیوں کہ ان کے واقعات نہایت نتیجہ خیز اور بالکل صاف اور

تَعْلَمُونَ ﴿۶۸﴾ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

تم نہیں جانتے — کہہ دو تحقیق وہ لوگ جو افترا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹا

لَا يُفْلِحُونَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

نہ چھٹکارا پائیں گے — معمولی فائدہ ہے دنیا میں — پھر تو ہماری جانب پلٹنا ہوگا

ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۷۰﴾ ع

پھر ان کو چکھائیں گے عذاب سخت بوجہ اس کے جو کفر کرتے تھے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ

اور پڑھ ان پر خبر نوح کی جب اس نے کہا اپنی قوم سے اے قوم اگر شاق

كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ

ہے تم پر میرا ہونا اور نصیحت کرنا ساتھ آیات خدا کے

فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ

تو اللہ پر میں نے بھروسہ کیا ہے بس اکٹھا کرو اپنی قوّت کو اور ساتھیوں کو

واضح طور پر منصف طبائع کے لیے مؤثر ہیں چنانچہ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ وہ اس قسم کے جرأت مند دلیر اور نڈر مبلغ تھے کہ قوم کے انکار کے بعد ان کو صاف اور واشگاف الفاظ میں ببانگ دہل کہہ دیا کہ تم میرے وعظ سے کبیدہ خاطر ہوتے ہو اور میرا وجود تم نہیں برداشت کر سکتے تو میں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے تم سے مرعوب ہو کر اپنا کلمہ حق چھوڑنے پر ہرگز تیار نہیں ہوں، تم بے شک سوچ سمجھ کر مشورہ کر کے میرے اوپر جو پہاڑ گرانا چاہتے ہو گرا دو اور ذرہ بھر بھی دیر نہ کرو اور فرمایا تمہارا میں نے نقصان ہی کیا کیا ہے؟ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اگر نہ مانو تو نہ سہی کوئی تم سے فیس تو وصول نہیں کرتا تاکہ تمہیں اس کا رنج ہو تم اپنا باطل نہیں چھوڑتے، تو ہم اپنا حق کیوں چھوڑیں، ہمیں اس کا اجر اللہ ہی دے گا۔ آخر نتیجہ یہ نکلا۔ کہ انہوں نے تکذیب کی اور غرق ہوئے اور ہم نے بذریعہ کشتی نوح کو اور اس پر ایمان لانے والی جماعت کو نجات دے کر ان کا قائم مقام بنایا۔ پس یہی انجام ہوتا ہے نہ ماننے والوں کا اور حضرت نوح کا ذکر تفسیر کی چھٹی جلد میں ص۱۴۴ تا ص۱۴۶ بھی مذکور ہو چکا ہے اور مفصل ذکر اسی جلد میں سورہ ہود کی تفسیر میں آئے گا۔

ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا
اور نہ ہو تمہارا معاملہ تم پر پوشیدہ پھر بڑھو میرے (قتل کی) طرف اور نہ
تُنْظِرُونِ ﴿٧١﴾ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ
مہلت دو پس اگر تم نہ مانو تو میں نے تم سے کوئی مزدوری تو نہیں (مانگی)
إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ
میری مزدوری تو میرے اللہ کے ذمہ ہے اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ ہوں تسلیم کرنے
الْمُسْلِمِينَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي
والوں میں سے پس انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم نے اس کو نجات دی۔ اور
الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا
اس کے ساتھیوں کو کشتی میں اور کیا ہم نے ان کو قائم مقام (غرق ہونے والوں کا) اور غرق کر دیا ان کو جو جھٹلاتے
بِآيَاتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ
تھے ہماری آیات کو پس دیکھ کیا انجام گزرا ان کا جنہیں ڈرایا گیا (لیکن نہ مانے) پھر بھیجا ہم نے

حضرت موسےٰ کا ذکر رُسُلًا یعنی حضرت نوح کے بعد یکے بعد دیگرے متعدد پیغمبر آتے رہے اور جھٹلانے والے جھٹلاتے رہے اور بار بار کی نافرمانیوں سے دل اس قدر تاریک ہو جاتا ہے کہ پھر نصیحت کو قبول ہی نہیں کرتا گویا کہ اس پر گمراہی کی مہر لگ جاتی ہے اور اس کو طبع یا ختم کے لفظ سے قرآن میں تعبیر کیا گیا ہے۔ اور خدا نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ وہ مجبور نہیں کرتا اور اس کی مزید وضاحت تفسیر کی دوسری جلد میں ۶۵ سے ۶۶ تک مسئلہ قضا و قدر اور جبر و تفویض میں پوری تفصیل سے موجود ہے۔

جَآءَهُمُ الْحَقُّ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو حق کا نام دیکر خدا نے اپنی جانب منسوب فرمایا اور اس سے یہ تنبیہ کر دی کہ معجزات کا فاعل نبی نہیں ہوتا بلکہ میں ہوا کرتا ہوں

لَا يُفْلِحُ یعنی جادوگروں کے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ تو

بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا

ان کے بعد رسولوں کو اپنی قوموں کی طرف پس وہ آئے دلیلیں لے کر پس نہ ایمان لانیوالے

لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ

بنے ساتھ اس کے جسے جھٹلا چکے پہلے اسی طرح ہم مہر لگاتے ہیں سرکشوں کے دلوں

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ

پر پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد موسےٰ و ہارون کو

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا

فرعون اور اس کے سرداران قوم کی طرف اپنی آیات کیساتھ تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم

مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ

لوگ تھے پس جب آیا ان کے پاس حق ہماری جانب سے تو کہنے لگے تحقیق

هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا

یہ ظاہر جادو ہے فرمایا موسےٰ نے کیا تم کہتے ہو حق کو جب

جَآءَكُمْ اَسِحْرٌ هٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا

تمہارے پاس آیا کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ نہیں چھٹکارا پاتے جادوگر کہنے لگے کیا تو آیا ہے

صرف نہ جاننے والے لوگوں کی آنکھوں کو دھوکا دیا کرتے ہیں۔ اور میرے معجزات دلائل کے ساتھ ہیں۔ لہذا ان کو جادو کہنا صرف حسد اور کور باطنی ہے۔

قالُوْا جب موسےٰ کے جواب سے عاجز ہوئے تو کہنے لگے۔ تو ہمیں اپنے باپ دادا کے مذہب سے ہٹانا چاہتا ہے اور زمین میں حکومت کرنا چاہتا ہے لہٰذا ہم تیری بات ہرگز نہ مانیں گے۔

فِرعَوْن ہر دور میں باطل حق سے نبرد آزما رہا ہے لیکن حق والوں نے حوصلہ شکن حالات میں بھی حق کا ساتھ دیا اور آخرکار حق کی فتح ہوئی اور باطل کے بلند و مضبوط پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر حق کے قدموں میں گر گئے یا حق کے ہمہ گیر سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے موسیٰ نے جب اژدہا کا معجزہ دکھایا تو فرعون اپنے دور کے عام چرچے کے ماتحت یا اپنے اقتدار کی حفاظت کی خاطر اس کو جادو کہنے پر مصر ہوا اور موسےٰ کے مقابلہ کے لیے جادوگروں کو جمع کرا لیا چنانچہ جب جادوگروں نے اپنی رسیوں پر منتر پڑھا یا جادو

لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ

تاکہ پھیر دے ہمیں اس دین سے جس پر ہم نے اپنے آبا کو پایا تھا اور ہو تمہارے لیے بڑائی

فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

زمین میں اور ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے اور کہا فرعون نے

ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝۷۹ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ

لاؤ میرے پاس ہر ماہر جادوگر کو پس جب آئے جادوگر تو کہا ان کو

مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝۸۰ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى

موسےٰ نے ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو پس جب وہ ڈال چکے تو فرمایا موسےٰ نے

مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ

وہ جو لائے ہو تم جادو تحقیق خدا اسے باطل کرے گا تحقیق اللہ نہیں کامیاب

کیا تو بہرکیف لوگوں کی نظروں میں وہ چلتے پھرتے سانپ بن گئے ادھر حضرت موسےٰ نے بحکم خداوندی عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا اور ان سب جادو کے سانپوں کو کھا گیا اور حضرت موسےٰ کے پکڑنے سے حسب سابق عصا بن گیا یہ وہ حقیقت تھی جس کو اقتدار کی ہوس کے اندھے نے آخر تک نہ مانا اور منصف طبع جادوگروں نے تسلیم کر لیا کہ موسےٰ کی طاقت مافوق البشر ہے اور وہ خدائی نمائندہ ہے لہٰذا انہوں نے صرف ہار ہی نہیں مانی بلکہ کفر کا جوا گردنوں سے اتار پھینکا اور حضرت موسےٰ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہو گئے اور اس قدر پختہ یقین سے اسلام لائے کہ ان کے حق میں پھانسی کی سزا تجویز ہوئی تو موت کو گلے سے لگا لیا لیکن حق کو گلے سے الگ نہ کیا مفصل بیان تفسیر کی چھٹی جلد صفحہ ۶۲ تا ۶۷ میں دیکھیے۔

مَا جِئْتُمْ ما موصولہ مبتدا ہے اور فعل اس کا صلہ ہے اور السحر خبر ہے اس کی۔ حضرت موسےٰ کا تذکرہ ابھی اسی جلد میں

سورہ ہود میں بھی ہوگا۔

بِكَلِمٰتِهٖ یا تو اس سے مراد وہ وعدہ ہے جو خدا نے موسٰے سے کیا تھا۔ یا اس سے مراد نوشتہ لوح محفوظ ہے کہ حق کو کامیاب کردوں گا اور یا اس سے مراد اس کے کلام کی آیات ہیں جو بیان حق کے لیے اُترتی ہیں۔

رکوع نمبر ۱۴۔ مِنْ قَوْمِهٖ ہاء ضمیر غائب کا مرجع فرعون بھی بن سکتا ہے اگر فرعون ضمیر کا مرجع بنے تو معنی یہ ہوگا۔ کہ فرعون کی قوم کے چند بچے مومن ہوگئے ان کو ذریت یعنی بچے اس لیے کہا گیا کہ ایک سرکش اور ظالم مطلق العنان حکمران کے مقابلہ میں انتہائی کمزور تھے جس طرح بچہ کمزور ہوتا ہے پس اس بارے میں چند اقوال ہیں (۱) یہ کہ ان کی مائیں بنی اسرائیل سے تھیں اور باپ قبطی تھے (۲) یہ کہ ان سے مراد آسیہ زن فرعون، مومن آل فرعون اور فرعون کی زوجہ کی مشاطہ ہو (۳) یہ کہ بعض قبطی تھے جن کی والدین مسلمان نہ ہوئے اور اگر ضمیر غائب کا مرجع موسیٰ کو قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ موسٰے کی قوم کی اولاد ایمان لائی۔ لہٰذا اس میں بھی چند اقوال ہیں (۱) بنی اسرائیل کی ایک جماعت تھی جن کو فرعون نے جادو کی تعلیم دلوا کر اپنے خواص میں داخل کیا ہوا تھا (۲) یہ بنی اسرائیل تھے اور حضرت یعقوب جب مصر میں داخل ہوئے تھے تو ان کی اولاد ۷۲ نفوس پر مشتمل تھی لیکن اب وہ چھ لاکھ تک پہنچ چکے تھے (۳) موسٰے جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے وہ سب کے سب مر چکے تھے کیونکہ زمانہ زیادہ گذر چکا تھا اور یہ لوگ ان کی اولاد تھے۔

عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ

کرتا فسادیوں کے عمل کو اور ثابت کرتا ہے اللہ حق کو ساتھ اپنے حکم کے اگرچہ

كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ

ناپسند کریں مجرم پس نہ ایمان لائے موسیٰ پر مگر بچے اس کی قوم کے

قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ

ڈرتے ہوئے فرعون اور اپنے سرداروں سے کہ کہیں فتنہ میں نہ

وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

ڈالیں اور تحقیق فرعون ایک متکبر تھا زمین میں اور تحقیق بے راہ رو تھا

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا

اور فرمایا موسٰے نے اے قوم اگر تم ہو ایمان لائے اللہ پر تو اس پر بھروسہ کرو

اَنْ يَّفْتِنَهُمْ یعنی ان کو ڈر تھا کہ کہیں ظالم فرعون ظلم و تشدد کر کے ہمیں فتنہ و مصیبت میں نہ ڈالے تا کہ دوبارہ

ہمیں مرتد نہ ہونا پڑے۔

لَا تَجْعَلْنَا حضرت موسےٰ کے جرأت دلانے سے وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم تو ہو گئے۔ لیکن دعائیں مانگتے تھے۔ کہ پروردگارا! ہمیں ظالم لوگوں کی آزمائش گاہ نہ بنانا۔ یعنی ان کو ہم پر کامیابی نہ دینا کیونکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ اگر موسیٰ پر ایمان لانے والے حق پر ہوتے تو خدا ان کی مدد کرتا۔ لہٰذا تو ہماری نصرت فرما اور ان کافر لوگوں سے ہمیں نجات دے۔

اَنْ تَبَوَّاٰ یعنی ہم نے موسےٰ و ہارون کو حکم دیا کہ مصر میں اپنی رہائش رکھ لو اور گھر بنا لو۔

وَاجْعَلُوْا بعضوں نے کہا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کی مساجد کو مسمار کر دیا تھا۔ پس خدا کا حکم نازل ہوا کہ اپنے گھروں کو ہی قبلہ بنا لو۔ یعنی مساجد سمجھ لو اور وہیں نماز ادا کر لیا کرو اور بعض مفسرین نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ اپنے گھروں کو ایک دوسرے کے مقابل بنا لو۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا

اگر مسلمان ہو تو کہنے لگے ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا اے رب

لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ

نہ کر ہمیں آزمائش ظالم لوگوں کے لیے اور ہمیں نجات دے اپنی

مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ

رحمت سے کافر لوگوں سے اور ہم نے وحی کی طرف موسےٰ کے اور اس کے بھائی

اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ

کے کہ بناؤ اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر اور کرو اپنے گھروں کو قبلہ

قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ

اور قائم کرو نماز کو اور خوشخبری دو مومنوں کو اور کہا

مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ

موسیٰ نے اے رب تو نے دی فرعون اور اس کے لشکر کو خوشحالی اور

زِیْنَۃً یعنی حضرت موسےٰ علیہ السلام نے قوم فرعون کے حق میں بد دعا کی تھی جو مقبول ہوئی۔ کہ اے پروردگار تو نے ان کو زینت اور مال دے رکھے ہیں۔ زینت سے مراد سامان آرائش زیورات لباس اور عمدہ عمدہ بنگلے محل وغیرہ۔ پس وہ اسباب عیش کی فراوانی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں کو راہ راست سے گمراہ کرتے ہیں۔ تو ان کے اموال کو تباہ کر

دے تاکہ گمراہی کا یہ اہم سبب ان سے سلب ہوجائے اور ان کو ہلاک و برباد کر دے اُشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ کا یہ معنی کیا گیا ہے کہ ان کی دلوں کی حرکت کو بند کر دے یعنی ہلاک کر دے کیونکہ یہ ایمان لانے والے نہیں جب تک کہ عذاب نہ دیکھیں پس وحی ہوئی کہ تمہاری دُعا مقبول ہے پس تم اپنا کام کیے جاؤ۔ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ موسٰے و ہارون کی دُعا اور فرعون کے غرق ہونے میں چالیس سال کا فاصلہ تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ دعائے مستجاب کے لیے ضروری نہیں کہ فوراً ہی اس کا نتیجہ نکل آئے بلکہ یہ خدا کی مصلحت کے تابع ہے، مروی ہے کہ دعا مانگنے والا حضرت موسٰی تھا اور ہارون آمین کہنے والے تھے پس آخر کار فرعون غرق ہوا، اور ان کے مال و خزائن خراب ہوئے کہتے ہیں ان کا سونا ٹھیکریاں اور کنکر بن گئے تھے۔

تفسیر جامع میں ہے۔ کہ جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ میں بھی طمس اموال کا واقعہ ہوا کہ ایک شخص نے حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں درخواست دی کہ میں نے کمال محنت سے اپنے لڑکے کی پرورش

اَمْوَالًا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ

مال زندگانی دنیا میں اے رب تاکہ گمراہ کریں تیری راہ سے اے رب خراب کر

عَلٰٓی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی

دے ان کے مالوں کو اور بند کر دے ان کے دلوں کی حرکت کو پس وہ ایمان نہیں لاتے یہاں تک

یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا

کہ دیکھیں عذاب دردناک فرمایا تحقیق قبول کی گئی تمہاری دعا پس تم ڈٹے رہو

فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَ

اور نہ اتباع کرو ان لوگوں کے راستہ کی جو بے علم ہیں اور

جٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَھُمْ فِرْعَوْنُ وَ

گزارا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو پیچھے لگا ان کے فرعون اور

عقوق والدین

کی ہے اب وہ جوان ہے اور میں بوڑھا ہوں اور مجھے خرچہ نہیں دیتا تو آپ نے لڑکے کو سمجھایا، لیکن اس نے کہا کہ میں غریب ہوں حضور نے ایک ماہ کا خرچہ اپنی طرف سے دیا اور دوسرے ماہ میں بوڑھے کی شکایت پر لڑکے کو بلا کر تنبیہ فرمائی تو اس نے وہی پہلا جواب دیا تو آپ نے فرمایا جاؤ، خدا تیرے مال کو ضائع کرے گا، چنانچہ اس کے تمام ذخائر گندم وغیرہ میں کیڑا پڑ گیا اور بدبودار ہو گئے اور مزدوروں کو بلا کر باہر پھینک دیے جب مزدوری ادا کرنے کے لیے خزانہ کو دیکھا تو سب ٹھیکریاں اور سنگریزے تھے۔ خداوند کریم مومنین کی اولاد کو حقوق والدین ادا کرنے کی توفیق دے، آمین

وَجٰوَزْنَا یعنی ہم نے گذارا یں طور کہ دریا کو خشک کر کے اس میں بارہ راستے پیدا کرا دیئے ۔
تفسیر جامع و مجمع البیان میں ہے کہ جب بنی اسرائیل نے موسیٰ سے درخواست کی کہ دعا مانگو کہ خدا فرعون کو تباہ کرے کیونکہ وہ اسکے مظالم سے تنگ آچکے تھے
پس موسیٰ نے دعا کی تو حکم ہوا کہ انکو ساتھ لے کر نکل جاؤ چنانچہ رات کو روانہ ہوئے جب دن ہوا تو فرعون نے ان کا تعاقب کیا دریائے نیل کے کنارے پر
پہنچے تو باذن خدا موسیٰ نے عصا مارا پانی شگافتہ ہوا اور بارہ راستے پیدا ہو گئے نیز ایکدوسرے کو دیکھنے کیلئے پانی کی دیواروں میں روشندان نما شگاف بھی بن گئے

جُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ
اس کا لشکر از روئے ظلم و سرکشی یہاں تک کہ جب غرق ہونے لگا تو کہا
اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ
کہ میں مانتا ہوں کہ کوئی لائق عبادت نہیں مگر وہ جس کو مان چکے بنی اسرائیل
وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۹۰ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ
اور میں ہوں مسلمانوں میں سے (تو کہا گیا) اب جب کہ نافرمانی کر چکا پہلے اور
كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝۹۱ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ
تھا تو فساد کرنے والوں میں سے ؟ پس آج ہم نجات دیں گے بدن تیرے کو
لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ
تا کہ ہو بعد والوں کے لیے نشانی اور تحقیق بہت لوگ ہماری نشانیوں سے
عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝۹۲ ع ۱۴
غافل ہیں

پس ایمان والے گذر گئے اور جب لشکر فرعون پہنچا تو پانی میں عبور کرنے سے ڈر گئے تو جبریل بشکل انسانی ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آگے بڑھے اور فرعون مشکی رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا یہ گھوڑی کے پیچھے پانی میں اور پھر لشکر بھی داخل دریا ہوا یہ واقعہ مفصلاً تفسیر کی دوسری جلد صد ۱۲۶ پر مذکور ہے ۔
قَالَ اٰمَنْتُ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کسی واعظ سے سنا تھا ورنہ خود کسی کتاب میں نہیں دیکھا اور وہ یہ کہ جب موسیٰ کی دعا مستجاب ہوئی اور فرعون پر غرقابی کا عذاب حتمی قرار دیا گیا تو مزید اتمام حجت کے لیے ایک دن جبرئیل بصورت بشر ایک مقدمہ لے کر فرعون کے دربار میں داخل ہوا اور کہا کہ اگر کوئی غلام ایسا ہو جس پر اپنے آقا کا بڑا لطف و کرم ہو پس وہ غلام موقع پا کر اپنے آقا کے سب احسانات بھلا کر اس کے تخت و تاج پر قبضہ کرے پھر ایسا غلام کسی وقت مغلوب ہو جائے اور وہی آقا جو پہلے بادشاہ تھا دوبارہ اپنا تخت سنبھالے اور سابق

احسان فراموش غلام گرفتار ہو کر اس کے پیش کیا جائے تو بتائیے کہ وہ غلام کس پاداش کا مستحق ہے۔ فرعون نے فوراً جواب دیا کہ ایسا نمک حرام غلام کسی رحم و معافی کے قابل نہیں پس اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو دریا میں غرق کر دیا جائے۔ چنانچہ جبرئیل نے کاغذ پیش کر کے یہی فیصلہ لکھوا لیا اور اپنے پاس محفوظ کر لیا پس جب فرعون پر غرق کا وقت آیا تو موسےٰ اپنی قوم کے ساتھ دریا سے پار ہو گئے اور فرعون کا پورا لشکر دریا میں اُتر آیا پس دریا کی موجیں مل گئیں اور وہ غرق ہوا۔ اثنائے غرق میں فرعون نے خدا سے معافی کی درخواست دی کہ میں اب مسلمان ہوتا ہوں اور اس خدا کو مانتا ہوں جس پر بنی اسرائیل کا ایمان ہے۔ تو اس وقت جبرئیل نے وہی اس کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا فیصلہ اس کے سامنے کیا کہ ایسے غلام کی توبہ قبول نہیں بلکہ وہ غرق کا مستحق ہے۔

آلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ جب فرعون نے ایمان کا اظہار کرنا چاہا تو جبرئیل نے یہ لفظ کہہ کر اس کی بات کو ٹھکرا دیا کہ اب معافی مانگتا ہے۔ جب گناہوں میں وقت گذار کر عذاب خدا میں گرفتار ہو چکا ہے مروی ہے کہ اس کے بعد جبرئیل کبھی خوش نہیں نظر آیا تھا کیونکہ اُسے خیال تھا کہ ممکن ہے خدا نے اس کی توبہ قبول کر لی ہو اور میرا فرعون کو جواب دینا منظور پروردگار نہ ہو جب جبرئیل یہ آیت لایا تو اس دن اس کے چہرہ پر خوشی کے آثار تھے۔ حضور نے پوچھا کہ اب خوش کیوں ہے حالانکہ اس سے قبل تجھے ہمیشہ میں نے غمناک دیکھا ہے تو اس نے عرض کی کہ فرعون نے جب کلمہ ایمان کا اظہار کرنا چاہا تھا تو میں نے ایک کوئلہ اس کے منہ میں ڈال کر خاموش کر دیا تھا۔ لیکن اس وقت سے اب تک ڈرتا رہا ہوں۔ کہ یہ فقرہ میں نے بغیر اذن پروردگار کے کیوں کہا تھا۔ لیکن اب اُسی قول کو بصورت قرآن کے پہنچانے آیا ہوں تو مجھے تسلی ہوئی ہے کہ خدا میرے اس قول پر راضی تھا۔

نُنَجِّيْكَ یہ نجوہ سے ہے۔ جس کا معنی ہے زمین میں بلند جگہ، پس اس کا معنی یہ ہے کہ ہم تجھے بلند جگہ رکھیں گے۔ تاکہ دوسری اقوام کو تیرے انجام کا بخوبی پتہ چل سکے پس باقی لشکر پانی میں بہہ گیا اور فرعون کا بدن پانی کے اوپر نکل آیا اور بعض نے کہا ہے کہ بدن کا معنی زرہ ہوتا ہے اور فرعون کی زرہ سونے کی تھی، اور معنی یہ ہے کہ ہم تجھے تیری زرہ سمیت بچائیں گے، پس وہ زرہ سمیت پانی کے اُوپر نکل آیا تو لوگوں نے پہچان لیا۔ کہ فرعون مر چکا ہے۔ اور اس وقت تک بنی اسرائیل فرعون کی موت کو نہیں مانتے تھے۔ اب دیکھا تو مان گئے، اور مصر جانے والوں سے سُنا ہے۔ کہ اب تک فرعون کی لاش اہرام مصر میں محفوظ ہے، جو دیکھنے والوں کے لیے باعث عبرت ہے۔

پس خدا کا وعدہ سچّا ہوا کہ تیرے بدن کو یعنی صرف ڈھانچہ کو روح کے بغیر بچا لیں گے، تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے عبرت و نصیحت اور خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی باقی رہے۔

رکوع نمبر ۱۵

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا یعنی فرعون کے غرق ہونے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو ٹھکانہ دیا۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

اور تحقیق ہم نے ٹھکانہ دیا بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانا اور ان کو رزق دیا پاکیزہ

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ

پس نہ اختلاف کیا انہوں نے یہاں تک کہ آیا ان کے پاس علم تحقیق تیرا رب فیصلہ کریگا ان کے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنْ كُنْتَ

درمیان بروز قیامت جس میں وہ اختلاف کرتے تھے پس اگر ہے تو

فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ

شک میں اس سے جو ہم نے اتارا تجھ پر تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب

مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

تجھ سے پہلے تحقیق آیا تیرے پاس حق تیرے رب سے پس نہ ہو شک

الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

کرنے والوں میں اور نہ ہو ان سے جنہوں نے جھٹلایا خدا کی آیات کو

فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ

ورنہ ہوگا نقصان پانے والوں میں تحقیق جن پر ثابت ہوا تیرے رب کا کلمہ

كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى

نہ ایمان لائیں گے اگرچہ آئیں ان کے پاس تمام نشانیاں

فَمَا اخْتَلَفُوْا یعنی حضرت رسالتمآب صلعم کی آمد تک انہیں کوئی اختلاف نہ تھا لیکن جب حضور تشریف لائے تو انہوں نے اختلاف کر دیا یہ یہود کی مذمت ہے

فَاِنْ كُنْتَ یہ خطاب حضور کی جانب ہے اور مراد اُمت ہے یا خطاب حضور سے ہے لیکن نہ اس لیے کہ آپ کو شک تھا بلکہ صرف تقریر کے لیے مثلاً کوئی اپنے بیٹے کو کہتا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو فلاں کام کرو۔ حالانکہ اس کے بیٹے ہونے میں شک نہیں ہوتا۔ بلکہ کلام کی پختگی میں اضافہ کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔ یا ہر مخاطب سے خطاب ہے۔ گویا زبان پیغمبر پر جاری کرکے فرمایا اے مخاطب اگر تجھے ان باتوں میں شک ہے تو سابق اہل کتاب سے دریافت کرو۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم کیوں دیا۔ حالانکہ وہ تو الٹا دشمن تھے۔ تو جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو حکم ان اہل کتاب سے پوچھنے کا ہے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ اور ثانیاً یہ سورہ مکیہ ہے اور مکہ والوں کو خطاب ہے کہ پیغمبر کے متعلق اگر اس کی باتوں یا قرآن کی آیتوں میں شک ہے تو اہل کتاب سے اس کی تصدیق کرا لو۔ یا یہ کہ آیت مذکورہ شب معراج آسمانوں پر اُتری تھی اور وہاں سابق اہل کتاب مومنین کے ارواح سے پوچھنا ممکن تھا اور یہ روایت تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔

حضرت یونسؑ کا ذکر

فلولا ۔ چونکہ اس سے قبل فرعون کے غرق ہونے کا تذکرہ تھا کہ اس نے اس وقت ایمان لانے کی خواہش ظاہر کی جب کہ عذاب میں گرفتار ہو چکا تھا۔ تو اسی مناسبت سے فرماتا ہے کہ عذاب آجانے کے بعد کسی قوم کا ایمان قابل قبول نہیں ہوا۔ سوائے قوم یونس کے۔ پس آیت مجیدہ کا ترجمہ یوں ہوگا کہ کیوں نہیں ایمان لائیں قومیں درحالیکہ ان کو ایمان نفع دے یعنی عذاب نازل ہونے سے پہلے پس یہاں عبارت محذوف ہوگی کہ عذاب نازل ہونے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں ہوتا اور عذاب خدا ٹل سکتا ہے کہ حضرت یونس کی قوم کہ انہوں نے ایمان قبول کیا تو ان سے عذاب ٹل گیا۔

يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا	یہاں تک کہ دیکھیں دردناک عذاب ۔ پس کیوں نہیں کوئی بستی ایمان لاتی ایسے وقت میں کہ نفع دے اس
إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ	کو ایمان اس کا مگر قوم یونس کہ جب ایمان لائے تو دور کر دیا ہم نے ان سے عذاب
الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٩٨﴾ وَلَوْ شَاءَ	رسوائی کا زندگانی دنیا میں اور ان کو نفع دیا ایک وقت تک اور اگر چاہتا

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت یونس کی قوم میں ایک شخص عابد تھا جس کا نام ملیخا تھا اور ایک مرد عالم تھا جس کا نام روبیل تھا جو عابد تھا وہ قوم کی سرکشی سے تنگ آکر حضرت یونس کو بددعا کا مشورہ دیتا تھا اور روبیل روکتا تھا آخر کار عابد کے مشورہ سے حضرت یونس نے بددعا کی جو قبول ہوئی اور خدا نے عذاب کی تاریخ مقرر فرما دی جب وقت قریب آیا تو حضرت یونس اسی عابد کو ہمراہ لے کر ہجرت کر کے چلے گئے۔ لیکن وہ عالم ٹھہرا رہا جب عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو عالم نے ان کو توبہ کا مشورہ دیا کہ جنگل میں چلے جاؤ۔ اور بچوں کو ماؤں سے مردوں کو عورتوں سے اور تمام حیوانات کو اپنی اولاد سے جدا کر کے گڑگڑا کر نہایت عاجزی و زاری سے توبہ کرو اور گناہوں کی بخشش طلب کرو۔ شاید خداوند کریم معاف فرما دے۔ چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا۔ اور عذاب خدا رفع ہو گیا۔

لاموصل کے قریب ایک جگہ تھی جس کا نام نینوئی تھا یہ وہاں کے باشندے تھے اور عبداللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق ان کی توبہ کا یہ عالم تھا کہ لوگوں نے اپنے مظالم اور حقوق ایک دوسرے کو سب واپس کر دیے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کے مکان میں دوسرے کا ایک پتھر لگا ہوا تھا تو اس نے اپنے مکان کو گرا کر اصل مالک کو اپنا پتھر واپس کر دیا پس جب اس طرح خلوص نیت سے توبہ کی تو معافی مل گئی روایت سابقہ کے مطابق حضرت یونس نے اپنا سفر جاری رکھا دریا کے کنارہ پر پہنچے تو کشتی تیار تھی سوار ہوئے تو وسط دریا میں ایک بڑی مچھلی نے سر نکالا اور کشتی کو روک دیا۔ ملاحوں نے پکار کر یہاں کوئی اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام ہے لہٰذا قرعہ اندازی کی گئی تو سات دفعہ قرعہ حضرت یونس کے نام نکلا پس کھڑے ہوئے اور اپنے آپ کو دے گرے چنانچہ مچھلی نے اسے پیٹ میں رکھ لیا ادھر مچھلی کو خدا کا حکم ہوا کہ یہ تیری خوراک نہیں لینا

رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ
تیرا رب تو ایمان لاتے جو زمین میں ہیں سب کے سب ۔ کیا تو مجبور کرتا
تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ
ہے لوگوں کو کہ مومن ہو جائیں اور نہیں ممکن کسی نفس کو کہ ایمان لائے
تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
مگر خدائی توفیق سے اور وہ کرتا ہے عذاب ان لوگوں پر جو نہیں سوچتے

اس کو ہضم نہیں کرنا بلکہ یہ امانت ہے اور تیرے شکم کو اس کا قید خانہ بنایا گیا ہے بہر کیف تین دن یا سات دن یا چالیس دن باختلاف اقوال مچھلی کے شکم میں رہے۔ آبی مخلوق کی تسبیحات سنتے رہے اور خود بھی زبان پر لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کی تسبیح مسلسل جاری رکھی۔ حتیٰ کہ مچھلی نے دریا کے کنارہ پر اگل دیا اسی کے متعلق ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضرت امیر علیہ السّلام سے سوال کیا تھا کہ وہ کون سا قید خانہ ہے جس نے اپنے قیدی کو سیر کرائی تھی تو آپ نے جواب دیا تھا کہ وہ مچھلی ہے جس نے حضرت یونس ؑ کو دریاؤں کی سیر کرائی جب مچھلی نے اگلا تو ان کا بدن بالکل ملائم ہو گیا تھا پس خدا نے ایک کدو اگایا جس کے سایہ میں وہ رہے اور ایک ہرنی کو حکم دیا جو ان کو روزانہ دودھ پلا جایا کرتی تھی۔ ایک دن دیکھا کہ درخت کدو خشک ہو چکا تھا تو رونے لگے پس وحی خداوندی ہوئی۔ کہ تو ایک کدو کی شاخ کے لیے رو رہا ہے۔ اور ایک لاکھ یا اس سے زیادہ انسانی نفوس کے ہلاک ہونے اور معذّب ہونے کے لیے دعا مانگتا تھا۔ پس حضرت یونس روانہ ہوئے ایک نوجوان سے ملے جو بکریاں چرا رہا تھا اس سے پوچھا کہ تو کون ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں حضرت یونس کی قوم کا ایک فرد ہوں تو آپ نے اس کو پیغام دیا کہ گھر جا کر اپنی قوم کو میری اطلاع دے دینا چنانچہ اس طرح سے وہ واپس دوبارہ اپنی قوم میں پلٹے اور قوم والے خوش ہوئے اور ایمان لائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ بعد میں وہ کسی دوسری قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ خدا ان واقعات کے بعد حضورؐ کو تسلی دے رہا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو جبر کے ذریعے سب کو مومن بنا دیتا لیکن ایسا کرنا میری مصلحت کے خلاف ہے لہذا آپ بھی کسی کو مجبور نہ کریں اور فرماتا ہے کہ جو بھی ایمان کو قبول کرتا ہے وہ میری عطا کردہ توفیق سے کرتا ہے یہاں اذن سے مراد توفیق ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا اقوام گذشتہ مثلاً نوح و موسےٰ و یونس کی قوموں کے ذکر کے بعد دوبارہ آثارِ قدرت اور مظاہر حکمت میں غور کرنے کی دعوت ہے کہ آسمانوں اور زمین میں غور سے دیکھو تو سہی یہ نظام پراز حکمت اور اس کی رنگینیاں خود بخود ایک صانع حکیم کی ازلیت و ابدیت کی طرف متوجہ کرکے اس کی عبادت کی طرف دعوت دینے کے لیے کافی ہیں وَمَا تُغْنِي پھر خود فرماتا ہے کہ ہٹ دھرمی اور ضد کے عادی دشمنانِ ایمان کو یہ نشانیاں بلکہ رسولوں اور نبیوں کا عذاب اُخروی سے ڈرانا بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا فَهَلْ گویا یہ لوگ انہی ایام کا انتظار رکھتے ہیں جو پہلی تکذیب کرنے والی اقوام پر آئے تھے یعنی عذاب ہی کے منتظر ہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ

کہہ دو کہ دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اور نہیں فائدہ دیتی

وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (۱۰۱) فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ

نشانیاں اور ڈرانا اس قوم کو جو ایمان نہ رکھتی ہو پس وہ نہیں انتظار کرتے مگر مثل

اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ

ان لوگوں کے دنوں کے جو ان سے پہلے گذر چکے کہہ دو پس انتظار کرو میں تمہارے ساتھ

مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ (۱۰۲) ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ

انتظار کرنیوالوں میں سے ہوں پھر ہم بچالیں گے اپنے رسولوں کو اور ان کو جو ایمان لائیں اسی طرح

حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۰۳) ع ۱۵

حق ہے ہم پر کہ نجات دیں مومنوں کو

شب معراج کی ایک روایت

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب حضورؐ معراج سے واپس آئے اور صحابہ کو بتایا کہ میں بیت المقدس گیا اور نبیوں سے ملاقاتیں کیں اور براق پر سوار ہوا اور اگر کوئی نہ مانے تو میں ایک نشانی بتلاتا ہوں اس کو نوٹ کرلو اور وہ یہ کہ میں ابوسفیان کے قافلہ کے پاس سے گذرا تھا فلاں مقام پر کہ ان کا سرخ رنگ کا اونٹ وہاں گم ہو گیا تھا اور وہ اس کو ڈھونڈ رہے تھے قریشی یہ سن کر کہنے لگے کہ کسی تیز رو پیک نے اس کو بتا دیا ہو گا تو انہوں نے شام کے بازاروں اور دروازوں کے متعلق

پوچھنا شروع کر دیا آپ خاموش ہوئے تو فوراً جبرئیل نے وہ منظر پیش کر دیا پس وہ جو کچھ پوچھتے گئے آپ بتلاتے گئے اور باوجود اس سب کچھ کے بہت تھوڑوں نے اسلام قبول کیا راہی کے متعلق خدا تسلی دے رہا ہے کہ آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ یہ لوگ بھی عذاب کا ہی انتظار کرتے ہیں۔

حَقًّا عَلَیْنَا تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ تم اپنے مرجانے والے کے متعلق جو ولائے اہل بیت پر مرا ہو جنت کا یقین کیوں نہیں کرتے حالانکہ خدا فرماتا ہے ہم پر حق ہے مومنوں کو نجات دینا۔

رکوع نمبر ۱۶

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِىْ فَلَاۤ اَعْبُدُ

کہہ دے کہ اے لوگو اگر تمہیں شک ہے میرے دین کے متعلق تو میں تو نہیں عبادت

الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِىْ

کرتا ان کی جن کی تم کرتے ہو اللہ کے علاوہ لیکن میں تو عبادت کرتا ہوں اللہ کی جو تمہیں

يَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ

مارتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہو جاؤں مومنوں سے (اور مجھے کہا گیا ہے) کہ قائم کر اپنے

وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا

منہ کو دین کے لیے جو سیدھا ہے اور نہ ہو مشرکوں میں سے اور نہ

تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ

پکار اللہ کے سوا ان کو جو نہ تجھے نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اگر

فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ

ایسا کرو گے تو ہو جاؤ گے ظالموں سے اور اگر تم کو پہنچائے اللہ

اتمام حجت۔

قُلْ۔ کفار کے لیے پھر دعوت فکر ہے کہ اگر تمہیں میرے دین کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آ رہا تو یہ بات اس قدر گنجلک دار نہیں بلکہ سیدھی سادی بات ہے۔ کہ میں ان کی عبادت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں جو اللہ کے سوا تم نے بنا رکھے ہیں بلکہ صرف اسی کی عبادت کروں گا جو موت پر قادر ہے یہاں حیات کا ذکر نہ کیا اور موت کا ذکر کیا اس لیے کہ نفع کے مقابلہ میں انسان فطری طور پر نقصان کی طرف زیادہ توجہ دیتا ہے۔ اور یہاں ان کو توجہ ہی دلانی تھی

وَاَنْ اَقِمْ۔ یہ اُمِرْتُ کے ماتحت ہے یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مومن ہو جاؤں اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ دین پر ثابت قدم

maablib.org

رہیں بعد مشرک نہ بتوں اور ایسوں کو نہ پکارو جو اطاعت گذاروں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور نا فرمانوں کو سزا نہیں دے سکتے اگر ایسا کرے گا تو ظالم ہو جائے گا

اس سے بہتر تبلیغ اور اتمام حجت کا اور کون سا طریقہ ہو سکتا ہے کہ صرف اپنا مذہب ہی بیان کیا اور مشرکین کے مذہب کے نقائص خود بخود سامنے آ گئے اور تبلیغ کا طریقہ بھی یہی ہے کہ انسان اپنے مذہب کی صفائی بیان کرے اور اپنے عمل سے اس کی تصدیق کرے غلط اور باطل مذہب والا خود بخود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر پشیمان ہوگا اور آخر کار اُسے اپنا مذہب چھوڑ کر حق والوں کا ساتھ دینا ہوگا اور یہی احسن طریقہ ہے کسی کو راہ راست پر لانے کا۔

بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ

کوئی تکلیف تو نہیں دور کرتا اس کو مگر وہ اور اگر چاہے تیرے ساتھ بھلائی تو کوئی اس کے فضل

يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۱۰۷)

کو نہیں روک سکتا، دے جسے چاہے اپنے بندوں میں سے اور وہ غفور رحیم ہے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى

کہہ دے اے لوگو تحقیق آیا تمہارے پاس حق تمہارے رب سے تو جو ہدایت پائے گا

فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ

وہ ہدایت پائے گا اپنے فائدہ کے لیے اور جو گمراہ ہوگا تو وہ گمراہ ہوگا اپنے نقصان کے

عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ (۱۰۸) وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى

لیے اور میں نہیں تم پر چوکیدار اور تو اتباع کر اس کی

اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ښ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ (۱۰۹)

جو وحی ہو تجھ پر اور صبر کر یہاں تک کہ فیصلہ کرے اللہ اور وہ اچھا فیصلہ کرنے والا ہے

سورہ کا ملخص

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

یہ سورہ یونس کی آخری آیتیں ہیں اور پوری دعوت کا آخری فیصلہ ہے یعنی سورہ مجیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع میں اثبات خالق اور اس کے احسانات کا تذکرہ کر کے دعوت عبادت دی اور پھر بت پرستی اور غیروں کی طرف جھکاؤ کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے توحید کے دلائل بیان کیے یعنی حق سے محبت اور باطل سے نفرت یا یوں کہا جائے کہ تولّا اور تبرّا کے دونوں پہلوؤں کو نہایت حسن اسلوبی سے بیان فرمایا۔ اس کے بعد جو لوگ جناب رسالتمآب کو ایذا دیتے اور ان کے مشن کو خراب کرنے کی کوشش کرتے تھے تو آپ کو حلم کی تلقین کے لیے سابق امتوں کے حالات

دہرائے کہ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ بس گذشتہ نبیوں کے قصے بلکہ ان میں سے خصوصاً حضرت نوح موسےٰ اور حضرت یونس کا ذکر کر کے حضور کو تسلی دی اور کافروں کو سابق غرق و تباہ ہونے والوں کے انجام بد سے متنبہ کیا۔ اور توبہ کی طرف راغب فرمایا اور آخر میں پھر اسی دعوت کو ایک مرتبہ دہرا کر اتمام حجت فرمائی اور اب ان دو آیتوں میں یہ دوٹوک فیصلہ سنا دیا ہے۔ کہ پروردگار کی طرف سے حق تم تک آچکا لہذا تم بروز محشر عذر نہیں کر سکو گے اور جو ہدایت قبول کرے گا وہ خود ہی اس سے نفع اٹھائے گا اور جو گمراہ ہوگا اس کا وبال وہ خود ہی برداشت کرے گا۔ میں ان باتوں میں تمہارا پاسبان نہیں ہوں اور آخر میں خدا کی طرف سے یہ تفہیم ہے کہ اے میرے حبیب تو وحی کے مطابق عمل کرتا جا۔ اور صبر و سکون سے کام چلائے جا بعد کا فیصلہ اور انجام خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہی اس کا اچھا فیصلہ کریگا۔ سورہ یونس کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ رب العالمین

سورہ ھود

یہ سورہ مکیہ ہے۔ اس کی آیات کی تعداد ایک سو تئیس ۱۲۳ ہے اس میں ۱۷۱۵ لفظ اور ۷۵۶۷ حروف ہیں (تفسیر جامع)
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص ہر جمعہ کو سورہ ہود پڑھے گا قیامت کے دن اس کا حشر پیغمبروں کے ساتھ ہوگا اور کوئی گناہ اس کے ذمہ باقی نہ رہے گا۔
حضور اکرم سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ ہود کو پڑھے گا تو اس کے ساتھ جملہ تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کے برابر نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں ثبت ہوں گی اور اس کا مرتبہ و مقام شہداء کے برابر ہوگا اور اس کا حساب آسان ہوگا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے جو شخص ہرن کی کھال پر لکھ کر اپنے پاس رکھے خدا اس کو ایسی ہیبت عطا کرے گا جو اس سے لڑے گا مغلوب ہوگا اور جو اس کو دیکھے گا خوف کھائے گا (جامع)
تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ جو اسے پڑھے گا حضرت نوح ہود صالح شعیب لوط اور ابراہیم علیہم السلام کے تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج ہوں گی اور مروی ہے کہ حضور سے بڑھاپے کے جلدی آنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

شَیَّبَتْنِیْ هُوْدٌ وَّاَخَوَاتُهَا الْحَاقَّةُ وَالْوَاقِعَةُ ، الخ

یعنی مجھے سورہ ہود، حاقہ اور واقعہ وغیرہ نے بوڑھا کر دیا ہے

رکوع نمبر ۱۷ محکم و مفصل

اُحْكِمَتْ یعنی آیات قرآنیہ کا نظم محکم ہے کہ اس کی تمام آیتیں فصاحت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں اور ان کی حق بیانی میں کوئی شک نہیں ہو سکتا اور اس کی مزید وضاحت تفسیر کی تیسری جلد ص۱۹۲ پر گذر چکی ہے اور فُصِّلَتْ سے مراد یہ ہے کہ اس میں فرائض شرعی حلال و حرام کی تفصیل ہے یا یہ کہ امر و نہی کے لحاظ سے محکم اور وعد و وعید اور ثواب و عقاب کے لحاظ سے مفصل ہیں یا یہ کہ اجمال کے لحاظ سے مجموعی طور پر محکم ہیں اور موقع و محل کے اعتبار سے ایک ایک یا دو دو آیتیں تفصیل وار بھیجی گئیں یا یہ کہ فصاحت و بلاغت و صدق بیانی میں محکم اور مقام نزول میں تفصیل وار ہیں اور یہی آخری معنی سب معانی سے انسب ہے

يُمَتِّعْكُمْ یعنی اگر توبہ کرو اور اچھے طریقہ سے رہو تو وہ تم پر عذاب نہ بھیجے گا اور دنیا میں ایک وقت مقرر تک نہیں اپنی نعمات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ

الرا یہ کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں اور مفصل ہیں اس ذات کی طرف سے

حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (1) اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ

جو حکیم و خبیر ہے نہ عبادت کرو مگر اللہ کی تحقیق میں تمہارے لیے اس سے ڈرانیوالا

بَشِيْرٌ (2) وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا

اور خوشخبری دینے والا ہوں۔ بخشش طلب کرو اپنے رب سے پھر توبہ کرو اس کی طرف تم کو نفع دے گا نفع

حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا

خوب ایک مقررہ وقت تک اور دے گا ہر صاحب فضل کو زیادتی اور اگر اعراض

فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ (3) اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ

کرو تو میں ڈرتا ہوں تمہارے متعلق بڑے دن کے عذاب سے اللہ کی طرف تمہاری بازگشت ہے

عطا کرے گا اور صاحب فضل کو زیادتی بھی دے گا یعنی عمومی متاع دنیاوی میں سب برابر کے شریک ہوں گے اور اپنی محنت و کاوش کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فوقیت بھی ہو گی اور ممکن ہے اعمال خیر کے لحاظ سے جنت میں زیادتی نعمات کی بشارت ہو اور علامہ نے اسی جگہ ذوفضل حضرت علیؑ کو ثابت کیا ہے۔ اور اس فقرہ کو حضرت علی کی خلافت کی دلیل قرار دیا ہے

تَوَلَّوْا۔ غائب کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور ممکن ہے مخاطب کا صیغہ ہو اور ایک تاء کو حذف کیا گیا ہو جیسے

تَنَزَّلُ میں ہے۔

اَلَآ اِنَّھُمْ یعنی اپنے سینوں کو پلیٹتے ہیں۔ یعنی اپنی سازشوں کو سینہ میں بند رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ خدا سے چھپے رہیں یا مومنوں کو پتہ نہ چل جائے۔ تو اس کے متعلق فرماتا ہے۔ کہ جب یہ لوگ اپنے اوپر چادریں اور لحاف وغیرہ تان کر چھپ کر باتیں کریں۔ تو خدا تو ان کو بھی جانتا ہے وہ تو سب ظاہر و پوشیدہ امور سے مطلع ہے۔ کیوں کہ وہ تو سینہ کی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ خواہ زبان پر نہ بھی آئیں۔ لہذا ان کی سازشیں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ④ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ

اور وہ ہر شے پر قادر ہے ۔ آگاہ ہو تحقیق وہ سمیٹتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ چھپے

لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ

رہیں اس سے ۔ خبردار جب ڈھانپ لیتے ہیں اپنے اوپر کپڑے تو اس وقت بھی جانتا ہے

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤

وہ جو پوشیدہ کرتے ہیں اور وہ جو ظاہر کرتے ہیں تحقیق وہ دلوں کی باتوں کے جاننے والا ہے۔

پارہ ۱۲

maablib.org

رکوع ۱

اللہ رازق ہے

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ ۔ دابہ کا لغوی معنی ہے ۔ ہر زمین پر چلنے والا اور اس مقام پر تمام زمین کی ذی روح مخلوق مراد ہے خواہ جن ہوں یا انسان یا پرندے ہوں یا چوپائے، درندے ہوں یا حشرات الارض اور خشکی میں رہنے والے ہوں یا دریاؤں کی موجوں اور سمندروں کی تہوں میں رہنے والے پس یہ سب مخلوق اپنے خالق کے دسترخوان پر ہر وقت مہمان ہے اور وہ اس تمام کائنات کے رزق کا خود ہی ذمہ دار ہے وہ خود رزق دیتا ہے۔ اور خود ہی تقسیم فرماتا ہے، امیر و غریب شاہ و گدا، عالم و جاہل، مومن و کافر، خورد و کلاں، عابد و عاصی، اولیاء و انبیا سب کے سب بلا استثناء اسی کا ہی رزق کھاتے ہیں ۔ لہٰذا جو شخص کسی غیر کی طرف رزق کو منسوب کرے تو اگر مجازیا تاویل مقصود نہ ہو۔ تو اس

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ

اور نہیں کوئی چلنے والا زمین پر مگر یہ کہ اللہ پر ہے اس کا رزق اور وہ جانتا

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ⑥ وَهُوَ

ہے اس کی رہائش اور قرار گاہ سب کچھ لوح محفوظ میں موجود ہے اور وہی ہے

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ

جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں اور اس کا

عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَلَئِنْ

عرش پانی پر تھا تاکہ تم کو آزمائے کون تم میں سے اچھے عمل کرتا ہے اور اگر تو

قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ

ان کو کہے کہ تم اٹھائے جاؤ گے موت کے بعد ۔ تو کہیں گے وہ جو کافر

كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ

ہیں نہیں ہے یہ مگر صاف جادو اور اگر ہم موخر کردیں ان سے

آیت مجیدہ کی رو سے وہ شرک کا مرتکب ہوگا لہٰذا تشیع کی طرف منسوب ہوتے ہوئے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں علیؑ یا آئمہ یا محمدؐ و آل محمدؐ رزق دیتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ رازق خدا ہے اور یہ وسیلہ ہیں جیسے کہ بہت سی احادیث میں اسی قسم کا مضمون موجود ہے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا ۔ پس اگر آل محمدؐ کی خلقت نہ ہوتی تو نہ کوئی مخلوق ہوتا اور نہ کوئی مرزوق ہوتا ۔ یعنی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ کا مفہوم مراد لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں

لیکن اگر یہ کہا جائے کہ خدا بالکل الگ تھلگ ہے۔ اور خلق یا رزق یا دیگر صفات مخصوصۂ الہیہ بلکہ نظامِ کائنات کے تمام تر محرک و ذمہ دار یہی ہیں۔ حتیٰ کہ بقول بعض جہال خدا ان کا محتاج ہے تو یہ کلمہ شرک و کفر و الحاد ہے بنا بریں حاجت مند انسان کو اپنی حاجت صرف اللہ کے سامنے ہی پیش کرنی چاہیے اور اسی سے ہی اپنی حاجت روائی کی دعا کرے۔ زندگی وہی بڑھاتا ہے۔ موت اسی کے یدِ قدرت میں ہے، رزق کی کمی و بیشی اسی کے اختیار میں ہے اولاد وہی دے سکتا ہے۔ بیماری یا تندرستی اُسی کی جانب سے ہیں۔ کسی معاملہ میں فتح و نصرت کے اسباب اسی کی مہربانی سے مہیا ہو سکتے ہیں۔ بہرکیف سب نفع و نقصان کا مالک وہی ہے اور چونکہ محمد و آل محمد اس کی تمام مخلوق میں بہتر و برتر اور سید و سردار ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں ان کی اس قدر قدر و منزلت ہے۔ کہ انسان اس کا ادنیٰ سا تصور بھی نہیں کر سکتا لہٰذا انہی کے واسطہ اور وسیلہ سے دعا جلد مستجاب ہوا کرتی ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے تھے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کی بھی مجھے ضرورت ہو تو میں خدا سے مانگتا ہوں اور یہ یا اس قسم کی فرمائشات تا قیامت تمام انسانوں کے لیے ایک مینارِ ہدایت اور چراغ راہ ہیں کہ ان کو مدنظر رکھنے کے بعد کوئی انسان راہِ توحید سے بھٹک نہیں سکتا۔ آیت مجیدہ میں مستقر سے مراد باپ کی صلب اور مستودع سے مراد ماں کا رحم ہے یا مستقر سے مراد جائے رہائش و سکونت اور مستودع سے مراد قبر اور جائے دفن ہے۔

آسمان و زمین کی خلقت

وَهُوَ الَّذِیْ۔ رزق کے بعد فوراً خلق کا مسئلہ بھی واضح فرما دیا کہ جو اللہ تمام کائنات کو رزق دے رہا ہے اس ساری کائنات کا خالق بھی وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا یعنی اس کی مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ چیزوں کی پیدائش اسباب و ذرائع سے ہو۔ تا کہ لوگ اس کو امر اتفاقی نہ قرار دیں ورنہ وہ چشم زدن میں بھی پیدا کرنے پر قادر تھا۔ اس مسئلہ کے متعلق تفسیر مذکور کی چھٹی جلد ص۱۴۱ و ۱۴۲ میں اور اسی جلد کے سورہ یونس کے پہلے رکوع میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ اور تفسیر جامع میں اس کی تاویل یہ بھی مذکور ہے۔ کہ خداوند کریم نے جنات کو بروز ہفتہ (سنیچر) زمین کو بروز یکشنبہ (اتوار) زمین پر بسنے والی ذی روح مخلوق کو بروز دوشنبہ (سوموار) نباتات کو بروز سہ شنبہ (منگلوار) پرندوں کو بروز چہارشنبہ (بدھوار) اور آسمانوں اور دیگر علوی مخلوق کو بروز پنجشنبہ (خمیس یا جمعرات) خلق فرمایا اور اس طرح چھ دنوں میں ان کی خلقت تمام ہوئی اور پھر جمعہ کے روز حضرت آدم کو خلق فرمایا گویا شمسی دور کی ابتدا بھی جمعہ کو ہوئی کیونکہ عالم علوی کی خلقت جمعرات کو مکمل ہوئی۔ پس دورِ فلک کی ابتداء اور سورج کی گردش جمعہ سے ہی شروع ہوئی۔ اور اسی سے قبل ایام کی تعیین صرف سمجھانے کے لیے ہی ہے کہ اگر شمسی نظام ہوتا تو یوں کہا جا سکتا تھا۔ اب یہ کہنا کہ اس طرح سے ایجاد خلق کیوں ہوئی، ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ بہرکیف اس پر ایمان لانا ہمارا فرض ہے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا اب کیوں یا کس طرح یا کیسے؟ تو اس کا علم وہ خود جانتا ہے۔ جس نے ایسا کیا اور یا وہ جانیں جن کو اس نے اس کا علم دیا۔

عرش خدا وَكَانَ عَرْشُهٗ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پانی اور عرش پہلے تھے

maablib.org

اور نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے جہاں ابتدائے خلق عالم کا واقعہ بیان فرمایا ہے اس میں بھی یہی ہے کہ خدا نے ہوا کو پیدا کیا جس نے پانی میں تلاطم پیدا کر کے جھاگ بنائی اور وہ منجمد ہو کر زمین بنی اور اس کے بخارات اٹھ کر آسمان بنے۔ آج کل کے محققین آسمان کو ایک ٹھوس جسم نہیں مانتے بلکہ جہت علو کا نام آسمان رکھتے ہیں اور اس کی تائید قرآن مجید کی متعدد آیات میں بھی ہے۔ جیسے فرماتا ہے کہ ہم نے آسمان سے بارش برسائی، اور سورج اور چاند، سیاروں کا آسمان میں چکر لگانا جہاں مذکور ہے اس سے مراد ان کے جہت علو میں وہ مدارات ہیں جن پر اپنے خالق کی تدبیر محکم کے ماتحت ہمیشہ گردش کرتے نظر آتے ہیں کہ اس اپنے مدار سے ذرہ بھر ادھر ادھر نہیں ہو سکتے، بلکہ آج کل کے انکشافات و تجربات بلکہ مشاہدات نے اس نظریہ کو ایک حقیقت ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ ترقی یافتہ ممالک سے چاند تک راکٹ بھیجے جا رہے ہیں اور پچھلے دنوں کے اخبارات میں یہ خبر عامہ شائع ہوئی کہ روسی راکٹ چاند پر اتر چکا ہے حتیٰ کہ چاند کی سطح کے فوٹو بھی زمین پر بھیجے گئے اور ہمارے تمام اخبارات نے وہ چھاپے پھر زہرہ پر راکٹ کا اترنا بھی اخبارات نے بتایا اور ساتھ ساتھ یہ پیشین گوئی بھی ہوئی کہ مستقبل قریب میں انسان بردار جہاز بھی وہاں پہنچے گا، لہٰذا ان تحقیقات کی بنا پر افلاک کے خرق والتیام کے محال ہونے کا مسئلہ ایک فرسودہ خیال سے زیادہ کوئی وقعت واہمیت نہیں رکھتا اور جناب رسالت مآبؐ کے معراج کے متعلق شکوک و شبہات کی سب سے بڑی حصار یعنی امتناع خرق والتیام) خود بخود منہدم ہو گئی اور انسان نے اپنی حدود امکان تک بلندیوں کو سر کر کے جناب رسالت مآبؐ کے معراج پر ایمان لانے کی راہیں ہموار کر دیں کہ اگر ایک عام انسان کوشش و محنت سے آسمانوں کی بلندیوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے اور چاند و زہرہ پر ڈیرہ ڈال سکتا ہے تو چرخ چہارم تک عیسیٰ کا جانا یا قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام تک حبیب خدا کا جانا جب کہ لے جانے والا خود وہی تھا کیسے بعید از عقل قرار دیا جا سکتا ہے

چونکہ باقی سب کائنات کی خلقت کی ابتدا پانی سے ہوئی تو عرش کا پانی کے اوپر ہونے کا مقصد شاید یہ ہو کہ خدا کی سلطنت و حکومت اس پر محیط و غالب ہے اور انسان جتنا ترقی کر کے عروج کرے وہ اس پانی سے اٹھنے والے غبارات تک ہی پہنچے گا، اور ان تمام حدود کو طے کر کے عرش خداوندی تک پہنچنا اس کے بس سے باہر ہے ہاں وہاں تک وہی جا سکتا ہے جسے وہ خود لے جائے۔

لِيَبْلُوَكُمْ یعنی اس تمام مخلوق کو پیدا کر کے تمہیں پیدا کیا اور عقل و شعور عطا کیا تاکہ تم میں سے احسان شناسوں اور احسان فراموشوں کا فرق ہو اور تمہاری آزمائش کی خاطر تمہیں نیک و بد کے اختیار میں مجبور نہیں کیا۔

لَئِنْ قُلْتَ یعنی یہ لوگ اس قدر غافل اور سرکش ہیں کہ ان سے اگر کہا جائے کہ تمہیں موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو باور ہی نہیں کرتے حالانکہ اگر ذرہ بھر تامل کرتے تو انہیں آسانی سے پتہ چل سکتا تھا کہ جو خدا اس قدر بڑے نظام کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا تو اس قدر مشکل نہیں ہے اور اس ساری تفہیم کے بعد بھی وہ عقل کے اندھے کہہ دیتے ہیں کہ حضور جادو کی سی بات کہتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ جس طرح اس میں حقیقت نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف آنکھوں کا دھوکا ہوتا ہے۔ حشر و نشر کی باتوں کو وہ اسی طرح ایک بے حقیقت امر ٹھہراتے ہوئے اپنے نفسوں کو دھوکا دیتے ہیں۔

امت کے معانی

اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ قرآن مجید میں اُمّت کا اطلاق ۷ معانی میں وارد ہوا ہے (۱) مذہب جیسے فرماتا ہے ۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً یعنی لوگ ایک مذہب پر تھے ۔ (۲) جماعت جیسے فرماتا ہے وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ یعنی وہاں دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت پانی لے رہی تھی (۳) ایک فرد جیسے اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً تحقیق ابراہیم ایک اُمّت تھا۔ (۴) قوم جیسے اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ یعنی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو (۵) اُمّت

الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ

عذاب کو ایک وقت معین تک تو کہیں گے کس نے اس کو روکا ہے ؟ خبردار جس دن آئیگا

لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (۸)

تو نہ روکا جائیگا ان سے اور اترے گا ان پر وہ جس کے ساتھ مسخری کرتے ہیں

محمدی جیسے اَرْسَلْنٰكَ اِلٰٓى اُمَّةٍ ہم نے تجھے ایک اُمّت کی طرف بھیجا ۔ (۶) وقت جیسے وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ ۔ یعنی اس نے ایک عرصہ اور وقت کے بعد یاد کیا (۷) خلق جیسے تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً " تمام خلق کو وہاں پڑا دیکھو گے ۔

اس مقام پر اُمّت کا معنی وقت بھی لیا گیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ اگر ہم ان لوگوں کو ایک وقت معین تک مہلت دے دیں تو کہنے لگتے ہیں کہ تمہارا عذاب کہاں گیا اس کو کس نے روک رکھا ہے ؟ یعنی عجلت عذاب کے خواہاں ہوتے ہیں اور استہزا کرتے ہیں اور اُمّت کا معنی یہاں جماعت بھی کیا گیا ہے ۔ اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام اور امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت مہدی علیہ السّلام کے وہ اصحاب ہیں جن کی تعداد اصحاب بدر کے برابر یعنی ۳۱۳ ہو گی ۔ اور موسم خریف کے بادلوں کی طرح فوراً ایک جا ہو جائیں گے اور تفسیر جامع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اس آیت مجیدہ کا معنی یہ منقول ہے کہ اگر ان منافقوں اور کافروں کے عذاب کو ہم تا ظہور قائم آل محمدؑ موخر کرتے ہیں ۔ تو یہ لوگ ازراہ تمسخر و استہزا ء کہتے ہیں ۔ کس چیز نے اس کو روک رکھا ہے اور وہ کیوں ظہور نہیں کرتا بے شک آئے اور ہمیں سزا دے اور ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ کسی قائم کا وجود نہیں ہے ۔ لہٰذا انتظار کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ پس خدا ایسے لوگوں کو متنبہ فرماتا ہے کہ جب وہ آئے گا تو پھر عذاب خدا سے بچنے کا کوئی سہارا نہ ہوگا ۔ اور جس چیز کا تمسخر و استہزا کرتے ہیں اس کا وبال ان کو اپنے احاطہ میں لے لے گا ۔

رکوع نمبر ۲ صبر و شکر

وَلَئِنْ ۔ انسان کا عام دستور ہے کہ جب خوش حالی کے بعد خدا اس سے کوئی نعمت لے لے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے ۔ یعنی صبر نہیں کرتا اور جب دکھ کے بعد خدا اس کو آرام عطا فرمائے ۔ تو شکر نہیں کرتا بلکہ زیادہ اکڑتا اور لوگوں کے سامنے فخر کرتا پھرتا ہے ۔ ہاں ایسے خدا کے بندے بھی

موجود ہیں جو مصیبت کے وقت بجائے مایوسی کے صبر کرتے ہیں اور راحت کے وقت بجائے اکڑنے کے شکر کرتے ہیں پس انہی کے لیے اجر کبیر ہے میں نے مواعظ کی ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کسی عابد کی تلاش میں نکلے ایک عابد کے ہاں پہنچے پھر دوسرے عابد کے پاس گئے اور اس نے بڑے عابد کا پتہ دیا جب اس کے پاس پہنچے تو دیکھا وہ ایک لوہار ہے جو اپنی حلال کمائی میں مشغول ہے اور زبان پر شکر پروردگار جاری ہے۔ موسٰے نے پوچھا۔ تیری زیادتی عبادت کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا حلال رزق کماتا ہوں۔ اور واجبات ادا کرتا ہوں دوکان کی آمدنی میں سے ایک حصّہ مالک کو دوسرا حصّہ بچوں کے لیے اور تیسرا حصّہ فی سبیل اللہ مساکین کو دیا کرتا ہوں پس اللہ کے فیصلہ پر راضی ہوں سختی پر صبر کرتا ہوں اور نعمت پر شکر کرتا ہوں۔ آمدنی کم ہو جائے تو گھبراہٹ و مایوسی کا اظہار نہیں کرتا اور زیادہ ہو جائے تو اتراتا اور اکڑتا نہیں ہوں اُس نے پُوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں تو جواب دیا کہ مُوسٰی بن عمران کے وطن سے تو اس نے کہا کہ گھر جانے کا کیا خیال ہے۔ حضرت موسٰے نے جواب دیا جانا چاہتا ہوں تو اس نے ایک بادل کو حکم کیا وہ فوراً حاضر ہوا اور پوچھا کہاں برسے گا تو اس نے جواب دیا کہ فلاں جگہ پر پھر اس کو روانہ کر کے دوسرے کو بلایا پھر تیسرے کو آخر ایک نے کہا کہ میں موسٰے کے ملک پر جاؤں گا۔ تو عابد نے حضرت موسٰی کو سوار کر کے روانہ کیا۔ جب آپ کوہ طور پر پہنچے تو عرض کی اے پروردگار! مجھے اس لوہار کی کونسی عادت پسند آئی۔ ارشاد ہوا کہ وہ میری قضا پر راضی میری آزمائش پر صابر اور نعمتوں پر شاکر ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی کا مضمون وارد ہے۔ کہ مَنْ لَمْ یصبر علی بلائی ولم یشکر علی نعمائی ولم یرض بقضائی فلیخرج

وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ

اور اگر ہم چکھائیں انسان کو اپنی رحمت (کا مزا) پھر چھین لیں اس سے تو وہ مایوس

لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ⑨ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ

و منکر ہوتا ہے اور اگر چکھائیں اس کو سکھ (کا مزا) بعد دکھ پہنچنے کے

لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ⑩ إِلَّا

تو کہتا ہے گئی سختیاں مجھ سے تحقیق وہ خوش خوش اکڑتا ہے سوائے

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ

ان کے جنہوں نے صبر کیا اور عمل نیک کیے ایسوں کے لیے مغفرت

وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ⑪ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ

اور بڑا اجر ہے پس شاید تو چھوڑنے والا ہے بعض اس کا جو وحی کی گئی تیری طرف

من ارضی و سمائی و لیعبد ربًّا سوائی یعنی جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو میری آزمائش پر صبر نہ کرے اور میری نعمتوں کا شکر نہ کرے تو میری زمین سے نکل جائے اور کوئی دوسرا خدا تلاش کرے

اَنْ یَّقُوْلُوْا اس کے شان نزول کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ بعض قریش حاضر بارگاہ نبویؐ ہوئے اور عرض کی کہ اگر آپ سچ مچ اللہ کے رسول ہیں تو دعا کریں کہ مکہ کے پہاڑ سونا بن جائیں اور فرشتے اتر کر تیری نبوت کی گواہی دیں پس آپ کی تسکین خاطر کے لیے یہ آیت اُتری۔

پیغام ولایت اور دعائے پیغمبر تفسیر جامع اور مجمع البیان میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علی سے فرمایا کہ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ تجھے میرا بھائی قرار دے اور یہ کہ تجھے میرا وصی و خلیفہ بنائے تو خدا نے میری دُعا کو مستجاب فرمایا اور تجھے میرا وصی و خلیفہ اور بھائی قرار دیا تو بعض جہلاء کہنے لگے کھجور کا ایک صاع اس سے بہتر ہے جو محمدؐ نے

وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ

تیرے اور تیرا دل تنگ ہوا ہے اس سے کہ کہیں کیوں نہیں اتارا گیا اس پر خزانہ

اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اور آیا ساتھ اس کے فرشتہ تحقیق تو صرف ڈرانے والا ہے اور اللہ ہر شے کا

وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ

نگہبان ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے افترا باندھا ہے تو لے آئیں وہ بھی دس ہی سورتیں

مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

افترا باندھ کر اور بلا لو ان کو جن کو بلا سکتے ہو سوائے اللہ کے

خدا سے طلب کیا ہے خدا سے ملک اور خزانہ مانگنا چاہیے تھا نہ کہ یہ جو مانگا ہے پس یہ آیت اُتری کہ آپ دل تنگ نہ ہوں۔

تفسیر جامع میں بروایت کافی ابن ارقم سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر کہ میں جبریل ولایت علی کا حکم لایا تو حضورؐ نے خوف ظاہر کیا کہ لوگ تکذیب کریں گے پس جبریل دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ اب کیوں تاخیر فرماتے ہیں تو حضورؐ نے جواب دیا کہ لوگوں کی ہیئت اس قدر پست ہے کہ مجھے ان سے تکذیب کا خطرہ ہے۔ پس کچھ دیر کے بعد جبریل سورہ ہود کی دس آیتیں لایا فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ سے لے کر اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ تک اور یہ حدیث امالی ابن بابویہ میں بھی منقول ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تفسیر جامع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ ولایت کا حکم حضورؐ نے اپنی مرضی سے دیا ہے تو یہ آیت مجیدہ ان کی تردید کے لیے اُتری اور یہ بھی منقول ہے کہ قرآن کو کلام پیغمبر

کہنے والوں اور رسول پر افترا کا الزام تراشنے والوں کو چیلنج ہے کہ اگر رسول نے اپنی طرف سے یہ کلام پیش کیا ہے تو تم بھی اہل لسان ہو اس جیسا پورا قرآن نہ سہی اس جیسی دس سورتیں تو لے آؤ اور اپنے تمام فصحاء و بلغاء کو اور اپنے نامزد خداؤں کو بھی بلا لو پس اس سب کاوش و کوشش کے باوجود بھی اگر قرآن جیسی دس سورتیں بلکہ تحدی بالائے تحدی کی بنا پر ایک سورہ کا چیلنج بھی کیا جیسا کہ سورہ یونس کی آیت نمبر ۳۸ میں گذرا ہے ایسی نہ لا سکو تو سمجھ جاؤ کہ بشر کا کلام نہیں ورنہ تم اس کے مقابلہ سے عاجز نہ ہوتے پس تمہارا مقابلہ سے عاجز آجانا اس کے کلام خدا ہونے کی اٹل دلیل ہے۔

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٣﴾ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا

اگر سچے ہو — پس اگر قبول نہ کریں تو جان لو

أَنَّمَا أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنتُم

کہ یہ اتارا گیا ہے اللہ کے علم سے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے

مُّسْلِمُونَ ﴿١٤﴾ مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا

کیا تم مانتے ہو؟ — جو چاہتا ہو زندگانی دنیا اور اس کی زینت

نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾

تو پورا (بدلہ) دیں گے ان کو ان کے اعمال کا اس میں اور وہ اس میں نہ خسارہ دیئے جائیں گے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَ

ایسوں کا نہیں آخرت میں مگر جہنم اور

مومن کا انجام

مَن كَانَ — اس آیت کے مصداق تمام وہ لوگ ہو سکتے ہیں جن کے اعمال اس قابل نہ ہوں کہ وہ جنت لے سکیں اس لیے کہ ان کا اعتقاد درست نہ تھا پس کافر مشرک منافق وغیرہ اگر صدقہ خیرات یا صلہ رحمی یا غریب پروری یا رفاہ عامہ کے کاموں میں دلچسپی لیں اور انسانی خدمات کو خلوص سے بجا لائیں۔ تو چونکہ ان کا ایمان نہیں ہے۔ لہٰذا خدا اپنی عدالت کے پیش نظر ان کو دنیا میں بدلہ دے گا مثلاً وسعت رزق، کثرت اولاد جاہ و عزت، مال و دولت صحت و تندرستی عیش و آرام اور طول عمر وغیرہ اور اگر کسی کی نیکیاں زیادہ ہوں گی تو قیامت میں ان کے دائمی عذاب میں یک گونہ کمی کر دی جائے گی۔ بہر کیف جنت میں نہیں جا سکے گا اور ریاکاری والے اعمال کا بھی یہی حال ہے۔ اور حدیث نبوی میں بھی ہے کہ جو دنیا میں دنیا کے لیے عمل کرے گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور حبط اعمال کا یہی مقصد ہے۔ کہ ان کے اعمال کی جزا جنت نہیں قرار دی جائے گی۔ جبکہ ایمان کی صورت میں وہ اعمال جنت کی کلید ہوتے اور ہم نے حبط اور ضبط کے درمیان فرق تفسیر کے مقدمہ میں ص ۲۳۹ پر

ایک عنوان مستقل کے ماتحت مفصل بیان کیا ہے جو کافی معلومات کا ذخیرہ ہے لہذا اس کا مطالعہ کر کے مقصد کو خوب سمجھئے اور خلاصہ یہ کہ ضبط کا معنی یہ ہوتا ہے کہ عمل عمل ہو اور اس کی جزا کو ضبط کیا جائے اور یہ صفت خدا میں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عدل کے منافی ہے اور حبط کا معنی یہ ہے کہ عمل وہ عمل ہی نہیں جو جزا کے قابل تھا کیونکہ عمل کے ساتھ شرائط تھیں مثلاً ایمان اور خاتمہ بالخیر ہونا اور ریا کار نہ ہونا اور خلوص وغیرہ۔ پس ان شرائط کی عدم موجودگی میں وہ عمل گویا عمل ہی نہ رہا۔ جو آخرت میں جزا کے قابل ہوتا۔ پس دنیا میں اس کو اس کی محنت و کاوش کا بدلہ پورا ملے گا۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ایک صحابی نے ایک عورت کی طرف دست درازی کی اور نیت بد سے اس کا تعاقب کیا۔ تو راستہ میں اس کی پیشانی پر دیوار کے ٹکرانے سے چوٹ لگی۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خدا نے تجھے تیرے گناہ کی سزا دنیا میں دے دی۔ کیونکہ جب خدا انسان کو آخرت میں مبتلائے عذاب کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے دنیا کی سزا کو روک لیتا ہے اور جب آخرت میں اس کو جنت دینا چاہتا ہے۔ تو گناہوں کی سزا اس کو دنیا میں دے دیتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کافر کو اپنے اچھے اعمال کی جزا دنیا میں مل جاتی ہے۔ اور آخرت میں کورا ہو کر صرف استحقاق جہنم لے کر جاتا ہے اور خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ کا یہی مطلب ہے۔ اور مومن کو بداعمالیوں کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے حتیٰ کہ روایات میں ہے مومن کو اگر کانٹا چبھے یا چوٹ لگے یا جسمانی و روحانی کوئی تکلیف پہنچے یا مال و اولاد کا کوئی صدمہ ملے تو یہ اس کے بعض گناہوں کا کفارہ ہوا کرتا ہے اور بعض ایسے گناہ ہوا کرتے ہیں جن کا کفارہ بے گناہ قتل ہو جانے سے ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر اس کے ذمہ کچھ گناہ رہ جائیں تو موت کی سختی اس کا کفارہ بن جاتی ہے اور اس سے بھی بچیں گے تو قبر میں ان کی سزا مل جائے گی۔ بہرکیف خدا چاہتا ہے کہ مومن جب قیامت کو میدان حشر میں آئے تو اس کے اعمال میں نیکیوں کی کثرت ہو اور بے حساب جنت میں جائے۔ اور اگر برائیوں کی زیادتی کی وجہ سے کچھ باقی ہوں گے۔ تو حساب و کتاب تک ان کا قصہ پاک ہو جائے گا۔ اور خالص نیکیاں لے کر جنت میں جائے گا اور اَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ کا یہی مطلب ہے جیسا کہ ایک سابق حدیث نبوی بھی اسی مضمون کی شاہد ہے۔

بہرکیف مومنین کو اپنے گناہوں کی کثرت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ خداوند کریم کے فضل و کرم سے بعید ہے کہ مومن کو جہنم میں ڈالے وہ شخص جس نے دنیا میں لادینیت کے ہمہ گیر طوفان کا سینہ تن کر مقابلہ کرتے ہوئے دین کا پرچم بلند رکھا ہو۔ وہ شخص جس نے دہریت اور الحاد کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہو کر توحید پرستی کی دعوت دی ہو وہ شخص جس نے اللہ کو صدق دل اور خلوص نیت سے اپنا معبود حقیقی سمجھ کر کلمہ توحید زبان پر جاری کیا ہو۔ وہ شخص جس نے اس کی کتاب قرآن اور اس کے انبیاء و اولیاء کے نام و نشان کی بقا کی خاطر دنیا کی ہر قسم کے مصائب کو برداشت کرتے ہوئے زندگی کے لمحات کو خوشیوں، عیاشیوں اور رنگ رلیوں سے الگ رکھا ہو۔ اگر ایسے شخص سے کسی وقت یا بسا اوقات لغزشیں بھی سرزد ہوتی رہی ہوں جو اس کے دین سے بغاوت کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی کوتاہیوں کا احساس کرتے ہوئے۔ تو وہ عالم الغیب عادل و حکیم کیسے اس کے خلوص کو نظر انداز فرما کر فروعی لغزشوں کی خاطر اس کو جہنم کے دائمی جیل خانہ میں بھیجے گا

ہاں ہاں اس کے رحم وکرم اور فضل وعطا سے توقع یہ ہے کہ وہ مومن کی دنیاوی تکالیف کو اس کے گناہوں کا عوضہ قرار دیگا۔ اور آخرت میں اسے جنّت الفردوس میں جگہ دے گا۔ پس تمام اہل ایمان ایسے رحیم وکریم خدا کے سامنے نعمتِ ایمان کا شکرہ ادا کرتے ہوئے اپنے گناہوں سے توبہ کی کوشش کریں اور مجھ گنہگار کے لیے بھی دعا خیر فرمادیں۔

اَفَمَنْ کَانَ عَلیٰ بَیِّنَۃٍ وہ دلیل وبرہان جو حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کردے ہمزہُ استفہام سوال کے لیے نہیں بلکہ تقریر کے لیے اور بات کو پکا کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے مَنْ موصولہ ہے اور کَانَ اس کا صلہ ہے اور یَتْلُو کا عطف کَانَ پر ہوگا۔ اگر

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ أَفَمَنْ
برباد ہوگا وہ جو کیا دنیا میں اور باطل ہوئے وہ جو عمل کرتے تھے کیا جو
كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ
شخص ایک برہان پر ہو اپنے رب سے اور اس کے پیچھے اُسی سے شاہد بھی موجود ہو حالانکہ اس سے پہلے
مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ
کتاب موسیٰ بھی گذری جو امام ورحمت تھے وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر اور جو انکار کریگا اس کا
الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ إِنَّهُ الْحَقُّ
لوگوں میں سے تو جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا پس نہ ہو شک میں اس سے تحقیق
مِن رَّبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۷﴾
وہ حق ہے تیرے رب سے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے

اس کو کَانَ تامہ قرار دیا جائے ورنہ عَلیٰ بَیِّنَۃٍ کے متعلق پہ ہوگا، اور اس کے بعد کتاب کا عطف شاہد پر ہوگا یعنی یَتْلُوہُ کِتَابُ مُوسیٰ اور اِمَامًا وَرَحْمَۃً دو نو حال ہیں اور ان کا ذوالحال کِتَابُ مُوسیٰ ہوگا پس موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مبتدا ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اَفَمَنْ کَانَ عَلیٰ بَیِّنَۃٍ مِنْ رَبِّہٖ وَعَلَی الْاَوْصَافِ الْمَذْکُوْرَۃِ کَمَنْ لَیْسَ عَلیٰ بَیِّنَۃٍ یعنی جو شخص ایک واضح برہان پر ہو یعنی قرآن مجید جیسی کتاب اس کے پاس ہو اور اس کے پیچھے خود اسی سے اس کا شاہد بھی موجود ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب توراۃ بھی شہادت دے چکی ہو جو لائق اقتداء باعث رحمت تھی اور یہ اس پر ایمان رکھتے ہوں تو یہ ان کی مثل قرار دیے جا سکتے ہیں۔ جن کے پاس کوئی برہان و دلیل نہ ہو اور نہ کوئی ان کا شاہد ہو۔ یَتْلُوہُ میں اگر ضمیرِ غائب کا مرجع مَنْ ہو تو معنی یہ ہوگا، کہ صاحب برہان کے پیچھے اس کا شاہد اُسی سے موجود ہے۔ برہان وبینہ سے مراد قرآن مجید اور صاحب بیّنہ حضرت محمد مصطفیٰ ہوں گے اور اگر ضمیر غائب کا مرجع بینۃ کو قرار دیا جائے۔ اس لحاظ سے

کہ بیّنہ کو برہان کی تاویل میں لیا جائے تاکہ ضمیر و مرجع میں مطابقت پیدا ہو جائے تو معنی یہ ہو گا کہ محمد مصطفےٰ ﷺ بیّنہ و برہان پر ہیں جو قرآن ہے اور اس کی تلاوت کرتا ہے جو اس کا شاہد اُسی سے ہے۔ شَاہِدٌ مِّنْہُ یعنی وہ شاہد جو صاحب بیّنہ ہیں سے ہو۔

حضرت علیؑ رسولؐ کا شاہد ہے

تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام اور امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت میں شاہد سے مُراد حضرت علی ہیں اور علاّمہ حلیؒ نے ذکر کیا ہے کہ جمہور نے یعنی اہل سنت نے بھی اس مقام پر شاہد سے مراد حضرت علی کو لیا ہے لہذا یہ آیت مجیدہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت پر نص ہے اور فضل بن رُوزبہان نے اہل سنت کی تفسیروں میں اس حوالہ کا موجود ہونا تسلیم نہیں کیا لیکن دلائل الصدق ج ۲ ص ۱۶۰ میں اسے تفاسیر اہل سنت سے ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ فخر الدّین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں شاہد کے معنی کے متعلق چند وجوہ ذکر کیے ہیں اور تیسری وجہ یہ بیان کی کہ اس سے مُراد حضرت علیؑ ہیں (اور ضمیر غائب کا مرجع بیّنہ بتاویل برہان ہے) اور وہ اس بیّنہ کی تلاوت کرتے ہیں (اور منہ میں ضمیر غائب کا مرجع مَنْ ہے) یعنی وہ شاہد محمد سے ہے اور اس کی جزء ہے اور اس میں شاہد کی عظمت بیان کی گئی ہے۔ کہ وہ محمد کی جزء ہے اور سیوطی نے درمنثور میں حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کوئی قریشی ایسا نہیں جس کے حق میں قرآن کا کچھ حصہ اترا ہو تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ حضور آپ کے حق میں بھی کچھ اُترا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تو نے سورہ ھود کی یہ آیت نہیں پڑھی۔ اَفَمَنْ کَانَ الآیۃ جناب رسالت مآبؐ بیّنہ پر تھے۔ اور میں اس کا شاہد ہوں اور اسی طرح طبری سے بھی منقول ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ آیت چار وجوہ کی بنا پر حضرت علی علیہ السلام کی خلافت پر دلالت کرتی ہے۔

(۱) آیت مجیدہ میں حضرت علی کو شاہد کہا گیا ہے اور شاہد سے مراد ہے امت پر شاہد ہونا اس قرینہ سے کہ آپ رسول کے تالی ہیں جس طرح حضورؐ کو ایک مقام پر شاہد کہا گیا (اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا) اور باقی انبیاء کے متعلق کہا گیا ہے۔ (وَجَعَلْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ) یعنی ہم نے ہر اُمت کا شہید ان کے نفسوں سے بنایا اور تجھے ان لوگوں پہ شہید بنایا۔ اور اس سے لوگوں کے امور میں ولایت و حکومت شرعی ثابت ہوتی ہے۔ لہذا حضرت علی کو شاہد کہنا لوگوں کے امور پر اس کی ولایت کو ثابت کرتا ہے اور یہی خلافت کا مفہوم ہے

(۲) آیت مجیدہ میں علی کو رسول کا بعض کہا گیا کہ وہ شاہد اُس سے ہے جیسے خود پیغمبر نے بھی اس کی تائید اپنے الفاظ میں یوں فرمائی (عَلِیٌّ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ) اور یہ چیز عصمت فضل اور تمام صفات حمیدہ میں رسول کے ساتھ علی کی مشارکت کو ثابت کرتی ہے پس علی ہی رسول کی خلافت کے حقدار ثابت ہوتے ہیں

(۳) آیت مجیدہ میں علی کو رسول کا تالی کہا گیا ہے جیسے کہ ضمیر مذکر کا مرجع کے ساتھ تطابق کا تقاضا ہے اور تالی ہونے سے مراد بلافصل پیچھے چلنا ہے۔ اور اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) یہ کہ ان کے قائم مقام ہوں (۲) یہ کہ اس کی طرح یہ بھی بیّنہ پر ہوں (۳) یہ کہ اس کی دعوت میں یہ ان کے معاون و مددگار ہوں جیسے حضورؐ نے خود فرمایا کہ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ وہ

maablib.org

میری کمر کو مضبوط کرے علی کی مدد سے اور علی کو میرا شریکِ کار بنائے۔ اور خدا نے ان کی دعا کو مستجاب فرمایا پس علی کی مثال نبی سے ایسی ہے جیسی ہارون کو موسیٰ سے تھی پس پہلی صورت میں خلافت ثابت ہو گئی اور دوسری صورت میں جب علی رسول کی طرح بینہ پر ہیں تو اس کا لازمی مطلب اور نتیجہ یہ ہے کہ ان کے بعد ان کے قائم مقام بھی یہی ہوں گے۔ اور تیسری صورت میں جب نص قرآن سے علی ہی رسول کے مشن میں ان کے ناصر و معاون ہیں جیسے موسےٰ کے لیے ہارون تھے تو دوسروں سے صفت میں اولیٰ ثابت ہو گئے۔ (۴) اگر یہ کہا جائے کہ ضمیر کا مرجع بیّنہ ہے جیسے گذر چکا ہے تو مقصد یہ ہو گا کہ علی ہی وہ ذات ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ کی شہادت قرآن مجید کی تلاوت سے فرماتے تھے تو ان کو جناب رسالتمآبؐ کا دوسرا معجزہ قرار دیا گیا۔ کہ ان کا پہلا معجزہ ہے بیّنہ اور دوسرا معجزہ ہے وہ شاہد جو بیّنہ کی تلاوت کرتا ہے پس حضرت علی علیہ السلام کی تمام صحابہ سے افضل ہونے کی یہ دلیل ہے لہٰذا وہ ہی خلافت کے اہل و سزاوار ہو سکتے ہیں (دلائل الصدق)

اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ان کو کتاب موسےٰ سے حال قرار دیا گیا اور معنی یہ کہ کتاب موسےٰ امام و رحمۃ تھی۔ اور ممکن ہے کہ موسےٰ سے حال ہوں اور معنی یہ ہو کہ حضرت موسےٰ اپنی اُمّت کے لیے امام اور باعثِ رحمت تھے۔ اور حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد تورات کی شہادت کو تائید کے لیے پیش کیا گیا۔ یعنی رسول کے شاہد ہونے میں حضرت علیؑ کو مرکزی حیثیّت حاصل ہے اور حضرت موسےٰ کی کتاب کی شہادت اس کی تائید کے لیے ہے اور تورات کی شہادت سے مُراد وہ بیانات ہیں۔ جن میں حضرت موسیٰ کو حضورؐ کی آمد کی خبر دی گئی تھی اور موسیٰؑ نے اُمّت کو پیشین گوئی کی تھی۔ چنانچہ جن یہودیوں نے اسلام کو قبول کیا تھا اس کی زیادہ تر وجہ تورات کی پیشین گوئیاں تھیں جن میں حضرت رسالتمآبؐ کے اوصاف تک درج تھے۔

اَلْاَحْزَابِ اس جگہ سے مُراد مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ ہیں چنانچہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ لوگوں میں سے جن کے کانوں میں میری دعوت پہنچے گی اور وہ ایمان نہ لائے گا خواہ یہودی ہو یا نصرانی تو وہ اصحاب نار سے ہو گا۔ احزاب جمع ہے حزب کی۔

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ۔ یہ بھی خطاب حضورؐ کی طرف ہے اور مُراد ساری اُمّت ہے

تفسیر جامع میں حضرت امام محمدؐ باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے لوگوں پر پانچ چیزیں واجب کی تھیں انہوں نے چار کو لے لیا اور پانچویں کو چھوڑ دیا لوگوں نے دریافت کیا وہ کونسی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ لیکن وہ پانچویں جس کو اُنہوں نے چھوڑ دیا ہے وہ ہے ولایت علی بن ابی طالب۔ صحابہ نے عرض کی حضور علی کی ولایت خداوند کریم کی جانب سے ہے تو آپ نے فرمایا ہاں! اور پھر اس سے اگلی آیت آپ نے تلاوت فرمائی بہرکیف روایات خاصہ و عامہ سے ثابت ہے۔ کہ یہاں شاہد سے مُراد حضرت علی ہے پس آیت مجیدہ آپ کی خلافت پر نص ہے

یُعْرَضُوْنَ یعنی اللہ پر افترا باندھنے والوں کو جب پیش کیا جائے گا تو اشہاد کہیں گے ۔ یہ یا تو شاہد کی جمع ہے جیسے صاحب کی

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اُولٰٓئِکَ یُعْرَضُوْنَ

اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ پر جھوٹا ایسے لوگ پیش کیے جائیں گے

عَلٰی رَبِّہِمْ وَیَقُوْلُ الْاَشْہَادُ ہٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی رَبِّہِمْ

اپنے رب پر اور کہیں گے گواہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جھٹلایا اپنے رب کو

اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ

خبردار اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر جو رد کرتے ہیں راہ

سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَہَا عِوَجًا وَہُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ہُمْ کٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

خدا سے اور کج بحثی کرتے ہیں اس میں اور وہ آخرت سے انکاری ہیں

اُولٰٓئِکَ لَمْ یَکُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانَ لَہُمْ مِّنْ

ایسے لوگ نہیں ہمیں عاجز کرنے والے زمین میں اور نہیں ہوگا ان کا کوئی

دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَآءَ یُضٰعَفُ لَہُمُ الْعَذَابُ مَا کَانُوْا

اللہ کے سوا مددگار چند در چند کیا جائے گا ان کا عذاب کیونکہ سن سکتے تھے

یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا کَانُوْا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓئِکَ

(لیکن نہ سنتے تھے اور (دیکھ سکتے تھے لیکن) نہیں دیکھتے تھے ان لوگوں

الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَہُمْ وَضَلَّ عَنْہُمْ مَّا کَانُوْا

نے خسارہ میں ڈالا اپنے آپ کو اور ضائع ہوا اُن سے وہ جو

جمع اصحاب اور یا شہید کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشراف، کہ انہوں نے جھٹلایا تھا اپنے رب کو یعنی اپنے رب کے رسول کو، اشہاد سے مراد کراماً کاتبین یا انبیاء لیے گئے ہیں۔ لیکن تفسیر جامع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد آئمہ طاہرین ہیں جو اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر شاہد ہوں گے۔

یَبْغُوْنَہَا یعنی دین حق پر جرح کر کے اور اس میں خواہ مخواہ کے اعتراضات کر کے اس کو لوگوں کی نظروں میں ٹیڑھا اور غلط ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔

مُعْجِزِیْنَ یعنی یہ لوگ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے وہ زمین کے جس گوشے میں ہونگے ہم آخر ان کو گرفتار کریں گے۔

یُضٰعَفُ یعنی ایک عذاب کفر کا ہوگا اور اس کے اوپر فروعات میں نافرمانی کا عذاب بھی ان کو ہوگا۔ یا یہ مقصد ہے کہ

قسم قسم کا عذاب ان کو دیا جائے گا۔

ما کانوا یستطیعون ۔ اس کا ایک معنی تو وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے گویا باء جارہ تعلیلیہ محذوف ہے۔ اصل میں تھا بما کانو الایۃ ۔ یا یہ کہ ماکو نافیہ قرار دیا جائے۔ کہ چونکہ وہ ان قوتوں کو استعمال نہیں کرتے تھے۔ گویا وہ بہرے اور اندھے ہیں۔ یا یہ کہ مادام کے معنے میں ہو اور مقصد یہ کہ وہ معذب رہیں گے ہمیشہ یعنی جب تک سنتے اور دیکھتے رہیں گے ۔ یعنی جیتے رہیں گے اور تفسیر جامع میں ان کی تاویل دشمنان آل محمد کے حق میں ہے ۔

يَفْتَرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿٢٢﴾

افترا باندھتے تھے لاریب وہی آخرت میں خسارہ پانے والے ہوں گے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ

تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل نیک کیے اور جھکے اپنے رب کی طرف

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ

وہ لوگ جنتی ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے مثال

الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ

ان دونوں فریقوں کی مثل اندھے بہرے اور بصیر و سمیع کی سی

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٤﴾

ہے۔ کیا یہ دونو برابر ہیں مثال میں؟ کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے؟

وَاَخْبَتُوْا ۔ خبت سے بنے رجس کا معنی ہے برابر ہونا۔ اور اخبات کا معنی اطمینان کا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو اپنے پروردگار کی بات سے مطمئن ہوں۔ تفسیر جامع میں زید شحام سے مروی ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارے پاس ایک شخص ہے کلیب نامی کہ آپ کی جانب سے جو حدیث بھی وہ سنتا ہے اس کو فوراً تسلیم کر لیتا ہے حتیٰ کہ ہم نے اس کا نام کلیب تسلیم رکھا ہے۔ پس آپ نے اُس کے حق میں دعا فرمائی اور پھر پوچھا کہ جانتے ہو۔ تسلیم کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ یہی تو اخبات ہے رجس کے متعلق خدا قرآن میں فرماتا ہے۔ وَاَخْبَتُوْا ۔ الآیۃ

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ ۔ یعنی کافر چونکہ مظاہر قدرت دیکھ کر اور براہین توحید سن کر اثر نہیں قبول کرتے تو ان کو اندھا اور بہرہ کہا گیا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں مومن دیکھ سن کر عقل کی کسوٹی پر پرکھتا ہے اور جو چیز واجب القبول ہو اسے قبول کرتا ہے لہٰذا اس کو بصیر اور سمیع کہا گیا ہے۔

رکوع نمبر ۳ حضرت نوحؑ کا ذکر اور معیارِ نبوّت

اس سے قبل سورہ یونس کے تیرھویں رکوع میں اور تفسیر کی چھٹی جلد صہ۴۴۲ تا ۴۴۶ میں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے اب اس سورہ میں بھی دعوتِ عبادت و معرفت کے بعد گذشتہ انبیاء کے قصے بیان کرتے ہوئے پہلے حضرت نوح کا ذکر کیا ہے تاکہ نافرمانوں کے لیے باعثِ عبرت اور پیغمبر کے لیے باعثِ تسکین ہو ۔

۲۵ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۲۵

اور ہم نے بھیجا نوح کو اپنی قوم کی طرف (اس نے کہا) میں تمہیں (عذاب سے) ٹھیک ڈرانے والا ہوں

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

یہ کہ نہ عبادت کرو مگر اللہ کی مجھے تم پر ڈر ہے ۔ دردناک دن کے عذاب

اَلِيْمٍ ۲۶ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا

کا تو کہا ان سرداروں نے جو کافر تھے ۔ اس کی قوم سے ہم تمہیں نہیں دیکھتے مگر

بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا

بشر اپنے جیسا اور نہیں تجھے دیکھتے کہ تیری اتباع کی ہو مگر ان لوگوں نے جو گھٹیا ہیں ظاہر

بَادِىَ الرَّاْىِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ

ہیں اور نہیں دیکھتے ہم تمہارے لیے اپنے اوپر کوئی زیادتی بلکہ ہم تمہیں جھوٹا

كٰذِبِيْنَ ۲۷ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ

سمجھتے ہیں کہا اس نے اے قوم کیا جانتو؟ اگر میں ایک برہان پر ہوں اپنے

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا

قرآن مجید میں گذشتہ امتوں کے حالات و خیالات سے اس امر کا خوب اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نبی کی دعوت کو کن وجوہ کی بنا پر ٹھکراتے تھے یہاں تین وجوہ کا ذکر ہے جس کی بنا پر حضرت نوح کی دعوت کو رد کیا گیا (۱) انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ آپ ہماری طرح بشر ہیں اور دلیل کا کبریٰ ان کے نزدیک مسلمہ تھا جس کو ذکر کرنے کی ضرورت ہی انہوں نے محسوس نہ کی کہ جو ہماری طرح بشر ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا اور قرآن مجید نے کسی مقام پر بھی ان کی دلیل کے صغریٰ کو چیلنج نہیں کیا ۔ یعنی یہ کہ وہ رسول یا نبی کو بشر کہنے میں حق بجانب نہ تھے ۔ بلکہ قرآن نے ان کے صغریٰ کو متعدد مقامات پر تسلیم کرتے ہوئے جگہ بجگہ ان کی دلیل کے کبریٰ کو رد فرمایا کہ بشر اور رسول میں کوئی منافات نہیں چنانچہ یہاں بھی یہی فرمایا کہ میرے پاس اپنے رب کی جانب سے دلیل موجود ہے اور اس کی رحمت کا میرے اوپر سایہ ہے ۔ پس اگر یہ چیزیں تم نہیں دیکھ سکتے تو اس کا کیا علاج ہے ۔ یعنی جس کو تم دیکھتے ہو کہ میں بشر ہوں ۔۔

نور و بشر

درست ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرے پاس خدا کی جانب سے دلیل و برہان اور علم و ایقان بھی ہے جو نبوت کا لازمہ ہے۔ تمہیں اس کی معرفت حاصل کرنی چاہیے اور اگر تم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے تو دین میں جبراً کسی کو داخل نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ہم اس کو زبردستی تم پر ٹھونسا نہیں چاہتے اور تمہیں پھر بھی سوچنے کا موقعہ دیتے ہیں۔ غالباً ہر دور میں یہ موضوع محل نظر بنا رہا ہے کہ آیا نبی بشر ہو سکتا ہے یا نہیں بلکہ عموماً بشریت اور نبوت کو ایک دوسرے کا منافی سمجھا جاتا رہا ہے اور تقریباً بلکہ یقیناً نور و بشر کا معرکۃ الآراء مسئلہ بھی اسی ذہنی اضطراب کا نتیجہ ہے کیونکہ نور کو نبوت کا لازمہ اور بشر کو نور کا ضد جانتے ہوئے نبی کے لیے بشر ہونا ان کی توہین اور تنقیص سمجھی گئی ہے اور یہ بالکل غلط اور بے بنیاد عقیدہ ہے بلکہ انتہائی جہالت ہے جو سابقہ اقوام نے نبوت کے انکار کی آڑ میں اختیار کر رکھی تھی۔ نور کی ضد ظلمت ہے نہ کہ بشریت پس بشر نورانی بھی ہوتا ہے۔ جیسے کہ انبیاء و اولیا اور بشر ظلمانی بھی ہوا کرتے ہیں جیسے کفار و مشرکین و منافقین۔

مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ

رب سے اور آئی ہو میرے پاس رحمت اس کی کہ تم پر مخفی ہو تو

عَلَیْكُمْؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۲۸

تم پر ٹھونس دیں زبردستی جب کہ تم اسے ناپسند کرتے ہو

انسانی صفات میں سے جس جس صفت کو دیکھیے، اس میں یہ دونو پہلو کارفرما ہیں گے اور جو پہلو غالب ہوگا انسان اسی کی جانب منسوب ہوگا، مثلاً انسان میں علم کے نورانی پہلو کے مقابلہ میں جہالت کا ظلماتی پہلو ہوتا ہے اور کامل عالم وہ ہے جس میں جہل کی ظلمت کا شائبہ تک نہ رہے اسی طرح تمام صفات نیک و بد میں نیکی نورانی پہلو ہے اور اس کے مقابلہ میں برائی ظلمانی و تاریک پہلو ہے اور بے عیب ہونا نورانی پہلو ہے۔ اور عیب دار ہونا ظلماتی پہلو ہے، پس صحیح معنوں میں کامل وہی ہوگا جو نقائص عیوب اور برائیوں کے جملہ تاریک پہلوؤں سے پاک ہو اور فضائل و کمالات اور نیکیوں سے آراستہ ہو کر نورانیت اپنے اندر رکھتا ہو اور تمام انسان ان متضاد صفات سے واسطہ رکھتے ہیں اور شاید کوئی انسان ایسا ہو جس میں کوئی نیکی کا پہلو موجود نہ ہو اسی طرح عام انسانوں میں سے شاید کوئی انسان ایسا ہو جس میں کوئی برائی یا عیب کی تاریکی نہ ہو اسی بنا پر خداوند کریم کا ارشاد ہے اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ الآیۃ (خدا ولی ہے ایمان والوں کا کہ ان کو تاریکی و ظلمت سے نور کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اولیاء شیاطین ہیں جو ان کو نور سے نکال کر ظلمت و تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں) پس کفر و نفاق و شرک سب ظلمات اور تاریکیاں ہیں اور ان کے مقابلہ میں اسلام و ایمان و ایقان کی منازل نور کی منزلیں ہیں پھر ایمان لانے کے بعد ہر گناہ ظلمت ہے اور ہر ایک نیکی نورانی بلندیوں کی ایک

منزل ہے اور جس کو نیک کہا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کا نورانی پہلو ظلمانی پر غالب ہے اور جسے بد کہا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہوا کرتا ہے کہ اس کا ظلمانی پہلو نورانی پر غالب ہے

پس خدا کی جانب سے نمائندہ نبی یا امام وہی ہو سکتا ہے جس میں اعمال و کردار و افعال و اطوار کے لحاظ سے دیگر صفات بشریہ میں سے ظلماتی پہلو موجود نہ ہوں اور اسی کا دوسرا نام عصمت ہے پس نبی کے نور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان ظلمات سے پاکیزہ و منزّہ ہے جن سے دوسروں کو نکالنے کے لیے دعوت اسلام لے کر آیا ہے ورنہ اگر خود ظلمات میں ڈوبا ہوا ہو تو وہ دوسروں کو نکالنے سے پہلے خود اپنی نجات کے لیے کسی دوسرے کا محتاج ہو گا پس نبی کے لیے ضروری ہے کہ خود نور ہو اور دوسروں کو نور کی طرف بلائے اور اس لحاظ سے نور کی بشریت سے کوئی منافات نہیں ہے۔

۲ ۔ دوسرا بہانہ جو کفار کی جانب سے کسی نبی کی دعوت کو ٹھکرانے کے لیے پیش کیا جاتا تھا وہ یہ کہ اپنی چودھراہٹ اور برتری کو برقرار رکھنے کے لیے غربائ مساکین کے پاس بیٹھنے سے نفرت کا اظہار کرتے تھے چونکہ اسلام مساوات کی دعوت دیتا ہے اور یہاں عزت و ذلت کا معیار ہے تقویٰ و عمل صالح پس جو متقی ہو گا وہ عزت دار ہو گا خواہ قوم میں پست اور دولت کے لحاظ سے ذلیل ہی کیوں نہ سمجھا جاتا ہو اور جو تقویٰ نہ رکھتا ہو وہ اللہ کے نزدیک ذلیل ہو گا خواہ قومیت بلند اور دولت وافر ہی رکھتا ہو لیکن چونکہ دنیا کے غرور میں مبتلا ریاست و امارت اور مال و دولت کے بل بوتے پر نخوت و تکبر کے خوگر عزت و ذلت کے اس معیار کو اپنی ظاہری وجاہت وجاہ و جلال پر ضرب کاری خیال کرتے تھے لہذا دعوت نبوی کو ٹھکرانے کے لیے وہ یہ بہانہ ساتھ ساتھ پیش کرتے تھے کہ آپ کی اتباع تو غریب و کمزور لوگ ہی کرتے ہیں۔ اگر اس جماعت میں امرا ہوتے تو ہم بھی آ جاتے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کو بھی یہ جواب دیا گیا گویا مال و دولت، کبر و غرور اور جاہ و اقتدار کے نشے میں وہ لوگ عقل کے تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر دیتے تھے۔ تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ بس دولت اور عیش و عشرت ہی حق ہے اور جو بھی نظریہ اس سے ٹکرائے وہ باطل ہے اور نوح علیہ السلام نے اس کا جواب بھی وہی دیا کہ ہمارے پاس دلیل و برہان اور رحمت پروردگار ہے اور تم لوگوں کے لیے بھی حق و باطل کا معیار دلیل و برہان ہونا چاہیے نہ کہ ظاہری اقتدار گویا دلیل کا صغریٰ مسلّمہ ہے اور کبریٰ کو رد کیا ہے ۔

۳ ۔ مَا نَرٰی ۔ یعنی تم میں ہمارے اوپر کوئی برتری یا فضیلت نہیں ہے جن کی بنا پر ہم آپ کو نبی مان لیں اور آپ کی اتباع کریں گویا دلیل کا صغریٰ یہ ہوا کہ تمہاری ہمارے اوپر کوئی برتری یا فضیلت ثابت نہیں اور کبریٰ جو مسلّمات میں سے تھا جس کو ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی کہ جس کی فضیلت ثابت نہ ہو اس کی اتباع نہیں کرنی چاہیے ۔ اس مقام پر بھی جواب وہی ایک ہے جو پہلے دونو بہانوں کے لیے دیا گیا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے دونو مقامات پر یہ جواب ان کی دلیلوں کے کبریٰ کو باطل کرتا تھا اور یہاں یہی جواب ان کی دلیل کے صغریٰ کو باطل کرتا ہے اور وہ اس طرح کہ کبریٰ ان کا مسلّمہ ہے ۔ یعنی جو افضل نہیں ہے واجب الاتباع نہیں ہو گا لیکن صغریٰ دلیل کا درست نہیں کہ آپ ہم سے افضل نہیں ہیں ۔ کیونکہ اس نظریہ کے داعی ان کے پاس دو چیزیں تھیں اور وہ اوپر والے دو عذر ۔ ایک یہ کہ آپ بشر ہیں اور ہم جیسے ہیں اور دوسرے یہ کہ آپ کے اتباع

غربا ر طبقہ میں سے ہیں یعنی ظاہری بشریت اور غربت سے انہوں نے نبی کو آپ جیسا سمجھ لیا اور آپ کی افضلیت کا انکار کرنے لگے۔ تو حضرت نوح نے وہی جواب دیا کہ میں اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل و برہان اور اس کی رحمت کا سایہ رکھتا ہوں یعنی فضیلت کا معیار مال و دولت یا ملک ہونا نہیں بلکہ اس کا معیار دلیل و برہان اور علم و یقین ہے

حضرت نوح علیہ السلام یا دیگر انبیاء کے واقعات نیز گذشتہ اقوام کی انبیاء سابقین سے آویزش کے تذکرے صرف قصہ خوانی سے لطف اندوزی کے لیے نہیں بلکہ سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے اور غور و فکر کی راہیں ہموار کرنے کے اساسی دستور ہیں اسی لیے تو ایک مقام پر فرماتا ہے کہ جو ایمان کو قبول کرے تو دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر کرے اور جو کفر کی طرف جائے تو وہ بھی سوچ سمجھ کر ایسا کرے تو یہاں ذرا قوم نوح کے سہ نظریوں کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیے۔

- ○ صغریٰ۔ آپ بشر ہیں ــــ کبریٰ ۔ جو بشر ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا ــــ نتیجہ آپ نبی نہیں ہو سکتے۔
- ○ صغریٰ۔ آپ کے اتباع غریب لوگ ہیں ــــ کبریٰ ــــ جس کے اتباع غریب لوگ ہوں وہ قابل اتباع نہیں۔ نتیجہ آپ قابل اتباع نہیں
- ○ صغریٰ۔ آپ ہم سے افضل نہیں ــــ کبریٰ ــــ جو افضل نہ ہو اس کی اطاعت ناجائز ہے۔ نتیجہ۔ آپ کی اطاعت ناجائز ہے

پس تین اعتراضوں کے بعد انہوں نے آپ کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ آپ کی دعوت جھوٹی ہے
بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِيْنَ ۔ (یعنی ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں)

حضرت نوح نے فرمایا میں رب کی طرف سے اپنی حقانیت پر دلیل و برہان رکھتا ہوں اور اللہ کی رحمت میرے سر پہ ہے
پس پہلی اور دوسری دلیل کا کبریٰ باطل اور جواب اس طرح ہوا۔

- ○ میں بے شک بشر ہوں ــــ اور جو بشر نبوت کے لیے بینہ و برہان رکھتا ہو وہ نبی ہو سکتا ہے۔ نتیجہ۔ لہذا میں برحق نبی ہوں۔
- ○ میری اتباع غریب کرتے ہیں ــــ نبی برحق کی اطاعت کرنیوالے حق پر ہیں خواہ امیر ہوں خواہ غریب۔ نتیجہ۔ پس میری اطاعت کرنے والے غریب حق پر ہیں۔

اور تیسری ان کی دلیل کا کبریٰ درست ہے لیکن صغریٰ غلط اور جواب اس طرح ہوگا

- ○ میں صاحب برہان نبی ہوں اور تم سے افضل ہوں۔ افضل کی اطاعت واجب ہے۔ نتیجہ پس میری اطاعت واجب ہے

اس سے یہ معلوم بھی ہو گیا کہ افضل کی اطاعت کرنے کا نظریہ عقلی و فطری نظریہ ہے جس کو کافر بھی تسلیم کرتے ہیں تو حیف صد حیف ہے ان عقل و دانش کے اندھے انسانوں پر جو مسلمان کہلواتے ہوئے افضل کو مفضول کی اطاعت پر مجبور کرنا دین سمجھ بیٹھے ہیں اور حضرت علی کو افضل جاننے کے بعد ان کی خلافت بلافصل سے روگردانی اسی کور باطنی کا نتیجہ ہے۔

وَ يٰقَوْمِ حضرت نوح کی قوم نے تین اعتراض کر کے آخر میں کہہ دیا کہ تم جھوٹے ہو لہذا ہم تمہاری کوئی بات نہیں سنتے تو آپ نہایت حوصلہ اور متانت سے پھر ان کو سمجھاتے ہیں کہ تم نے میری بشریت کے پیش نظر میری نبوت کا انکار کیا پھر اسی بنا پر غربت و افلاس کو ساتھ ملحوظ رکھتے ہوئے میری فضیلت کا انکار کیا تو سنو ایک معقول بات سن لینے میں تمہیں حرج

maablib.org

کیا ہے کہ طیش میں آتے ہو اور میں تم سے کوئی فدیہ وصول نہیں کرتا کہ تم گھبرا جاؤ میں تو تمہیں جو کچھ سناتا ہوں مفت سناتا ہوں کم از کم سن تو لو مجھے اس کا اجر خدا خود ہی دیگا۔ باقی رہی یہ بات کہ میری بات ماننے والے تمہاری نظروں میں حقیر اور ذلیل لوگ ہیں۔ کو ہوا کریں مجھے بے ایمان دولتمند سے ایمان دار غریب اچھا ہے۔ لہذا تمہارے کہنے سے ان کو الگ کرنے کو ہرگز تیار نہیں ہوں۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ

اور اے قوم میں نہیں مانگتا تم سے بدلہ میں مال مجھے اللہ ہی اجر دیگا اور نہیں ہوں میں

اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ

بھگانے والا ان کو جو ایمان لائے کیونکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کرنے والے ہیں لیکن میں تو تمہیں

قَوْمًا تَجْـهَلُوْنَ (۲۹) وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ

جاہل قوم سمجھتا ہوں اور اے قوم کون میری مدد کریگا اللہ سے اگر میں نے

طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (۳۰) وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ

ان کو بھگا دیا کیا تم نہیں سوچتے اور میں نہیں کہتا تمہیں کہ میرے پاس

افکار و رموز

(۱) انہوں نے شریف و رذیل کا معیار مال و زر کو بنا رکھا تھا اور آیت کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید انہوں نے یہ کہا ہوگا کہ ان کو اپنے پاس سے ہٹا دیں تو ہم ایمان لائیں گے کیونکہ ان کے پاس بیٹھنا ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ تم نے شریف و رذیل کا جو معیار بنا رکھا ہے وہ غلط ہے بلکہ یہ لوگ تو اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں یعنی عزت اور شرافت کا معیار ہے خوشنودیٔ خدا اور رذالت کا معیار ہے دشمنیٔ خدا۔ پس وہ لوگ اگرچہ غریب ہیں لیکن ایمان کی وجہ سے اللہ کے نزدیک عزت دار ہے۔

(۲) یہ انداز بیان اور طریق تبلیغ اُسی کی ذات کے ہی شایان شان ہے۔ ان کے ہر سہ اعتراضات کا پہلا جواب یہ تھا۔ کہ میرے پاس نبوت کی دلیل و برہان ہے اور پھر فرمایا کہ اگر تم نہیں مانتے تو ایک معقول بات کے سننے میں غصہ کیوں کرتے ہو میں تم سے کچھ مانگتا تو نہیں ہوں۔

اب ذرا تیز لہجہ میں تیسرا جواب یہ ہے کہ تمہارے ہر سہ اعتراضات جہالت پر مبنی تھے۔ کیونکہ بشر اور نبی میں کوئی منافات نہیں بلکہ نبی وہ ہے جو اللہ کی جانب سے نبوت کی سند و برہان رکھتا ہو۔ اسی طرح مال و دولت نہ رکھنے والا رذیل نہیں ہوتا بلکہ ایمان کی دولت سے جو محروم ہو وہ رذیل ہوتا ہے اور فضیلت کا معیار دولت نہیں بلکہ علم و عرفان اور دلیل و برہان ہے۔ پس اپنے غلط نظریوں کی بنا پر ہمیں جھوٹا کہنا تمہاری جہالت کی دلیل ہے۔

نصرت اور شفاعت میں فرق

(۳) نصرت اور شفاعت میں فرق جاننا ضروری ہے۔ حضرت نوح فرما رہے ہیں کہ اگر ان ایمان صفت غریب طبقہ کو میں اپنے پاس سے دور کروں تو میری اللہ سے نصرت کون کرے گا۔ تو جو لوگ شفاعت کے منکر ہیں وہ اس آیت سے سہارا لیتے ہیں کہ حضرت نوح صاف کہہ رہے ہیں کہ میری اللہ سے نصرت کرکے چھڑانے والا کوئی نہ ہوگا اور شفاعت بھی ایک قسم کی نصرت ہے جب نوح کی غلطی پر اس کی شفاعت نہیں ہو سکتی تو کسی دوسرے کی کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اس کا جواب یہ ہے۔ نصرت اور شفاعت دو مفہوم ہیں۔ جن کے معنی میں تضاد ہے۔ نصرت کہتے ہیں کسی کو اس کے مدمقابل پر غلبہ دلانے کے لیے اس کی امداد کرنا اور حضرت نوح اسی معنی کی نفی کر رہے ہیں کہ غریب طبقہ کو بھگا دینا اللہ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے اور ایسی صورت میں پھر کون ہوگا جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرکے مجھے غالب کر سکے گا اور شفاعت کا معنی یہ ہے کہ منت و سماجت سے کسی کی جان چھڑا لینا، اور حضرت نوح اس معنی کا انکار نہیں کر رہے تھے۔

(۴) تفکر اور تذکر میں بعضوں نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ تذکر اس بات کو سوچنا جو پہلے ذہن میں موجود ہو۔ اور تفکر ایسے مطالب کا سوچنا جو پہلے ذہن میں نہ ہوں۔

خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ

اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور

اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ

نہ کہتا ہوں ان کے متعلق جن کو تمہاری آنکھیں ذلیل سمجھتی ہیں کہ نہ دے گا خدا ان کو اچھا صلہ

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۱

اللہ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے (اگر میں ایسا کہوں) تو ظالموں سے ہو جاؤں گا

خَزَآئِنُ اللّٰهِ پھر ان کے انہی سوالوں کی مزید تردید کے لیے جداگانہ رنگ اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم جو مجھے بشر ہونے کا طعنہ دیتے ہو، میں نے کب کہا ہے کہ میں خدا کی خدائی اور اس کے خزانوں کا مالک ہوں، کہ جو کچھ مانگو گے دیتا جاؤں گا، میں نے تمہیں اللہ کے سامنے جھکنے کو کہا ہے جو انسانیت کا مقتضا ہے اور بشر کی شان ہے یعنی تم مجھے بشر ہونا تو تب تبلاؤ جب اس سے اوپر کا میں دعویٰ کروں، نیز تم میری اتباع کرنے والوں کو جو رذیل کہتے ہو ہو سکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی عزت دار ہوں۔ لہٰذا ایسی بے تکی باتیں کرنے کا مجھے حق نہیں اور نہ تمہیں اس کا کوئی حق پہنچتا ہے یا یہ کہ اگر تم ان کو اس لیے رذیل کہتے ہو کہ یہ لوگ صرف زبانی زبانی میرے ساتھ ہیں اور دل سے مومن نہیں ہیں، لہٰذا ان کو بھگا دو، تو یہ کہنا درست نہیں کیوں کہ میں تو ظاہر کا مکلف ہوں اور وہ ظاہر میں ایمان لا چکے ہیں ان کی دل کی باتیں اللہ ہی جانتا ہے، اور میں غیب نہیں جانتا کہ اس معاملہ میں تمہاری تصدیق کروں اسی طرح تم نے کہا ہے کہ تجھے ہم پر کوئی فوقیت نہیں ہے تو میں نے کب ملک (فرشتہ ہونے) کا دعویٰ کیا ہے)

لِلَّذِيْنَ یعنی جن لوگوں کو تم حقیر سمجھتے ہو اور کہتے ہو کہ ان کو کوئی اچھا صلہ نہیں ملے گا، میں ایسا نہیں کہہ سکتا۔ خدا خود ہی ان کے دلوں کو جانتا ہے اگر وہ خالص مومن ہوں گے تو دنیا میں جس طرح ان کو دولت ایمان سے مالا مال کیا ہے آخرت میں بھی ان کو جنت کا انعام دے گا۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ ہمیشہ جھوٹے اور ہٹ دھرم لوگوں کا یہ دستور ہے کہ دلیل و برہان میں مغلوب ہو جائیں تو یہ بات کہہ کر اپنی جان چھڑاتے ہیں کہ تم جھگڑالو اور باتونی قسم کے آدمی ہو چنانچہ حضرت نوح نے جب چار معقول جوابوں سے ان کے منہ میں لگام دے دی کہ پہلے اپنی پوزیشن کی وضاحت کی کہ میں کیا ہوں۔ ثانیاً ان کے خدشات کو دور کیا اور معقول کی طرف توجہ دینے کی دعوت دی۔ ثالثاً ان کو ان کی جہالت پر متنبہ کر کے دعوت فکر دی، اور رابعاً ان کو غلط فہمی کے وجوہ بتلائے۔ اور نہایت سکون و اطمینان سے ان کو راہ حق کی طرف قدم اٹھانے کا شوق دلایا پس جب ان کا ناطقہ بند ہوا تو اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر کہنے لگے۔ کہ تیرے جھگڑے کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پس وہ عذاب لے آؤ۔ جس کا وعدہ کرتے ہو۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ

کہنے لگے اے نوح تو نے ہمارے ساتھ جھگڑا کیا اور بڑا جھگڑا کیا پس وہ لاؤ جو وعدہ کرتے ہو اگر

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۳۲) قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ

ہو تم سچے فرمایا ضرور وہ بھی لائیگا تم پر اللہ اگر

شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (۳۳) وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ

چاہے گا اور تم اس کو عاجز نہیں کر سکو گے اور نہ نفع دیگی تمہیں میری نصیحت اگر میں چاہوں

اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَ

کہ تمہیں نصیحت کروں اگر اللہ چاہتا ہو تمہیں عذاب دینا وہ تمہارا رب ہے

اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۳۴) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ

اور اسی کی طرف تمہاری بازگشت ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ افترا باندھا ہے کہہ دو اگر میں نے افترا باندھا

فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ (۳۵) ع ۳

ہے۔ تو اس کا جرم مجھ پر ہے اور میں بری ہوں اس سے جو تم جرم کرو۔

يَاْتِيْكُمْ اس میں بھی حضرت نوح نے اپنے مامور من اللہ ہونے کا ثبوت دیا جب کہ انہوں نے کہا کہ عذاب لے آؤ آپ نے فرمایا عذاب لانا میرا کام نہیں بلکہ میرا کام تبلیغ کرنا ہے مانو نہ مانو تمہاری مرضی اور عذاب لائے یا نہ لائے وہ اللہ کا کام

ہے۔ اگر چاہے گا تو لے آئیگا اور پھر اس کو نہ عاجز کر سکو گے اور نہ اس کے عذاب کو اپنے سروں سے ٹال سکو گے۔
خدا کی مشیت کا حوالہ دے کر حضرت نوح نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ خدا اپنے نبیوں کا محتاج نہیں ہے وہ عذاب کے لانے یا نہ لانے میں اپنی مشیت پر عمل کرتا ہے۔

وَلَا یَنْفَعُکُمْ یعنی اگر تم پر بوجہ اپنی سرکشیوں کے عذاب محتوم ہو چکا ہے تو میں جتنی نصیحت کروں گا تم نہ مانو گے۔

رکوع نمبر ۴ تفسیر جامع میں ابوصلت ہروی سے منقول ہے میں نے امام رضا علیہ السّلام سے پوچھا کہ زمانہ نوح میں خداوند کریم نے ساری دنیا کو کیوں غرق کر دیا حالانکہ ان میں بچے معصوم بھی ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ جب ان پر عذاب حتمی ہو گیا تو وقت عذاب سے چالیس برس قبل خدا نے ان کی عورتوں کو عقیم بنا دیا پس کوئی بچہ اس دوران میں ان کے ہاں پیدا نہ ہوا۔ پس وہ جو حضرت نوح کی تکذیب کرتے تھے اور دوسرے وہ بھی جو خود تکذیب نہ کرتے (بلکہ انہوں نے حضرت نوح کو دیکھا بھی نہ تھا) بلکہ وہ ان کافروں کے افعال بد سے خوش اور راضی تھے۔ پس ان دونوں جماعتوں کو غرق کر دیا گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ پہلے تین سو برس تبلیغ کی اور جب ان پر کچھ اثر نہ

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ

اور وحی کی گئی نوح کو کہ تحقیق نہیں مومن ہوگا تیری قوم سے مگر وہی جو ایمان

قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَاصْنَعِ

لا چکے ہیں پس رنجیدہ نہ ہو اس سے جو وہ کرتے ہیں اور تیار کر

الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا

کشتی ہمارے سامنے اور ہماری وحی سے اور نہ خطاب کرنا مجھ سے ان کے متعلق جو ظالم

اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَیَصْنَعُ الْفُلْکَ وَکُلَّمَا مَرَّ عَلَیْہِ

ہیں (کیونکہ) وہ ضرور غرق ہوں گے وہ کشتی بنا رہے تھے تو جب بھی اس کی قوم کے سرداروں

ہوا۔ تو ان پر بد دعا کرنے لگے۔ لیکن زمین کے ملائکہ میں سے بارہ ہزار فرشتوں نے درخواست کی کہ آپ فی الحال درگذر فرمائیں اور مزید ایک دفعہ موقعہ دیں چنانچہ پھر تین سو برس گذار دیئے پھر نفرین کا ارادہ کیا تو پھر فرشتوں کی دوبارہ استدعا سے مہلت بڑھا دی گئی اور جب پورے نو سو برس گذر گئے تو عرض کی اے پروردگار میں نے شب و روز محنت کر کے ان کو تیرا پیغام پہنچایا۔ لیکن وہ بالکل مانتے ہی نہیں تو خدا کی طرف سے ان کو اطلاع ملی کہ تیری قوم سے اب کوئی ایمان نہیں لائے گا بس وہی مومن ہوں گے جو پہلے سے ایمان لا چکے ہیں۔ پس آپ نے بد دعا کی تو ارشاد خداوندی ہوا کہ غم نہ کرو اور کشتی بناؤ۔

بِاَعْیُنِنَا اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ میرے سامنے بناؤ۔ مقصد یہ ہے کہ ہماری حفاظت اور امان میں بناؤ کہ اس سلسلہ

میں کوئی تمہیں گزند نہیں پہنچا سکیگا یا یہ کہ اعین سے مُراد ملائکہ ہوں یعنی ہمارے فرشتوں کے سامنے بناؤ یعنی وہ تمہاری ہر طرح نگہبانی کریں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کشتی کھلے میدان میں بناؤ تاکہ آنے جانے والے سب دیکھیں جو عبرت حاصل کرنا چاہیں وہ انہیں مزید سوچنے کا موقعہ مل جائے اور جو عنادی ہیں ان پر مزید حجت تمام ہو جائے پس اس مقصد کو مجازاً باعیننا سے تعبیر کیا گیا۔

بِوَحْيِنَا اس سے قبل کشتی بنانے کے متعلق تو وحی ہو چکی تھی۔ اب یہ کہ ہماری وحی سے بناؤ یعنی اس کا طول و عرض و بلندی اور کیفیت یہ سب کچھ بھی ہماری ہدایت کے ماتحت ہو گا یعنی اس کے معاملہ میں تمہیں اختیار نہیں بلکہ ہم جو بتائیں گے تمہیں ویسا ہی کرنا ہو گا۔

وَكُلَّمَا مَرَّ آیت مجیدہ بتلاتی ہے کہ جب بھی کشتی بنانے کے دوران میں سرداران قوم پاس سے گذرتے تھے تو حضرت نوح پر مسخری کرتے تھے۔ کوئی از راہ مزاح کہتا تھا کہ کیا آپ کو نبوت کے بعد درکھان ہونے کا عہدہ ملا ہے؟ کوئی کہتا تھا کہ یہ لمبی چوڑی کشتی

مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا
کی کوئی ٹولی وہاں سے گذرتی تھی تو اس سے مسخری کرتے تھے۔ فرمایا اگر تم ہم سے مسخری کرتے ہو تو ہم
نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن
بھی تم سے مسخری کر لیں گے جس طرح تم کرتے ہو عنقریب جانو گے کہ کس پر آتا ہے
يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۹﴾
عذاب رسوا کرنے والا اور اترتا ہے عذاب دائمی

پانی کی بجائے خشکی پر چلاؤ گے؟ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ تو حضرت نوح ان کو جواب میں ارشاد فرماتے تھے کہ اب تم مسخری کر لو پھر جب ہمارا موقعہ آیا تو ہم بھی تمہیں دیکھ لیں گے۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ ہم بھی تم سے مسخری کریں گے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس مسخری کا تمہیں مزا چکھائیں گے۔

کشتی نوح کا حلیہ کشتی کے طول و عرض کے متعلق بعض نے کہا ہے کہ ۱۲ سو ذراع لمبی اور ۶ سو ذراع چوڑی تھی اور بعض نے تین سو ذراع لمبی اور پچاس ذراع چوڑی اور تیس ذراع اونچی کا ذکر کیا ہے، اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اس میں تین منزلیں تھیں نچلی منزل وحوش و حشرات الارض کے لیے درمیانی منزل چوپاؤں کے لیے اور تیسری آخری منزل انسانوں کے لیے تھی اور یہ ساگوان کی لکڑی سے بنائی گئی تھی (مجمع البیان) اور تفسیر جامع کی روایت میں کشتی کا طول ۱۲ سو ذراع عرض آٹھ سو ذراع اور بلندی اسی ذراع منقول ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کشتی کے تیار ہو جانے کے بعد حضرت نوح نے سریانی زبان میں آواز دی اور آپ کی آواز پر تمام حیوانات اکٹھے ہو گئے پس آپ نے ہر جنس کا جوڑا جوڑا کشتی پر سوار کر لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب

گندگی پاخانہ کی شکایت پیدا ہوئی تو بامر خدا ہاتھی کی چھینک سے سور پیدا ہوا اور دوسری روایت میں ہے کہ جب گھوڑوں کی لید وغیرہ اور گندگی زیادہ بڑھی تو خنزیر کی چھینک سے خدا نے چوہے کو پیدا کیا اور جب چوہے کثرت سے ہو گئے تو بامرِ خدا شیر کی چھینک سے بلی پیدا ہو گئی۔ تفسیر جامع کی روایت کے مطابق جب نوحؑ کی قوم پر عذاب محتوم ہوا تو حضرت نوحؑ کو درخت لگانے کا حکم ہوا چنانچہ جب آپ نے درخت بویا تو قوم کے لوگوں نے مسخری کرتے ہوئے کہا کہ نو سو برس کی عمر پا کر اب درخت لگانے کا حرص پیدا ہو گیا ہے جب بحکم خدا پچاس برس کے بعد درخت کو کاٹا تو پھر طعنہ دیا کہ جب درخت سے فائدہ حاصل کرنے کا وقت آیا تو اسے کاٹ رہا ہے جب کشتی کے تختے بنائے اور تراشنے کا وقت آیا تو نوح نے ناصر کی خواہش کی، تو خدا کا حکم ہوا،

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ

یہاں تک کہ جب پہنچا ہمارا حکم اور جوش مارا تنور نے تو ہم نے کہا کہ سوار کر لے اس میں ہر جنس سے

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ

جوڑا جوڑا اور اپنی اہل کو سوائے ان کے جن پر حتمی ہو چکا ہے وعدہ (عذاب) اور مومنوں کو

وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ۴۰ وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ

اور نہ ایمان لائے تھے اس کے ساتھ مگر تھوڑے اور کہا کہ سوار ہو جاؤ اس میں اللہ کا نام لے کر

مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۴۱ وَ هِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ

بوقت روانگی اور بوقت ٹھہراؤ تحقیق میرا رب بخشنے والا مہربان ہے اور وہ چلتی تھی ان کے ساتھ موجوں میں

لوگوں کو کہو۔ مدد کریں، اور اس کے بدلہ میں ان کے لیے لکڑی کے ریزوں کو سونا بنا دوں گا پس وہ لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنے عذاب کا سامان تیار کرنے لگے مسخری بھی کرتے تھے، اور سونے کے طمع میں کشتی بنانے میں مدد بھی دیتے تھے، اور کشتی اسی جگہ بنائی گئی تھی جہاں اب مسجد کوفہ موجود ہے۔ مروی ہے۔ کہ حضرت نوح کی ایک بیوی روٹی پکا رہی تھی کہ تنور سے پانی کا فوارہ نکلا تو وہ چیخنے لگی پس حضرت نوح نے مٹی لے کر اس سوراخ کو بند کیا اور حیوانوں کو مع ان کے گھاس کے انتظام کے کشتی میں سوار کر لیا اور انسانوں کو بھی سوار کیا جب سب کام مکمل کر لیا تو جا کر تنور کے اس سوراخ سے مٹی کو ہٹا دیا پس سوراخ کا کھلنا تھا کہ زور سے پانی نکلنا شروع ہوا اور آسمان سے پانی بغیر بادل کے برسنا شروع ہوا نیز زمین پھوٹ پھوٹ کر اپنے پانی کو اوپر نکالنے لگی پس آن کی آن میں زمین کے اوپر سب پانی ہی پانی ہو گیا حتی کہ بلند ترین پہاڑوں سے بھی ان کی سطح ۱۵ یا ۳۰ یا ۴۰ ذراع، باختلاف روایات بلند تھی۔

وَاَهْلَكَ حضرت نوح کو حکم ہوا کہ کشتی میں اپنے اہل کو سوار کر لو۔ اور ہم نے تفسیر کی چھٹی جلد ص۷ تا ص۹ میں آل کی تحقیق کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ کہ اہل میں انسان کے وہ معتمدین داخل ہوتے ہیں جو اس کے مشن میں اس کے ساتھ برابر کے شریک

ہوں، خواہ وہ مشن دنیادی ہو یا دینی اور حضرت نوح کے دنیادی مشن اور گھریلو معاملات میں چونکہ بیوی بچے سب داخل تھے اور البتہ دینی معاملہ میں جو حضرت نوحؑ کا نبوتی و رسالتی مشن تھا اس میں ایک لڑکا اور ایک بیوی ان کے مخالف تھے اور چونکہ عذاب خداوندی کفار اور دشمنان دین کے لیے تھا تو ارشاد باری ہوا کہ عذاب سے بچانے کے لیے کشتی میں اپنے اہل کو سوار کر لو اور پھر ان افراد کے استثناء کا حکم دیا جو دینی معاملہ میں آپ کے ہمنوا نہ تھے یعنی گھریلو معاملات میں ان کا شمار اہل میں تھا لیکن دینی لحاظ سے وہ اہل کے دشمن تھے تو جب مطلق اہل کے سوار کرنے کا حکم ہوا تو اس کے عموم میں تمام اہل داخل تھے خواہ دینی لحاظ سے ہوں یا دنیادی سے تو استثناء کے ذریعہ سے ان کو نکال دیا جو دینی معاملہ میں ہمنوا نہ تھے، اور یہی وجہ ہے کہ جب اہل کے سوار کرنے کے ساتھ یہ حکم ہوا کہ مَنْ اٰمَنَ (ایمان والوں کو) سوار کیجئے تو وہاں استثناء کی ضرورت نہ ہوئی

كَالْجِبَالِ وَنَادٰى نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ

جو پہاڑوں کی مانند تھیں اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو کہ وہ الگ تھا اے بیٹا سوار ہو جا

مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ

ہمارے ساتھ اور نہ ہو ساتھ کافروں کے تو کہنے لگا میں پناہ لوں گا طرف پہاڑ کے بچا لیگا

مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ

مجھے پانی سے تو کہا کہ نہیں بچانے والا آج کوئی عذاب خدا سے مگر جس پر رحم کرے اور حائل

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

ہو گئی ان کے درمیان موج اور وہ غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا

تمام تفسیروں میں ہے کہ جب بیٹے کو غرق ہوتے دیکھا تو اُسے اپنی کشتی پر سوار ہو جانے کے لیے بُلایا لیکن اس نے کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ اور آخر کار غرق ہو گیا۔ حضرت نوح کو معلوم تھا کہ کافر ضرور غرق ہوں گے اور خدا نے بھی فرمایا تھا کہ اب ظالم لوگوں پر عذاب حتمی طور پر نازل ہو گا، لہٰذا ظالموں کے متعلق سفارش نہ کرنا۔ پھر ان تمام تصریحات کے باوجود حضرت نوح نے خدا سے بھی دعا مانگ لی کہ میرے بیٹے کو بچا لے حالانکہ خدا کی نہی کے بعد بیٹے کے لیے یا کسی کے لیے سفارش کا کوئی محل ہی نہ تھا تو یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہر ذہن میں پیدا ہوتا ہے تو اس کا حل اس طرح ہے کہ خداوند کریم نے حضرت نوح کی اہل کو بچانے کا وعدہ فرمایا تھا اور اہل کا معنی چونکہ مخلصین و معتقدین ہوا کرتے ہیں اور حضرت نوح کا یہ لڑکا کنعان نامی بھی ظاہراً باپ کا فرماں بردار تھا اور باپ کے سامنے اپنا مخلص مومن ہونا بھی ظاہر کرتا تھا جس طرح کہ حضرت رسالت مآبؐ کے زمانہ میں بہت سے منافقین اپنے تئیں مومن ظاہر کر کے جناب رسالت مآبؐ سے رعایات حاصل کرتے تھے اور ان کی جان و مال محفوظ تھے۔ پس اسی بنا پر حضرت نوح نے اس کو

مومن سمجھتے ہوئے اظہار محبت کیا اور خدا سے اس کی نجات کی دعا مانگی اور اس کے منافق ہونے کی قلعی اس وقت کھلی جب اس نے باپ کی اعلانیہ نافرمانی کرتے ہوئے کشتی پر سوار ہونے سے انکار کر لیا اور دعا کے جواب میں جب زبان قدرت سے جواب ملا کہ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ تو مزید تسلی ہو گئی کہ وہ منافق تھا لہٰذا بعد میں کوئی جزع و فزع یا غم و اندوہ ان کو لاحق نہ ہوا۔ تفسیر جواہر طنطاوی میں صاف مذکور ہے کہ وہ منافق تھا اور اس کے ظاہری ایمان کی وجہ سے نوح نے اس کے لیے دعا کی تھی۔ اور نوح کے بیٹے کو اہل سے نکالنے کا مقصد یہ ہے کہ نبی کے اہل سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو ظاہر و باطن میں ایمان کے زیور سے آراستہ ہوں اور ایسوں ہی کے ساتھ نجات کا وعدہ تھا اور حضرت نوح کا صرف بیٹے کے لیے نجات کا سوال کرنا۔ اور بیوی کو نظر انداز کرنا اسی امر کا کاشف ہے کہ بیوی اعلانیہ کافر تھی لہٰذا ان کے لیے دعا کرنے کا جواز ہی نہ تھا۔ اور بیٹا چونکہ ظاہراً مومن تھا اور دل میں منافق تھا پس اس کے لیے ظاہری ایمان کی وجہ سے دعا مانگی۔ حضرت نوح کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کافرہ جس کا نام واعلہ تھا اور اس کا بیٹا کنعان جو منافق تھا ظاہراً باپ کی خوشامد کے طور پر مسلمان تھا اور اندرونی طور پر اپنی ماں کے ساتھ ہم خیال تھا۔ ان دونو کا انجام ہلاکت ہوا۔ اور دوسری بیوی مومنہ تھی جس کے تین بیٹے تھے۔ سام۔ حام۔ یافث اس مقام پر حضرت نوح کے غرق ہونے والے بیٹے کنعان کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ان کا صلبی بیٹا تھا لیکن کفر و نفاق کی وجہ سے اہل سے خارج ہو گیا جس طرح کہ اس کے برعکس ایمان کی بدولت حضرت سلمان کو حضور نے اپنی اہل میں داخل فرما لیا۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خدا نے نوح کو اس لیے فرمایا کہ وہ تیری اہل سے نہیں ہے کیوں کہ وہ اس کے مخالف تھا اور جنہوں نے اس کی اطاعت کی ان کو اہل قرار دے دیا۔ اور بعد والے لفظ صاف بتلاتے ہیں کہ وہ اہل سے کیوں کٹ گیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت نوح کا صلبی بیٹا نہ تھا بلکہ اس کی زوجہ کا پچھلے گھر سے لڑکا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حرام زادہ تھا لیکن مذہب شیعہ کے اصول کے مطابق یہ بالکل غلط ہے کیوں کہ نبی کی بیویاں بدچلن نہیں ہوا کرتیں اور قرآن مجید میں جہاں حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویوں کے متعلق یہ ہے کہ انہوں نے خیانت کی تھی اس کا مقصد صرف امور دینیہ میں مخالفت کرنا ہے پس حضرت نوح کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ حضرت نوح کو مجنون و دیوانہ کہا کرتی تھی اور حضرت لوط کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ حضرت لوط کے ہاں آنے والے مہمانوں کی اطلاع قوم کو دیتی تھی۔ اور رازداری میں خیانت کرتی تھی پس کسی بھی نبی کی زوجات کے متعلق بدچلنی کا الزام انبیا کی ناقدر شناسی ہے اور خداوند کریم نبیوں کی ناموس کا خود محافظ ہوا کرتا ہے ہم ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے بیزار ہیں جو انبیا کی بیویوں کے متعلق بہتان و الزام عائد کریں ہاں ہم حضرت نوح و حضرت لوط کی بیویوں کو مومن نہیں سمجھتے اور اس کے قائل ہیں کہ نبی کی نبوت اس کی بیوی کی نجات کی ضمانت نہیں بن سکتی پس عذاب خداوندی سے کسی نبی کی عورت کو شوہر کی نبوت نہیں بچا سکتی پس عذاب سے بچانے والی چیز ہے نبی کی اطاعت و فرمانبرداری ساتھ ایمان کے بہر حال ان تین اقوال میں سے پہلا قول صحیح ہے اور قرآن کا ظاہر بھی اس سے موافقت رکھتا ہے۔

مسجد کوفہ کے فضائل

نکاتِ علمیہ

(۱) تنّور۔ فار یفور سے ہے جس کا معنی ہوتا ہے اُبلنا۔ کھولنا۔ جوش مارنا اور فَارَ التَّنُّوْرُ کا معنی ہوا کہ جوش مارا تنور نے لیکن تنور کے معنی میں اختلاف ہے بعض مفسّرین نے روٹیاں پکانے والا تنور مُراد لیا ہے۔ چنانچہ اس معنی کی مؤید ایک روایت بھی گذر چکی ہے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ تنور حضرت آدم علیہ السّلام کا تھا اور اس سے پانی کا اُبلنا حضرت نوح کے لیے علامت مقرر تھا کہ جب مقام غیر معروف پانی اُبلنے لگے تو جان لینا کہ عذاب کا وقت آگیا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ مقام عین الوردۃ علاقہ شام میں حضرت نوح علیہ السّلام کے گھر میں تھا اور بروایت مفضل بن عمر، امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ مسجد کوفہ کے پاس ایک بڑھیا کے گھر میں تھا جو مومنہ تھی اور اس سے پانی کا نکلنا حضرت نوح کی قوم کے لیے ایک نشانی تھی پھر اس کے بعد اوپر سے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ اور دریائے فرات میں یکبار طغیانی آگئی اور زمین کے چشمے پھوٹ پڑے۔ پس روئے زمین پر پانی ہی پانی ہوگیا۔ پس نوح اور اس کے ہمراہ کشتی میں سوار ہونے والوں کے علاوہ سب غرق ہوگئے۔ اور ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ حضرت نوح سات شبانہ روز کشتی میں ٹھہرے تھے جب مسجد کوفہ کے متعلّق پوچھا گیا تو فرمایا کہ مسجد کوفہ بہت پرانی ہے اور یہ انبیاء کی عبادت گاہ ہے شب معراج حضرت رسالت مآبؐ نے بھی یہاں نماز پڑھی تھی اور جبریل نے بتایا تھا کہ یہ آدم اور دیگر انبیا کی عبادت گاہ ہے اس کے بعد پھر آسمان کی طرف عروج فرمایا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پورے پانچ ماہ کشتی پانی کی سطح پر رہی۔ ابو عبیدہ حذاء نے امام محمّد باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ مسجد کوفہ کا وسط جنّت کے باغات میں سے ایک باغیچہ ہے اس میں ایک نماز ستر نمازوں کے برابر ہوتی ہے اور اس میں ایک ہزار ستر نبیوں نے نماز ادا کی ہے یہیں سے تنور ابلا تھا اور اسی جگہ سے کشتی روانہ ہوئی تھی اور یہی انبیاء کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ تنّور کے متعلّق دوسرا قول یہ ہے کہ مطلق زمین کی سطح کو تنور کہتے ہیں اور معنی یہ ہوگا کہ زمین سے پانی اُبلنے لگا۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ تنور کا معنی صبح ہے یعنی ادھر صبح نمودار ہوئی اور ادھر عذاب خداوندی نازل ہوا۔ اور یہ حضرت علی علیہ السّلام سے روایت کی گئی ہے اور چوتھا قول اس میں ہے کہ تنور کا معنی بلند مقام یعنی زمین کی بلندیوں سے پانی پھوٹ پڑا۔

تنبیہ بعض روایات میں مسجد کوفہ میں ایک نماز ایک ہزار نمازوں کے برابر بھی منقول ہے اور یہاں ایک نماز ستر کے برابر بتلائی گئی ہے تو ان روایات میں تنافی نہیں ہے کیونکہ یہ کثرت اور مبالغہ کی الگ الگ تعبیریں ہیں جس طرح کسی کو مبالغہ آمیز لہجہ میں تنبیہ کرنا ہو تو کہا جاتا ہے میں نے تمہیں ہزار بار سمجھایا۔ لاکھ مرتبہ بتایا یا سو دفعہ کہا پچاس دفعہ کہا۔ بیسیوں بار سمجھایا۔ وغیرہ۔ تو ایک ہی مقصد کے لیے اتنے جملے متضاد نہیں سمجھے جاتے بلکہ ان کا اور ان جیسے دیگر جملوں کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ میں نے تم کو اس قدر سمجھایا اور بتایا کہ تجھے بعد میں عذر کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ پس یہاں ثواب کے متعلّق بعض بعض مقامات پر اسی قسم کی مختلف تعبیریں صرف کثرت ثواب کو ظاہر کرنے کے لیے ہیں اور مقام کی اہمیت کو واضح کرنے کی غرض سے ہیں مقصد یہ ہے کہ اس میں اس قدر ثواب اور رضا قدر مئ پروردگار ہے جس کا تم اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ ۶ ویں جلد کے صد ۲۴ و صد ۲۵ پر گذر چکی ہے۔

ثانیاً تنور کے متعلّق بعض قدر معانی بیان کیے گئے ہیں وہ بھی سب کے سب مُراد ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ان میں بظاہر کوئی منافات

نہیں ہے۔

(۲) کشتی پر سوار ہونے والوں کی تعداد میں بہت کچھ اختلاف ہے ۸، ۱۰، ۷۲، ۷۸، ۸۰ کے اقوال ہیں بہر صورت انہیں حضرت نوح کے تین بیٹے سام، حام اور یافث اور ان کی تین بیبیاں بھی تھیں اور مجمع البیان میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی میت کو بھی کشتی میں رکھ لیا تھا اور حضرت نوح کے اپنے کنبہ کے علاوہ دوسرے مومن بھی کشتی پر سوار تھے جن کی غربت کا کافر لوگ طعنہ دیتے تھے اگرچہ ان کی تعداد کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا اور قرآن میں مَنْ اٰمَنَ کا جملہ اس پر شاہد ہے

(۳) بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا۔ یہ فیہا میں ضمیر غائب مجرور ھا سے حال واقع ہے اور کلام میں حذف کافی ہے یعنی جب تنور ابلا اور حضرت نوح علیہ السلام کو عذاب کی آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے کشتی میں ہر ایک کو سوار کیا اور فرمایا اِرْكَبُوْا فِیْهَا الخ کہ سوار ہو جاؤ اس میں درحالیکہ خدا کے نام کے ساتھ اس کی روانگی اور قیام ہوگا۔ یعنی مجری و مرسا دونو مصدر میمی ہوں گے اس صورت میں بسم اللہ ظرف ہے جو ایک فعل کے معنی کو متضمن ہے اور مجری اس ظرف کا فاعل اور محلاً مرفوع ہے۔ یعنی ثبت بسم اللہ مجریہا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بسم اللہ خبر مقدم ہو اور مجریہا مبتدا موخر ہو بہر کیف ان ہر دو ترکیب کے لحاظ سے معنی وہی ہوگا جو ابھی گذر چکا ہے چنانچہ مروی ہے کہ جب کشتی کو چلانا چاہتے تھے تو بسم اللہ مجریہا پڑھتے تھے۔ اور وہ چل پڑتی تھی اور جب روکنا اور ٹھہرانا چاہتے تھے تو بسم اللہ مرساھا پڑھتے تھے اور وہ رک جاتی تھی۔

اس جملہ کی دوسری ترکیب یوں بھی ہو سکتی ہے کہ بسم اللہ الخ حال ہو ارکبوا کے فاعل سے جو ضمیر جمع مخاطب ہے۔ یعنی اِرْكَبُوْا فِیْهَا مُتَبَرِّكِیْنَ بِسْمِ اللّٰهِ اور اس صورت میں مجریہا و مرساھا دونو مصدر میمی نہ ہوں گے، بلکہ ظرف کے صیغے ہوں گے۔ اور ارکبوا ان کا عامل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ معنی نہیں ہے کہ سوار ہو جاؤ بوقت روانگی اور بوقت قیام بلکہ ان دونو کا عامل اور متعلق وہی فعل ہوگا جس کو بسم اللہ متضمن ہے یعنی تبرک۔ پس اس صورت میں پورے جملے کا معنی یہ ہوگا کہ حضرت نوح نے فرمایا۔ سوار ہو جاؤ اس میں تبرک حاصل کرتے ہوئے اللہ کے نام سے بوقت روانگی اور بوقت قیام جیسا کہ تحت اللفظ مذکور ہے۔

(۴) لَا عَاصِمَ۔ مبنی علی الفتح ہے کیونکہ معنی حرفی کو متضمن ہے گویا سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا کوئی ہے بچانے والا عذاب خدا سے تو جواب دیا گیا کہ لَا عَاصِمَ یعنی لَیْسَ مِنْ عَاصِمٍ پس لَا عَاصِمَ کو ایک اسم بنا کر معنی مِنْ کا اس کو متضمن کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد استثناء واقع ہوا ہے اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اور اس میں تین قول ہیں (۱) مستثنا منقطع ہے یعنی کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر وہ جس پر اللہ رحم کرے گا تو وہ تو بچ جائے گا پس مستثنے منہ تھا بچانے والا اور مستثنےٰ ہوا بچنے والا اور مستثنےٰ منقطع اسی کو کہتے ہیں کہ مستثنے مستثنے منہ میں داخل نہ ہو (۲) مستثنےٰ متصل ہے اور مَنْ رَّحِمَ کا معنی راحم (خدا) ہے (۳) عاصم کا معنی معصوم ہو اور مَنْ رَّحِمَ کا معنی پہلی صورت کی طرح مَنْ رَّحِمَہٗ ہو یعنی کوئی نہ بچے گا مگر وہ جس کو اللہ بچا لے

(۶) تفسیر مجمع البیان میں ہے عرب روم اور ایران سام کی اولاد سے ہیں اور حبشی حام کی اولاد ہیں اور ترک و چین وغیرہ یافث کی اولاد ہیں۔ واللہ اعلم۔

یاارض یعنی عذاب خدا آیا اور کفار غرق ہوگئے اور زمین نے پانی کو چوس لیا جس طرح کسی کو کہا جائے کہ چوس لے۔ پس اس نے چوس لیا ہو گویا یہ امر تکوینی ہے جو زمین کی فوری اطاعت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح آسمان سے بارش بند ہوگئی۔ جس طرح کہ اس کو کہا گیا ہو کہ بارش کو روک لے پس اُس نے روک دی ہو اور یہ بھی امر تکوینی ہے کیونکہ آسمان کی اطاعت بھی اطاعت تکوینی ہے کہ وہ جب کسی شے کے متعلق ارادہ کرے کہ ہوجا تو وہ ہوجایا کرتی ہے۔ اس مقام پر زمین و آسمان کا تقابل اور اقلعی اور ابلعی کے معانی کا تقابل اور لفظی حُسن ایسے اُمور ہیں جو غیر اللہ سے قطعاً نہیں صادر ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ قریشیوں نے قرآن کے مقابلہ کے لیے تیاری کی تھی اور چالیس دن تک دماغ کے لیے طاقتور غذاؤں کا استعمال جاری رکھا تھا۔ پس جب مقابلہ کا ارادہ کیا تو یہ آیت اتری۔ پس قریش کے حوصلے پست ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کلام انسانی طاقت سے بلند ہے

وَقِيلَ يَاأَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَاسَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَ

اور کہا گیا اے زمین نگل جا اپنے پانی کو اور اے آسمان روک لے اور خشک ہوا پانی اور

قُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۵﴾

معاملہ ختم ہوا اور ٹھہر گئی جودی پر اور کہا گیا کہ ہلاکت ہے ظالم لوگوں کے لیے

وَنَادَىٰ نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو اے رب تحقیق میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ

الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ﴿۴۶﴾ قَالَ يَانُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ

حق ہے تحقیق تو محکم حکم کرنے والا ہے (اللہ نے) فرمایا اے نوح تحقیق وہ نہیں تھا

الجودی۔ مروی ہے کہ خدا نے پہاڑوں پر وحی کی کہ نوح کی کشتی کو میں کسی پہاڑ پر ٹھہراؤں گا تو سب پہاڑوں نے سر بلند کیے اور کوہ جودی نے تواضع اختیار کیا۔ پس نوح کی کشتی نے کوہ جودی پر قرار پکڑا غالباً یہ بھی امر تکوینی ملحوظ ہے اور کبر کی برائی اور تواضع کی محبوبیت کے اظہار کا انداز ہے کوہ جودی کے متعلق مروی ہے کہ وہ موصل کے علاقہ میں ایک پہاڑی ہے اور ہم نے اگرچہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔ لیکن نجف اشرف کے قیام کے دوران میں عموماً یہی سُنا کرتے تھے کہ کوہ جودی ہی پہاڑی ہے جس کے دامن میں نجف کا شہر واقع ہے اور وہ بارگاہ شاہ ولایت کے جانب قبلہ میں واقع ہے۔ واللہ اعلم۔

فَقَالَ۔ حضرت نوح علیہ السّلام کی یہ درخواست اس بنا پر تھی کہ ان کا بیٹا منافق تھا اور ظاہراً مومنوں میں داخل تھا اور خدا کا وعدہ بھی تھا کہ مومنوں کو نجات دوں گا۔ اسی بنا پر تو حضرت نوحؑ نے خدا کو اپنا وعدہ بھی جتلایا کہ تیرا وعدہ سچا ہے پس جب خدائے عالم الغیب نے یہ خبر دی کہ اس کے عمل غیر صالح تھے جن کی بنا پر وہ باوجود تیرے بیٹے ہونے کے تیری اہل سے کٹ چکا ہے لہٰذا ایسی بات کا سوال نہ کر جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو اس کے بعد حضرت نوح نے خاموشی اختیار کر لی اور بیٹے کے غرق ہونے کی

پرواہ نہ کی بلکہ اپنی طرف سے معذرت پیش کی جیسا کہ اگلی آیت میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اِنَّهٗ عَمَلٌ یہ اِنَّ پہلے اِنَّ سے بدل ہے اور مقولۂ قول ہے۔ اور ھاء ضمیر غائب کے مرجع کے متعلق اختلاف ہے جو لوگ انبیاء میں عصمت کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک ھاء ضمیر غائب کا مرجع وہ سوال ہے جو پچھلی آیت میں حضرت نوح کی بیٹے کے حق میں دعا کو متضمن ہے اب اس فقرہ کا معنی یہ ہوگا کہ تحقیق وہ تیرے اہل سے نہیں ہے اور تحقیق تیرا اس کے حق میں نجات کا سوال کرنا عمل غیر صالح ہے۔ پس حضرت نوح کو دھمکی دی گئی کہ ایسے سوال مت کیا کرو۔ پس حضرت نوح نے معذرت پیش کی اور معافی بھی مانگ لی۔

مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ

تیرے اہل سے تحقیق اس کا عمل نادرست تھا پس نہ مانگ مجھ سے وہ جو نہیں

لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۖ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٤٧﴾

تجھے اس کا علم تحقیق میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ مت ہو جاہلوں میں سے

قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۖ

کہا اے رب تحقیق پناہ لیتا ہوں تیری کہ مانگوں تجھ سے وہ جس کا مجھے علم نہیں اور

وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٤٨﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ

اگر نہ بخشے تو مجھے اور نہ رحم کرے مجھ پر تو ہونگا میں خسارہ پانیوالوں میں سے کہا گیا اے نوح

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ عقلی و نقلی دلیلوں سے ثابت ہے کہ خدا کے فرستادہ نبی و رسول معصوم ہوتے ہیں اور ہم نے اس موضوع پر تفسیر کے مقدمہ میں مفصل بحث کی ہے۔ لہذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ پس جب عصمت انبیاء مسلمات میں سے ہے۔ تو ہر وہ مقام جہاں ظاہر میں عصمتِ انبیاء سے ٹکراؤ لازم آئے وہاں روایت ہو یا آیت ہو اس کی تاویل ضروری ہوا کرتی ہے۔ لیکن وہ مقام جہاں آیت کے دو یا کئی معانی نکل سکیں اور ان میں سے کوئی عصمت انبیاء سے متصادم ہو تو ایسی صورت میں عصمت انبیاء سے ٹکرانے والے معنی کو رد کیا جائے گا اور اس معنی کا اختیار کرنا واجب ہوگا جو عصمتِ انبیاء سے تصادم یا منافات نہ رکھتا ہو۔ پس اس مقام پر ضمیر غائب کا مرجع سوال نوح بھی بن سکتا ہے اور فرزند نوح بھی بن سکتا ہے۔ لیکن پہلی صورت میں عصمتِ نوح سے منافات لاتی ہے۔ لہذا دوسری صورت کا اختیار کرنا واجب ہے پس معنی اس طرح ہوگا۔ کہ تحقیق وہ تیری اہل سے نہیں ہے اور تحقیق اس کے عمل ناشائستہ ہیں۔ باقی رہا یہ کہ بعد میں دھمکی کیوں دی گئی اور نوح نے معافی کیوں مانگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بُرے فعل سے روکنے کا موثر طریقہ یہ ہے کہ کسی بڑے کی طرف کلام کا رُخ کر دیا جاتا ہے اور چھوٹوں کو تنبیہ کی جاتی ہے حقیقۃً مقصود بڑے نہیں ہوا کرتے بلکہ چھوٹے ہی مقصود ہوا کرتے ہیں جس طرح نبی علیہ السّلام کی

طرف خطاب کرکے کہا گیا ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے اعمال باطل ہو جائیں گے۔ یہ خطاب اگرچہ نبی کو ہے۔ لیکن مراد اس سے مشرکین تک ہیں اور خطاب کو زیادہ سے زیادہ مؤثر کرنے کے لیے یہ طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے اور پھر حضرت نوح کی معذرت و معافی اسی مقصد کو اور زیادہ واضح اور مضبوط کرنے کا ایک محکم دستور ہے اور عَمَلٌ کا مضاف محذوف ہے اور یہ اس کے قائم مقام ہے۔

قِيلَ طوفان کے ختم ہونے اور پانی کے خشک ہونے کے بعد حکم ہوا کہ اب برکت و سلامتی سے اتر جاؤ اور ممکن ہے کہ حالات حاضرہ کے اعتبار سے زبان حال کی ترجمانی ہو اور مقصد یہ ہو کہ طوفان کے بعد وہ امن و سلامتی سے اتر گئے۔

اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ

اتر جا ساتھ سلامتی کے ہم سے اور برکتوں کے جو تم پر ہیں اور ان لوگوں پر جو تیرے ہمراہ ہیں۔ اور

وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ

کئی جماعتیں جن کو ہم دنیاوی نفع دیں گے پھر پہنچے گا ان کو ہم سے دردناک عذاب یہ غیب کی

اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ

خبروں میں سے جو وحی کرتے ہیں ہم تیری طرف ان کو تو نہ جانتا تھا اور نہ تیری قوم اس

مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ ع

سے پہلے پس صبر کر تحقیق انجام خیر متقی لوگوں کے لیے ہے

وَاُمَمٌ یعنی ان نجات پانے والوں کی نسل سے ہونے والی اُمتوں کو ہم ایک وقت تک دنیاوی منافع سے بہرہ اندوز ہونے کا موقعہ دیں گے۔ اور وہ جب بے شکری اور نافرمانی کو اپنا شیوہ بنائیں گے تو ان کو بھی دردناک عذاب میں گرفتار کرلیا جائے گا اور اسی طرح زمانہ گذرتا رہے گا۔

علم غیب

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ تمام انبیاء کے قرآنی واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انبیاء کے لیے علم غیب ضروری نہیں اور خدا پر واجب نہیں کہ جس کو نبی بنائے اسے علم غیب بھی عطا کر دے تاکہ یہ نتیجہ نکالا جائے کہ جو غیب کو نہ جانتا ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا اور اسی بنا پر خود جناب رسالتمآبؐ نے اپنے متعلق متعدد بار ارشاد فرمایا کہ میں غیب نہیں جانتا اور قرآن مجید میں اس کی حکایت موجود ہے اور اس آیت مجیدہ میں بھی خداوند کریم صاف ارشاد فرماتا ہے کہ یہ غیب کی باتیں ہیں ہم بذریعہ وحی آپ کو اطلاع دے رہے ہیں ورنہ اس سے قبل نہ آپ ان کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم کو ان کا پتہ تھا۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ اپنے آئمہ کو عالم الغیب کہتے ہیں وہ محض مذہب شیعہ کو بدنام کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں ورنہ مذہب شیعہ کا اس عقیدہ فاسدہ سے کوئی ربط نہیں ہے اور شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ ہے اور انبیاء و آئمہ صرف اتنا جانتے ہیں جتنا خدا ان کو علم دے البتہ تمام انبیاء سے حضرت رسالتمآبؐ علم میں زیادہ تھے اور خدا نے

maablib.org

ان کو اس قدر دیا کہ اور کسی کو نہ دیا اور باوجود علم کثیر ہونے کے یہ بفرمان خداوند عا مانگتے تھے رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا یعنی اے پروردگار مجھے زیادہ علم عطا فرما اور حضور کے بعد آپ کے اوصیاء طاہرین آئمہ معصومین علیؑ سے لے کر مہدی علیہ السلام تک ان کے علم کے صحیح وارث ہیں اور کوئی نبی یا وصی ان کے پایہ علمی تک نہیں پہنچ سکتا۔

الحاصل۔ وہ مسائل جن کا اصلاح معاشرۂ انسانی سے تعلق ہو خواہ وہ تدبیر نفس سے مرتبط ہوں یا تدبیر منزل و سیاست ملکیہ سے وابستہ ہوں۔ ان میں وہ علم کلی کے مالک تھے اور علاوہ ازیں تاریخی مسائل یا ما کان و ما یکون کے حوادث و واقعات ضروری حد تک جانتے تھے۔ حتیٰ کہ کسی سائل کے جواب میں وہ عاجز نہیں آ سکتے تھے اور خداوند کریم حسب مصلحت ان کے علم میں اضافہ فرماتا رہتا ہے اور بعض مقامات پر وقتی طور پر کسی امر کی طرف ان کا متوجہ نہ ہونا ان کے نقص کی دلیل نہیں بن سکتا بلکہ یہ ان کا تقاضائے بشری ہے اور اس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ان کا علم اللہ کا عطیہ ہے کہ وہ جب چاہے جس قدر چاہے ان کو امور غیر معلومہ کا حسب ضرورت علم عطا فرماتا ہے اور یہ اپنے علم بلکہ جملہ صفات کمالیہ میں اپنے پروردگار کے فیض کے محتاج ہیں اور اس کی عنایات پر شاکر ہیں۔

رکوع ۵

حضرت ہودؑ کا ذکر

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ

اور بھیجا (قوم) عاد کی طرف ان کے بھائی ھود کو تو اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی معبود

إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا

سوائے اس کے نہیں ہو تم مگر افترا کرنے والے اے قوم میں نہیں مانگتا تم سے اسکی اجرت

إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾ وَيَا قَوْمِ

مجھے اُجرت وہ دے گا جس نے مجھے پیدا کیا۔ کیا تم نہیں سمجھتے اور اے قوم

اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم

معافی مانگو اپنے رب سے پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ بھیجے گا بارش تم پر

أَخَاهُمْ نسب میں شریک ہونے کی وجہ سے ان کو ان کا بھائی کہا گیا اور کہتے ہیں کہ یہ قبیلہ یمن میں آباد تھا۔ آپ نے ان کو توحید کی دعوت دی۔ اور اغیار کی خدائی کو باطل اور ان کا افترا قرار دیا اور پھر معاوضہ لینے کے احتمال کی نفی کی اور خوشنودی خدا کا طریقہ یہ بتایا کہ پہلے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرو اور پھر تعلیمات اسلامیہ پر ثابت قدم ہو جاؤ اور استغفار اور توبہ کا یہی مطلب ہے اور ممکن ہے کہ یہاں ثم صرف عطف کے لیے ہو اور دونوں کا مقصد ایک ہی ہو پس استغفار کے بعد توبہ ذکر صرف تاکید کے لیے ہو۔

السَّمَآءَ یہاں سماء سے مراد بارش ہے کیونکہ وہ اُسی جانب سے آتی ہے پس مجازاً اس پر سماء کا اطلاق کیا گیا کہتے ہیں کہ وہ قحط میں مبتلا تھے پس حضرت ہود نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ایمان لائیں اور تائب ہو جائیں تو خدا بارش بھیج کر ان کو رزق فراوانی سے عطا فرمائیگا ۔

مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

متواتر اور بڑھائے گا تمہاری طاقت پر اور طاقت اور نہ منہ پھیرو مجرم بن کر

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ

کہنے لگے اے ھود تو کوئی معجزہ نہیں لایا اور ہم نہیں چھوڑیں گے اپنے خداؤں کو

قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ

تیری باتوں سے اور نہ ہم تجھ پر ایمان لاتے ہیں ہم اور کچھ نہیں کہتے مگر صرف یہ کہ

بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْۗءٌ

پکڑ لیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے بُری طرح تو آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور

مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا

تم بھی گواہ رہو کہ میں اس سے بیزار ہوں جس کا تم شرک کرتے ہو اس کے علاوہ پس مکر کرو میرے ساتھ سب پھر مجھے مہلت

تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ

نہ دو تحقیق میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی

دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾

جاندار نہیں مگر یہ کہ وہ اس کا مالک ہے تحقیق میرا رب صراط مستقیم پر ہے

مَا جِئْتَنَا آیات و معجزات کو دیکھ کر انکار کر دیا کہ تو کوئی دلیل و معجزہ نہیں لایا کیوں کہ جو چیز حضرت ہود پیش کرتے تھے وہ اس میں شبہ و شک پیدا کر کے انکار کر دیتے تھے ۔

اِعْتَرٰىكَ یعنی تو چونکہ ہمارے خداؤں کا انکار کرتا ہے ۔ لہٰذا ہمارے کسی خدا کی گرفت میں آگیا ہے ۔ پس بہکی بہکی باتیں کرتا ہے

فَكِيْدُوْنِيْ یعنی تم اپنی ہر تجویز و فریب کو استعمال کرو میں کلمۂ حق کو تمہارے پھندے میں آکر ہرگز ترک نہ کروں گا اور انبیاء کے معجزوں میں سے یہ معجزہ سب سے اہم اور واضح ہے کہ باوجودیکہ وہ تنہا ہونے کے اعلانیہ کہتے تھے کہ تم سب مل کر مجھے تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو اور وہ باوجود کمال دشمنی و عناد کے اور کثرت و اجتماع کے انبیاء کو ضرر دینے پر قادر نہ ہو سکتے تھے ۔

أَخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا[۲۲۶] - یہ ملکیت سے کنایہ ہے۔

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ[۲۲۶] یعنی وہ عادل ہے اور اس کی ہر پراز حکمت تدبیر ایک سیدھا راستہ ہے

فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ
پس اگر تم نہ مانو تو میں پہنچا چکا وہ جس کے ساتھ میں بھیجا گیا اور پیچھے لائے گا
رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
میرا رب تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو اور تم اس کو نقصان نہ دے سکو گے تحقیق میرا رب ہر شے کا نگہبان
حَفِيظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا
ہے اور جب آیا ہمارا عذاب تو ہم نے نجات دی ھود کو اور ان کو جو ایمان لائے
مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ
اس کے ساتھ اپنی رحمت کے اور ان کو ہم نے نجات دی زبردست عذاب سے اور اس قوم
عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ
عاد نے انکار کیا اپنے رب کی نشانیوں کا اور نافرمانی کی اس کے رسولوں کی اور اتباع کی ہر سرکش
جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿۵۹﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ
ظالم کے حکم کی اور پیچھے لگا دی گئی ان کے اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن
الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿۶۰﴾ ع
بھی آگاہ ہو تحقیق قوم عاد نے کفر کیا اپنے رب کا آگاہ ہو ہلاکت ہے ھود کی قوم عاد کے لیے

فَإِن تَوَلَّوْا - یہ اتمام حجت کے طور پر عذاب کی دھمکی ہے

حَفِيظٌ - یعنی بندوں کے اعمال کا نگہبان ہے تاکہ ان کو ان کے مطابق جزا یا سزا دے

نَجَّيْنَا تکرار اس لیے ہے کہ پہلے مقام پر تو ٹھہری دنیاوی عذاب سے نجات دینا مقصود ہے۔ اور دوسری جگہ قیامت کے سخت عذاب سے نجات کا وعدہ ہے

رُسُلَهُ جمع مضاف استغراق کا فائدہ دیتی ہے۔ گویا وہ تمام رسولوں کی نافرمانی کرنے والے تھے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ ایک نبی کی مخالفت کرنے والے کو تمام انبیا کا مخالف سمجھا جاتا ہے

رکوع ۶ حضرت صالح کا ذکر

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ

اور (بھیجا) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو تو اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی

إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ وَٱسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَٱسْتَغْفِرُوهُ

معبود سوائے اس کے اس نے پیدا کیا تمہیں زمین سے اور آباد کیا تمہیں اس میں پس معافی مانگو پھر

ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّى قَرِيبٌ مُّجِيبٌ (۶۱) قَالُوا۟ يَٰصَٰلِحُ قَدْ كُنتَ

رجوع کرو طرف اس کے تحقیق میرا رب قریب ہے قبول کرنیوالا ہے کہنے لگے اے صالح تحقیق تو تھا

فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَآ ۖ أَتَنْهَىٰنَآ أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَا وَإِنَّنَا

ہم میں امیدگاہ اس سے پہلے کیا تو اب روکتا ہے کہ ہم عبادت کریں ان کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے

لَفِى شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَآ إِلَيْهِ مُرِيبٍ (۶۲) قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ

باپ دادا تو ہم تیری اس دعوت سے گہرے شک میں پڑ گئے ہیں فرمایا اے قوم دیکھو اگر

إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّى وَءَاتَىٰنِى مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن

میرے پاس اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل ہو اور میرے پاس اس کی رحمت آئے تو کون

يَنصُرُنِى مِنَ ٱللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُۥ ۖ فَمَا تَزِيدُونَنِى غَيْرَ تَخْسِيرٍ (۶۳)

میری مدد کریگا اللہ سے اگر اس کی نافرمانی کروں تو تم لوگ نہیں زیادہ کر رہے ہو سوائے خسارے کے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ قوم ثمود کی رہائش وادی قریٰ میں تھی جو مدینہ اور شام کے درمیان ہے اور حضرت صالحؑ ان کی برادری میں سے تھے آپ نے اپنی دعوت میں پہلے غیر اللہ کی نفی کر کے توحید کو ثابت کیا پھر اس کے احسانات میں سے احسانِ عظیم یعنے خلعتِ وجود کا عطا کرنا یاد دلایا اور اسلام کا بنیادی اصول یہی ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے اور یہی وجہ ہے کہ انبیاء نے اپنی امتوں کو سب سے پہلے اسی طرف توجہ دلائی اور آخر میں پیدا کرنے کے بعد دیگر سہولیاتِ زندگی جو اس نے میسر فرمائی ہیں۔ کا تذکرہ فرمایا جس کو واستعمرکم کی جامعیت شامل ہے کیونکہ یہ لفظ عمارت سے یا عمر سے مشتق ہے پہلی صورت میں اس کا معنی ہو گا کہ اس نے تمہارے لیے زمین کی عمارت اور آبادکاری کی سہولتیں بہم پہنچائیں جو تمہاری بود و باش کے لیے ضروری ہیں اور دوسری صورت میں اس کا معنی یہ ہو گا کہ اس نے تمہیں لمبی لمبی عمریں عطا کی ہیں تاکہ زندگانی دنیاوی کی لذتوں سے جی بھر کر فائدہ اٹھاؤ اور کہتے ہیں کہ تین سو سے لے کر ایک ہزار سال تک ان کی عمریں تھیں۔

مَرْجُوًّا یہ رَجَا یَرْجُوْ کے باب سے اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی وہ کہنے لگے کہ ہمیں آپ سے اچھائی کی توقع اور امید تھی لیکن آپ تو خلاف توقع ہیں

اپنے خداؤں کی عبادت سے روک کر ایک نیا مذہب ایجاد کرنے لگے ہیں جس کی وجہ سے ہم آپ کے متعلق شک میں پڑ گئے ہیں ، اور مریب آیت میں شک کی صفت ہے۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا ۔ یعنی ناقہ کو برائی سے مس نہ کرو ۔ یہ ناقہ بطور معجزہ حضرت صالح کی دعا سے پتھر سے پیدا ہوئی تھی اور اس کا مفصل

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ

اور اے قوم یہ اللہ کی ناقہ تمہارے لیے نشانی ہے پس اس کو چھوڑ دو کہ کھائے زمین خدا میں

اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا

اور نہ مس کرو اس کو برائی سے ورنہ پکڑے گا تمہیں عذاب جلدی پس انہوں نے

فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ

اس کو زخمی کر ڈالا تو کہا (صالح نے) جی لو اپنے گھروں میں تین دن یہ وعدہ جھوٹا نہیں

مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہے پس جب آیا ہمارا عذاب تو ہم نے نجات دی صالح کو اور ان کو جو ایمان لائے

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

اس کے اپنی رحمت سے (عذاب سے) اور اس دن کی رسوائی سے تحقیق تیرا رب قوی

الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا

غالب ہے اور پکڑ لیا ان کو جو ظالم تھے ایک دھماکے نے تو ہو گئے وہ

فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟

اپنے گھروں میں چمٹے ہوئے گویا وہ کبھی آباد ہی نہ تھے اس میں آگاہ ہو تحقیق قوم ثمود

واقعہ سورہ اعراف پارہ ۸ میں تفسیر کی چھٹی جلد ص ۴۹ تا ص ۵۶ میں مذکور ہو چکا ہے۔ فَعَقَرُوْهَا ۔ صیغہ جمع کا ہے ، اگرچہ حضرت صالح کی ناقہ کو قتل کرنے والا ایک ہی شخص تھا ، لیکن باقی قوم چونکہ اس کے فعل شنیع پر راضی تھی لہٰذا سب کو مورد الزام قرار دے کر ان کی طرف اس فعل کی نسبت دی گئی اور عذاب میں سب کے سب ہی گرفتار کر لیے گئے ، پس مجرموں کو پناہ دینے والے یا غلط کاروں کے افعال قبیحہ پر خوش ہونے والے اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور احادیث کا مسلّمہ ہے کہ مَنْ رَضِيَ بِفِعْلِ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ یعنی جو شخص کسی قوم کے فعل سے راضی ہو تو گویا وہ خود کرنے والوں میں سے ہی شمار ہو گا اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت قائم آلِ محمدؐ تشریف لائیں گے تو دشمنانِ آلِ محمدؐ سے انتقام لیں گے کیوں کہ یہ لوگ آلِ محمدؐ پر ظلم کرنے والوں کے افعال پر راضی تھے ،

اِنَّ ثَمُوْدَا یہاں ثمود کو منصرف قرار دے کر تنوین دی گئی ہے اور آخر میں غیر منصرف قرار دیا گیا ہے۔

تحقیق انیق

جو نام قبیلہ یا حی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ان کی چند قسمیں ہیں (۱) وہ جو صرف حی کے لیے استعمال ہوں اور وہ وہ ہیں جن کے ساتھ بنو یا بنی نہ لگ سکے جیسے قریش کیونکہ بنو قریش نہیں کہا جاتا (۲) وہ جو صرف قبیلہ کے لیے استعمال ہوں جیسے تمیم، قیس اور تغلب وغیرہ اور اسم قبیلہ ہونے کی وجہ سے تمیم بنت مر قیس ابنۃ غیلان اور تغلب ابنۃ وائل کہا جاتا ہے (۳) وہ جو کبھی باپ اور حی کے لیے مستعمل ہوں اور کبھی قبیلہ کے لیے بولے جائیں جیسے ثمود پس قبیلہ کے اطلاق کے لحاظ سے نکرہ اور منصرف ہوں گے اور باپ یا حی کا علم ہونے کی حیثیت سے غیر منصرف ہوں گے لہٰذا اس قسم کے ناموں کا منصرف یا غیر منصرف پڑھنا دونوں جائز ہیں اور قرآن میں جس طرح منقول ہے اسی طرح ہی پڑھا جانا چاہیے۔

رکوع ۷

حضرت ابراہیم کا ذکر

كَفَرُوا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ (۶۸) وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ

نے کفر کیا اپنے رب کا آگاہ ہو ہلاکت ہے قوم ثمود کے لیے اور تحقیق پہنچے ہمارے فرستادے ابراہیم کے

بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ

پاس خوشخبری لے کر انہوں نے سلام کیا تو آپ نے جواب سلام کہا اور بلا توقف گاؤ بچہ کا بھونا ہوا گوشت ان

حَنِيذٍ ○ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ

کے سامنے رکھا لیکن جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے اس کی طرف تو گھبرا گئے اور ان سے ڈر محسوس

أَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ (۷۰)

کرنے لگے انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم بھیجے گئے ہیں طرف قوم لوط کے

رُسُلُنَا۔ حضرت ابراہیم کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد میں اختلاف ہے کسی نے تین بیان کیے ہیں یعنی جبریل، میکائیل، اور اسرافیل اور کسی نے چار ذکر کیے ہیں اور چوتھے کا نام کروبیل لکھا ہے۔ نیز نو اور گیارہ کے اقوال بھی ہیں اور مروی ہے کہ یہ فرشتے لڑکوں کی شکل میں تھے۔

بِالْبُشْرٰی یہ فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے اور اس میں تین قول ہیں (۱) حضرت اسحٰق کی ولادت اور اس کی نبوت اور اس کی صلب سے حضرت یعقوب کے تولد کی بشارت تھی (۲) بروایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ھاجرہ کے شکم سے حضرت اسمٰعیل کے تولد کی بشارت تھی (۳) بعض نے کہا ہے کہ حضرت لوط کی امت کے لیے عذاب کی خوشخبری تھی (مجمع البیان)

عِجْلٍ حَنِيذٍ عجل گائے کے بچے کو کہا جاتا ہے اور حنیذ کا معنی ہے بھونا ہوا اور آیت مجیدہ سے مہمان کی ضیافت میں عجلت کرنے کا درس ملتا ہے۔ اَوْجَسَ جب حضرت ابراہیم نے کھانا ان کے سامنے رکھا اور انہوں نے تناول کرنے سے انکار کیا

تو حضرت ابراہیم نے سمجھا کہ یہ کوئی خطرناک آدمی ہیں کیونکہ اس زمانہ کے دستور کے مطابق اگر کوئی کسی کے ہاں جاتا اور اس کے ہاں ضیافت کو قبول نہ کرتا تو اس سے اس نو وارد کا ڈاکو چور یا راہزن ہونا سمجھا جاتا تھا لہذا شرفاء طبقہ اگر ان کی مقاومت سے عاجز ہوتا تو ان کا خوفزدہ ہونا ایک فطری امر ہوتا تھا بنا بریں حضرت ابراہیم ان سے خوفزدہ ہوئے اور ان کی وضاحت کے بعد مطمئن ہو گئے۔

وَامْرَاَتُهٗ ان کی عورت یعنی سارہ بنت ہاران تھی جو نسبت میں آپ کی چچا زاد تھی اور بعض نے خالہ زاد لکھی ہے یہ وہاں

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ

اور اس کی عورت کھڑی تھی پس وہ ہنسی تو ہم نے اس کو خوشخبری دی اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد

اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا

یعقوب کی کہنے لگی: ہائے میں جنوں گی حالانکہ بوڑھی ہوں اور یہ

بَعْلِىْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ

میرا شوہر بھی بوڑھا ہے تحقیق یہ عجیب بات ہے انہوں نے کہا کیا تو تعجب کرتی

مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ط

ہے اللہ کے کام پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تم پر ہیں اے گھر والے

اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ

تحقیق وہ حمید و مجید ہے پس جب ختم ہوا ابراہیم کا ڈر اور اسے خوشخبری بھی مل گئی تو

پس پردہ مہمان نوازی کے فریضہ کو انجام دینے کے لیے کھڑی تھی جب خلاف توقع امور کو دیکھا تو ازراہ تعجب ہنس پڑیں خواہ اس کی وجہ ملائکہ کا کھانے سے رکنا ہو یا حضرت لوط کی قوم کے عذاب کی خبر ہو یا تولد اسحٰق کی پیشین گوئی ہو اور آخری بات زیادہ واضح معلوم ہے کیونکہ اس وقت اس کی عمر ۹۸ یا ۹۹ برس تقریباً تھی اور حضرت ابراہیم بھی سو برس کے لگ بھگ عمر رکھتے تھے اور ایک قول کے مطابق ایک سو بیس برس کے تھے بنا بریں تعجب اور ضحک کا صدور خلاف توقع نہیں تھا۔

اَهْلَ الْبَيْتِ لفظ اہل کی وضاحت اس سے قبل اسی جلد [ص۲۱۶] میں اور جلد ششم [ص۶۷] میں ہو چکی ہے مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے اور اس تحقیق کے پیش نظر حضرت سارہ کو اہل بیت کے خطاب سے یاد کرنا مطلق زوجہ کے اہل بیت ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی اس مقام پر رحمۃ اللہ الخ کا جملہ انکار تعجب کی علت ہے یعنی تعجب تو اس فعل پر کیا جاتا ہے جس کا سبب معلوم نہ ہو لیکن جس کا سبب معلوم ہو اس پر تعجب نہیں ہوا کرتا یہاں سبب معلوم ہے اور وہ یہ کہ خدا ہر شئی پر قادر ہے اور اس کی رحمتیں اور برکتیں ہر وقت تم پر نازل ہوتی رہتی ہیں لہذا تعجب کرنے کا مقام نہیں ہے اور ممکن ہے یہ جملہ دعائیہ ہو کہ اے ابراہیم کے گھر والے تم پر خدا کی رحمت و برکت نازل ہو تعجب نہ کرو۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس استعجاب کو رفع کرنے اور مزید تسکین قلب حاصل کرنے کی غرض سے سارہ نے

حضرت جبریل سے نشانی طلب کی تو اس نے ایک خشک لکڑی کو ہاتھ میں لے کر دبایا پس وہ ہری ہو گئی اور اس کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح بقدرتِ خدا ایک خشک لکڑی ہری ہو سکتی ہے اسی طرح بوڑھا انسان بھی قدرتِ خداوندی سے حالتِ شباب کی طرف پلٹ کر قابلِ اولاد ہو سکتا ہے۔

یُجَادِلُنَا یعنی جب ابراہیم سے خوف ٹل گیا اور لڑکے کی خوشخبری بھی مل گئی تو ہم سے یعنی ہمارے ملائکہ سے قوم لوط کے عذاب کے متعلق جھگڑنے لگ گئے بات یہ تھی کہ جب انہوں نے قوم لوط کے عذاب کی خبر سنائی تو حضرت ابراہیم نے دریافت کیا کہ اگر ان میں پچاس مومن ہوں تو وہ بھی مبتلائے عذاب ہو جائیں گے فرشتوں نے جواب دیا کہ نہیں پس حضرت ابراہیم تعداد کو کم کرتے گئے کہ اگر ان میں چالیس تیس بیس دس حتی کہ ایک مومن ہو تو وہ مبتلائے عذاب ہو گا تو فرشتے ہر سوال کے جواب میں نہیں کہتے رہے پس حضرت ابراہیم نے حضرت لوط کے متعلق پوچھا تو فرشتوں نے جواب دیا کہ ہمیں اس بات کا پتہ ہے اور ہم اس کو بچا لیں گے۔

جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ (۷۴) اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ

ابراہیم تحقیق متعلق لوط کے قوم ہم سے جھگڑنے لگے

لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (۷۵) يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ

حلیم آہ کرنیوالے اور توکل کرنیوالے تھے اے ابراہیم چھوڑو اس بات کو۔ تحقیق

قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ (۷۶)

تیرے رب کا فیصلہ ہو چکا ہے اور ان پر نہ ٹلنے والا عذاب آنے والا ہے

یہ خیال رہے کہ حضرت ابراہیم کی طرف جھگڑے کی نسبت دینا ان کے بار بار سوال کرنے کی بنا پر ہے۔ اگر فیصلۂ خداوندی کے انکار و ردّ کی بنا پر ہوتا تو ان کو حلیم اور منیب کے گرانقدر خطابات سے نوازا نہ جاتا آیت مجیدہ کا طرز بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم کا ملائکہ سے سوال محبوب پروردگار تھا چنانچہ حلم خوف خدا اور انابت کا ثمرہ اسے قرار دے کر مدحیہ رنگ میں بیان کیا پس بنا بریں جدال کی نسبت بھی لطف خداوندی اور عنایت الہیہ کے اظہار کی ایک تعبیر ہے جبھی تو بعد میں ارشاد ہوا یَا اِبْرَاهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ اے ابراہیم اس بات کو چھوڑیئے عذاب تو ان پر ضرور آئے گا اور وہ کسی صورت میں ٹل نہیں سکتا اور ارباب ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس لہجہ میں پیار و محبت کی کس قدر چاشنی ہے۔

انوار لطیفہ (۱) سلام کا استعمال چار معانی کے لیے ہوا کرتا ہے (۱) سَلَّمَ یُسَلِّمُ کا مصدر جس طرح کہا جاتا ہے سَلَّمْتُ سَلَامًا (۲) ایک درخت کا نام ہے چنانچہ ایک عرب شاعر نے سلام کو حرمل پر معطوف استعمال کیا ہے (۳) سلامت کی جمع سلام ہوتا ہے (۴) اللہ کا نام ہے پس جنت کو دار السلام کہنا یا تو اس لیے ہے کہ وہ ہر رنج و غم سے سلامتی کا گھر ہے اور یا اللہ کی طرف نسبت ہے جو اس کی عظمت کی دلیل ہے۔

(۲) آیت مجیدہ میں قَالُوْا سَلَامًا فرشتوں کے قول کی حکایت نہیں ہے کہ انہوں نے سَلَامًا کہا کیوں کہ یہ سلام کے مروج استعمال کے خلاف ہے بلکہ یہاں فرشتوں کے مقولہ کی نقل بالمعنی ہے جس طرح کوئی شخص مروج سلام کرتے ہوئے کہے السلام علیکم تو کہا جاتا ہے کہ اس نے سلام کہا۔ پس اسی بنا پر فرشتوں کے مقولہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہوں نے سلام کہا اور سلامًا کی نصب قالوا کے مفعول ہونے کی بنا پر ہے۔ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا میں بھی یہی توجیہ النسب ہے

(۳) قَالَ سَلَامٌ میں سلام پر نصب نہیں ہے کیوں کہ اس کا اعراب حکائی ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السّلام کے جواب کی حکایت ہے اور اس کے مرفوع ہونے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو مبتدا ہے اور اس کی خبر علیکم محذوف ہے اور یا خبر ہے اور اس کا مبتدا اَمْرِیْ یا شانی محذوف ہے۔

(۴) سلام کی تین تعبیریں ہیں (۱) نکرہ تنوین کے ساتھ یعنی سَلَامٌ علیکم اور قرآن مجید میں اس کا استعمال بکثرت موجود ہے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ۔ سَلَامٌ عَلٰى نُوْحٍ۔ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهٖ وغیرہ (۲) الف ولام کے ساتھ معرفہ کر کے اَلسَّلَامُ علیکم اور قرآن مجید میں اس کا استعمال بھی موجود ہے جیسے اَلسَّلَامُ عَلٰی (۳) سَلَامُ عَلَیْکُمْ یعنی نکرہ بغیر تنوین کے گویا کثرت استعمال کی وجہ سے تنوین کو حذف کر دیا گیا ہے پس ان میں سے افضل پہلی صورت ہے پھر دوسری۔

(۵) اکثر نحویوں کا نظریہ یہ ہے کہ نکرہ بغیر تخصیص کے مبتدا واقع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سلامٌ کو مبتدا بنانے کی صورت میں اس کی تخصیص کا بہانہ یہ تلاش کیا جاتا ہے کہ اس کی متکلم کی طرف نسبت ہے لہذا اس میں جہت اختصاص موجود ہے۔ لیکن محققین کے نزدیک اس قسم کے بہانے فضول ہیں۔ اور ان کے نزدیک ہر وہ اسم خواہ نکرہ ہو یا معرفہ مبتدا بن سکتا ہے جس کے مبتدا ہونے میں افادیت کا پہلو ہو پس اگر نکرہ کے مبتدا ہونے میں افادیت موجود ہے تو اس کا مبتدا ہونا درست ہے اور بخلاف اس کے اگر معرفہ کے مبتدا ہونے میں افادیت نہیں تو اس کا مبتدا قرار دینا ناجائز ہے سلام علیکم میں متکلم کی طرف نسبت کا بہانہ اس لیے بھی غلط ہے کہ یہ جملہ دعائیہ ہوا کرتا ہے اور اس میں مخاطب کے لیے سلامتی کی دعا ملحوظ ہوتی ہے پس افادیت کے پیش نظر اس کا مبتدا ہونا درست ہے اور یہی موقف بلاشک وشبہ قابل قبول ہے۔

(۶) ضِحک اگر ضاد کا کسرہ ہو تو اس کا معنی ہے ہنسنا اور اگر ضَحک ضاد کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے حیض اور آیت مجیدہ میں ضَحِكَتْ کے معنی میں دو تاویلیں کی گئی ہیں اور دوسری تاویل کی رو سے معنی یہ ہو گا کہ فوراً ان کا بوڑھاپا جوانی سے بدل گیا۔

(۷) یعقوب پر بعضوں نے ضمہ اور اکثر نے فتحہ پڑھا ہے ضمہ پڑھنے والے اس کو مرفوع قرار دیتے ہیں کہ یہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یا ظرف مِنْ وَّرَاءِ اِسْحٰقَ کا فاعل ہے اور جو لوگ فتحہ پڑھتے ہیں وہ اس کی تین توجیہات کرتے ہیں، ایک یہ کہ اسحٰق پر عطف ہے اور غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اس کی خبر فتحہ کے ساتھ ہے اور یہ توجیہ اس لیے ناقابل قبول ہے کہ باحرفِ جر عامل اور یعقوب مجرور معمول کے درمیان مِنْ وَّرَاءِ اِسْحٰقَ کا ناقابلِ برداشت فاصلہ ہے اور سیبویہ نے اس قسم کے عطف کو قبیح قرار دیا ہے۔ دُوسری توجیہ یہ ہے کہ عطف علے المحل ہو یعنی یعقوب کا اسحٰق کے محل پر عطف ہو اور اسحٰق چونکہ محلاً منصوب ہے لہذا یعقوب بھی منصوب ہے اور یہ توجیہ بھی سابق بیان کی روشنی میں ضعیف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں بھی فاصلہ ناقابل برداشت اور

یقیع ہے، اور اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ یعقوب منصوب ہے اور اس کا عامل فعل محذوف ہے۔ یعنی وَهَبْنَا لَهُ یَعْقُوبَ اور یہی توجیہ بہتر ہے۔

حضرت لوط کا ذکر

قصہ یہ ہے کہ وہ فرشتے حضرت ابراہیم سے رخصت ہو کر حضرت لوط کے پاس حسین وجمیل لڑکوں کی شکلوں میں پہنچے جب کہ وہ شہر کے باہر اپنی کھیتی میں موجود تھے، اور انہوں نے آتے ہی ان کے ہاں مہمان رہنے کی خواہش ظاہر کی اور حضرت لوط اپنی قوم کے کردار سے واقف تھے اور انہیں یہ خبر نہیں تھی۔ کہ یہ فرشتے ہیں پس گھبرا گئے۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ

اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس تو اس کو بُرا لگا اور ان کی وجہ سے وہ تنگدل ہوا اور کہنے لگا

هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ (۷۷) وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ

کہ یہ دن سخت ہے اور اس کی قوم اس کے پاس دوڑتی ہوئی آگئی اور پہلے سے ہی

كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ قَالَ يَا قَوْمِ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ

وہ عادی تھے برائی کے تو فرمایا کہ اے قوم یہ میری بیٹیاں زیادہ موزوں ہیں

لَكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ (۷۸)

تمہارے لیے پس اللہ سے ڈرو اور مجھے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی شریف آدمی نہیں ہے؟

سِيءَ بِهِمْ سوءٌ مصدر سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے یعنی ان کی وجہ سے کوفت میں مبتلا ہوا۔

يُهْرَعُونَ اس کا مصدر اہراع باب افعال ہے اس کا معنیٰ ہے دوڑانا۔ یعنی دوڑائے جاتے تھے مقصد یہ ہے کہ ان کے اندر بے حیائی اور غلط کاری کا جذبہ اس قدر تیز تھا کہ وہ ان کو فوراً دوڑاتے ہوئے آرہا تھا اور ہم نے اس کا مُرادی ترجمہ کر دیا ہے کہ وہ دوڑتے ہوئے آئے۔

وَمِنْ قَبْلُ آیت مجیدہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط کی بعثت سے پہلے وہ اس فعل بد کے عادی ہو چکے تھے۔

بَنَاتِي اس جگہ قوم کی لڑکیاں مُراد ہیں کیوں کہ نبی اپنی امّت کا باپ ہوا کرتا ہے، پس جس طرح امت کے لیے نبی کی ازواج مائیں ہوا کرتی ہیں اسی طرح اُمّت کی لڑکیاں نبی کی لڑکیاں کہی جا سکتی ہیں اور اس جگہ مقصد یہ ہے، کہ حضرت لوط نے بطور نصیحت کے اپنی قوم کی صحیح فعل کی طرف رہنمائی فرمائی اور لواطہ سے باز رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے اس کا نعم البدل عورتوں سے شادی کرکے ان سے مجامعت کرنے کی رغبت دلائی، پس بَنَاتِي سے حضرت لوط کی صلبی بیٹیاں مُراد لینا اور یہ کہنا کہ اس زمانہ میں مسلمان لڑکی کا کافر سے رشتہ جائز تھا یا یہ کہ نبی زادی کافر سے شادی کر سکتی تھی، سراسر غلط بلکہ انبیاء کی توہین کے مترادف ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت لوط کی صرف دو بیٹیاں تھیں، زعوراء اور ریثاء اور یہ ناممکن ہے کہ اپنی پوری امّت کے مردوں کو صرف اپنی دو لڑکیوں سے

شادی کرنے کی پیش کش کر رہے ہوں ۔ معاذ اللہ ۔ پس معلوم ہوا کہ امت کے مردوں کو امت کی لڑکیوں سے جائز طور پر نکاح کرنے کی دعوت تھی ۔

قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا

کہنے لگے تو جانتا ہے کہ ہمیں لڑکیوں کی خواہش نہیں ہے اور تجھے پتہ ہے جو ہم چاہتے

نُرِيدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿۸۰﴾

ہیں فرمایا کاش! میرے پاس تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا۔ فرشتے بولے

قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ ۖ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ

اے لوط ہم تیرے رب کے فرستادہ ہیں یہ ہرگز تیرے قریب نہ آسکیں گے پس چلے جاؤ اپنے اہل کو لے کر رات

مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا

کے حصہ میں اور تم میں کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے سوائے تیری بیوی کے کہ اس کو پہنچے گا وہ عذاب

أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا

جو ان کو پہنچے گا تحقیق عذاب کا مقرر کردہ وقت صبح ہے، کیا صبح قریب نہیں ہے؟ تو جب

جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ

آیا ہمارا امر ہم نے کر دیا ان کے اوپر کو نیچے (یعنی ان کی زمین کو الٹا دیا) اور ان پر برسائے پتھر اوپر سے

سِجِّيلٍ مَنْضُودٍ ﴿۸۲﴾ مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿۸۳﴾ ع ۷

پہلے در پہلے جو اللہ کے نزدیک معین تھے اور یہ عذاب ظالموں سے دُور نہیں ہے

مِنْ حَقٍّ چونکہ انسان کی عادت یہ ہے، کہ جس چیز کو اپنا حق سمجھتا ہے اس کی طرف رغبت کرتا ہے، اور اس کا عکس یہ ہے، کہ جس شے کی طرف رغبت کرتا ہے وہ اس کا حق ہوتا ہے۔ اور عکس نقیض اس طرح ہوگا، کہ جس میں اس کی رغبت نہیں، وہ اس کا حق ہی نہیں، اور چونکہ وہ لڑکیوں کی طرف رغبت نہیں رکھتے تھے، اسی بنا پر انہوں نے کہہ دیا کہ ہمارا ان میں کوئی حق نہیں ہے، اور مقصد یہ ہے کہ ہماری رغبت چونکہ لڑکوں میں ہے، اور تو بھی اس بات کو جانتا ہے لہذا لڑکوں کا مطالبہ ہمارا حق ہے اور اس کو ہم ہرگز نہ چھوڑیں گے تو جب حضرت لوط نے ان کے اس چیلنج کا جائزہ لیا تو بے بس انسانوں کی طرح یہ فقرے زبان سے جاری کیے کہ کاش آج میرے پاس تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی تو میں تمہیں اس جرأت کا مزہ چکھاتا اتنے میں فرشتے بول اٹھے کہ اے لوط تمہیں غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہم فرشتے ہیں اور ان لوگوں کے عذاب کا حکم لے کر آئے ہیں یہ لوگ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے ۔ پس راتوں رات اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر یہاں سے نکل جاؤ! اس طرف جبریل نے انگلی کا اشارہ کیا کہ وہ سب اندھے ہو گئے ۔

لَا یَلْتَفِتْ ۔ اس کے کئی معانی کیے گئے ہیں ۔ یہ کہ پیچھے مڑ کر کوئی نہ دیکھے یا یہ کہ اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے مال و متاع کا خیال دل میں کوئی نہ لائے یا یہ کہ پیچھے کوئی نہ رہ جائے یا یہ کہ دھماکہ سننے سے پیچھے کی کوئی پرواہ نہ کرے ۔

اِلَّا امْرَاَتَکَ ۔ یعنی تمہاری بیوی اس حکم کی خلاف ورزی کرے گی اور اپنی قوم کے ساتھ شریک عذاب ہو گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ اہل سے استثناء ہو یعنی یہ کہ سب گھر والوں کو ساتھ لے کر نکل جاؤ سوائے اپنی بیوی کے اور اہل کے معنی کی تحقیق گذر چکی ہے

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ ۔ جب حضرت لوط نے اپنی بدکار قوم کے معذب ہونے کی خبر سنی تو دریافت کیا کہ کب عذاب آئے گا ۔ تو جبریل نے جواب دیا کہ ان کے عذاب کا مقررہ وقت صبح ہے ۔ تو مروی ہے کہ حضرت لوط نے جلدی کی خواہش کی تو فرشتوں نے جواب دیا کہ صبح بھی تو قریب ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ عذاب خداوندی اپنے مقرر کردہ وقت پر ہی آتا ہے خواہ کوئی اس کی تاخیر سے دل تنگ ہی کیوں نہ ہو ۔

جَعَلْنَا عَالِيَهَا ۔ مروی ہے کہ جبریل نے اپنے پر سے ان کی زمین کے طبقہ کو اس قدر بلند کیا کہ ان کے مرغوں اور کتوں کی آوازیں اہل آسمان سنتے تھے ۔ پس وہاں سے اس کو اُلٹا کر کے پھینک دیا اور ان پر پتھر بھی برسائے گئے اور یہ چار بستیاں تھیں ۔ جن کو مؤتفکات بھی کہا گیا ہے ۔ سدوم ۔ عاموراء ۔ دوما اور صبوایم اور ان کا بڑا شہر سدوم تھا ۔ اور حضرت لوط کی رہائش اسی میں تھی ۔

سِجِّيلٍ بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ فارسی سے عربی میں منتقل ہوا ہے پس سنگ سے سجیل بنا لیا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ سجیل سے مراد آسمان اول ہے مقصد یہ ہے کہ خدا نے ان کے سروں پر ایک بادل بھیجدیا جس سے اولوں کی طرح ان پر پتھروں کی بارش ہوئی اور منضود بمعنی پے در پے کے معنی میں ہے یعنی پتھروں کی موسلا دھار بارش ان پر برسائی گئی اور مُسَوَّمَه کا معنی ہے علامت دار اور اس کی کئی تاویلیں کی گئی ہیں ۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر ایک پتھر پر اس آدمی کا نام لکھا ہوا تھا ۔ جس کے لیے وہ معین تھا ۔

وَمَا هِيَ ۔ اس لفظ سے تمام اُمت اسلامیہ کو بھی سرزنش اور تنبیہ کر دی گئی ہے کہ ہر ظلم کرنے والے کو اگر خدا چاہے تو اس عذاب سے معذب کر سکتا ہے لہذا ظالموں کو خدائی ڈھیل سے مغرور نہ ہونا چاہیے ۔

مروی ہے کہ قوم لوط کا ایک آدمی ان دنوں حرم کی حدود میں داخل تھا لہذا اس کے نام کا پتھر آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہا جب وہ حرم سے باہر آیا تو پتھر گرا ۔ اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا اور مروی ہے کہ عذاب میں گرفتار ہونے والوں کی کل تعداد چالیس لاکھ تھی (مجمع البیان) اور مروی ہے کہ حضرت لوط پر ایمان لانے والی صرف اس کی دو بیٹیاں ہی تھیں (مجمع)

چونکہ قوم لوط پر دو قسم کے عذاب آئے ایک یہ کہ ان کے طبقہ زمین کو الٹایا گیا اور دوسرا یہ کہ پتھر برسائے گئے پس ممکن ہے کہ پہلے ان پر سنگ باری ہوئی ہو اور پھر زمین کو الٹایا گیا ہو یا یہ کہ ان کے دو گروہ کر دیے گئے ہوں ایک گروہ کو ایک عذاب دیا گیا ہو اور دوسرے کو دوسرا عذاب دیا گیا ہو ۔ واللہ اعلم ۔ خداوند کریم تمام مومنین کو ایسے جرائم سے محفوظ و مصؤن رکھے ۔

رکوع ۸ حضرت شعیبؑ کا ذکر

وَاِلٰی مَدْیَنَ کہتے ہیں کہ مدین حضرت ابراہیم کا فرزند تھا اور یہ لوگ اس کی اولاد سے تھے اور حضرت شعیبؑ کی برادری میں سے تھے لہٰذا ان کو ان کا بھائی کہا گیا ہے یہ لوگ تول ناپ میں دھوکا کرتے تھے کہ دینے میں کم اور لینے میں زیادہ کر لیتے تھے پس حضرت شعیبؑ نے ان کو اس فعل بد سے روکا اور فرمایا کہ خدا کی طرف سے تم پر نعمتوں کی فراوانی ہے اور تم اچھی حالت میں ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارا یہ کردار موجب عذاب ہو کر زوال نعمت کا باعث بن جائے پس اللہ کی عبادت کرو۔ اور تول ناپ پورا رکھو اور لوگوں کے ساتھ دھوکا نہ کرو پس تول و ناپ کے منصفانہ فعل سے جو جائز نفع تمہیں ملے گا اسی میں برکت زیادہ ہوگی، اگر تم ایمان رکھتے ہو تو ایسا کرو ورنہ میں تمہارا چوکیدار نہیں ہوں۔

اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ تاویل مصدر میں ہو کر اس کا عطف ما پر ہے

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۚ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ
اور (بھیجا) قوم مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو انہوں نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی کوئی نہیں

اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّ
تمہارا کوئی معبود اس کے سوا اور نہ کم کرو ناپ اور تول کو تحقیق میں تم کو اچھی حالت

اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ
پر دیکھ رہا ہوں اور مجھے تم پر کسی سخت دن کے عذاب کا ڈر ہے اور اے قوم پورا کرو ناپ اور

وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی
تول کو انصاف سے اور نہ کم دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین

الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ
میں فسادی بن کر اللہ کی عنایت تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور

وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ
میں تمہارا پاسبان نہیں ہوں کہنے لگے اے شعیب کیا تیری نماز تجھے کہتی ہے

اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ
کہ ہم چھوڑ دیں اس کو جس کی ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے یا چھوڑ دیں وہ جو اپنے مالوں میں ہم اپنی مرضی سے

یعنی کیا تجھے نماز کہتی ہے کہ ہم ماں باپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور اپنے اموال میں جو اپنی مرضی سے تصرف کرتے ہیں اس کو ترک کر دیں۔

اِنَّكَ یہ جملہ تہکم اور استہزاء کے طور پر ہے یعنی کیا تو ہی ہم میں ایک دانا ہے اور باقی سب پاگل ہیں؟ یعنی ایسا نہیں

ہے اور مروی ہے کہ حضرت شعیبؑ نماز زیادہ پڑھتے تھے اسی لیے اس کی قوم نے اس کو نماز کا طعنہ دیا اور آج کل بھی لوگ نمازیوں کو بالعموم نماز کا ہی طعنہ دیا کرتے ہیں ایسے لوگوں کو گزشتہ اقوام کے انجام سے باخبر ہو کر عبرت حاصل کرنی چاہیے ۔

اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ

کرتے ہیں بس تو ہی دانا اور سمجھدار ہے فرمایا اے قوم کیا دیکھتے ہو کہ اگر میں اپنے

عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ

رب سے دلیل پر قائم ہوں اور عطا کرے وہ اپنی جانب سے مجھے اچھی عطا تو اسے چھوڑ دوں اور

اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ

میں خود بھی اس چیز کی مخالفت نہیں کرتا جس سے تم کو روکتا ہوں میں تو صرف اصلاح ہی چاہتا ہوں جسقدر

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿٨٨﴾ وَيٰقَوْمِ لَا

کرسکتا ہوں اور نہیں میری توفیق مگر اللہ سے اسی پر میری توکل ہے اور اسی کی طرف ہی بازگشت ہے اور اے قوم نہ حقدار

يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ

بنائے تمہیں میری مخالفت کہ پہنچے تمہیں (عذاب) جس طرح قوم نوح قوم ھود

قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾ وَ

اور قوم صالح کو پہنچا اور لوط کی قوم بھی تم سے دور نہیں اپنے

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾

رب سے بخشش طلب کرو پھر اس کی طرف رجوع کرو تحقیق میرا رب رحیم اور ودود ہے

اِنْ كُنْتُ یعنی اللہ کی جانب سے میرے پاس برہان بھی ہو اور اس کی نعمتِ نبوّت بھی مجھ کو ملی ہو تو کیا ان کی پرواہ نہ کروں اور تمہارے جذبات کے تابع ہو کر ہدایت سے کنارہ کش ہو جاؤں ، یہاں جزائے شرط محذوف ہے ۔

وَمَآ اُرِيْدُ یعنی میں ایسا نہیں ہوں کہ تم کو ایک بری چیز سے روکوں اور خود اس کو بجالاؤں ، یعنی میں تمہارے لیے وہ چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں اور اسی کا نام خیر خواہی اور اصلاح ہے ۔

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ مقصد یہ ہے کہ تمہارا میری مخالفت کرنا میرے لیے نقصان دہ نہیں بلکہ تمہارے اپنے لیے مضر ہے پس سوچ لو کہ کہیں میری عداوت تمہیں عذاب خداوندی کی طرف نہ کھینچ لے جائے ، جیسا کہ سابقہ اقوام کی تاریخ تم جانتے ہو

اسْتَغْفِرُوْا ، یعنی پہلے سابقہ گناہوں کی بخشش طلب کرو اور پھر ساتھ ہی آئندہ کے لیے اس کی اطاعت کا عزم کرو ، اور اسی ذات کی طرف رجوع کرو وہ اب بھی تم پر رحم کرنے کو تیار ہے کیونکہ وہ رحیم ہے اور اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے ۔

maablib.org

مَا نَفْقَهُ: فقہ لغت کے لحاظ سے سمجھ لینے کو کہتے ہیں۔ اگرچہ اصطلاح فقہاء میں مسائل شرعیہ فرعیہ کو ادلہ تفصیلیہ سے جاننے کا نام ہے اس مقام پر قوم شعیب کا مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ لوگ آپ کی مدلل و مبرہن گفتگو کے جواب سے عاجز ہوئے تو کہنے لگے ہمیں آپ کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں اور ہر جھوٹے اور ضدی کا جواب ہمیشہ یہی ہوا کرتا ہے اور خدا اس کو عبرت کے لیے ذکر فرماتا ہے

قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا ج

کہنے لگے اے شعیب ہم نہیں سمجھتے بہت کچھ جو تم کہتے ہو اور ہم تمکو اپنے میں کمزور سمجھتے ہیں

وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ

اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تم کو مار ڈالتے ورنہ تمہاری ہمیں کوئی پاس نہیں ہے فرمایا

يَا قَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ

اے قوم کیا میرا قبیلہ زیادہ عزت والا ہے تمہارے نزدیک اللہ سے اور اس کو تم نے اپنی پیٹھ کے

ظِهْرِيًّا ط إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٩٢﴾ وَيَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ

پیچھے ڈال دیا ہے تحقیق میرا رب احاطہ کرنیوالا ہے اس کا جو تم عمل کرتے ہو اے قوم تم اپنی جگہ کام کرو اور

مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ط سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ

میں اپنا کام کرتا ہوں عنقریب جانو گے کہ کس پر عذاب آتا ہے

يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ط وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ﴿٩٣﴾

رسوا کن عذاب اور کون جھوٹا ہے اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا ط

اور جب ہمارا امر آیا تو ہم نے شعیب کو نجات دی اور انکو جو ایمان لائے اس پر اپنی رحمت سے

لَنَرَاكَ: ان کے اس جواب میں دھمکی بھی ہے اور تکبر کا اظہار بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمیشہ کا دستور رہا ہے کہ جھوٹا طبقہ چونکہ معقول بات سے عاجز ہوتا ہے لہذا اپنی ہٹ دھرمی پر برقرار رہنے کے لیے یا تو مخاطب سے کہتا ہے کہ مجھے تیری بات سمجھ میں نہیں آتی اور یا قوت بازو پر سہارا لے کر اس کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔

ظِهْرِيًّا: کسی شے کو پیٹھ کے پیچھے ڈال لینے اور اس سے لاپرواہی برتنے کو انہی الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے حضرت شعیب علیہ السلام کا مفصل قصہ تفسیر ہذا کی چھٹی جلد ص۵ میں مذکور ہو چکا ہے۔ لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔ صبر کے ساتھ۔ فرج کا انتظار کرنا بہتر ہے۔ جیسا کہ حضرت شعیب کا

قول ہے۔ وَارْتَقِبُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ۔

وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ
اور پکڑ لیا ظالموں کو سخت آواز نے پس ہو گئے گھروں میں

جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَآ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ
چپٹے ہوئے گویا کہ کبھی آباد ہی نہیں تھے آگاہ ہو ہلاک ہوئے مدین جیسے ہلاک ہوئے

ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع۸ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾
ثمود اور تحقیق ہم نے بھیجا موسٰی کو اپنی نشانیاں اور غلبہ ظاہری دے کر

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْآ اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ
فرعون اور اس کی قوم کی طرف تو وہ پیچھے چلے حکم فرعون کے اور فرعون کا حکم ہدایت نہیں

بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ
تھا وہ آگے چلے گا اپنی قوم کے بروز قیامت اور ان کو وارد کرے گا

وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ
دوزخ میں اور وہ وارد ہونیکا برا گھاٹ ہے اور ان کے پیچھے لگائی گئی اس دنیا میں لعنت اور

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ
قیامت کے دن بھی اور یہ بری مہمانی ہے یہ گذشتہ بستیوں کی باتیں ہم

الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ
تجھ پر بیان کرتے ہیں ان میں سے کچھ باقی ہیں اور کچھ ختم ہو چکی ہیں اور ہم نے ان پر ظلم

رکوع ۹

حضرت موسٰی کا ذکر

اٰيٰتِنَا۔ یہ آیت کی جمع ہے یہاں مراد ہیں وہ نشانیاں جو غلبہ کی موجب بنیں۔ اور سلطان سے مُراد ظاہری قوت وطاقت ہے جو غلبہ کی موجب ہے لہٰذا اسی خصوصیّت کی بنا پر اس کو الگ ذکر کیا گیا ہے گویا یہ عطف خاص علی العام ہے۔

فَاَوْرَدَهُمْ چونکہ فرعون کا بمعہ اتباع کے جہنم میں جانا یقینی ہے اسی لیے صیغہ ماضی سے اس کی تعبیر کی گئی ہے کہ گویا یہ واقعہ ہو بھی چکا ہے

قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ

یعنی کچھ آباد اور کچھ برباد ہیں یا بعض کے نشان موجود اور بعض بالکل معدوم ہیں یا بعض کی مکانیت موجود اور ساکن ہلاک ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ نہ مکان باقی رہے اور نہ مکین باقی رہے۔

وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ

نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تو نہ فائدہ دیا ان کو ان کے خداؤں نے جن کو وہ پکارا کرتے تھے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ

خدا کے علاوہ کچھ بھی جب آیا تیرے رب کا عذاب اور نہ ان کو کچھ انہوں نے

غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿١٠١﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ

دیا سوائے ہلاکت کے اور اسی طرح گرفت ہے تیرے رب کی جب گرفت کرے بستیوں کو کہ وہ

ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

ظالم ہوں تحقیق اس کی گرفت سخت دردناک ہے تحقیق اس میں نشانی ہے اس کے لیے

لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ

جو عذاب آخرت سے ڈرے وہ دن جس میں جمع کیا جائے گا

النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿١٠٣﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ

سب لوگوں کو اور وہ دن حاضری کا ہوگا اور ہم اس کو نہیں ٹال رہے مگر ایک

مَّعْدُوْدٍ ﴿١٠٤﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ

مقررہ وقت تک جب آئیگا تو نہ بات کریگا کوئی نفس سوائے اس کی اجازت کے کچھ لوگ شقی اور

شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿١٠٥﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا

سعید ہونگے جو شقی ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے کہ ان کی

زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿١٠٦﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ

وہاں پر چیخ و پکار ہوگی ہمیشہ رہیں گے انہیں جب تک آسمان و

اَخَذَ الْقُرٰى مضاف محذوف ہے یعنی اہل قریٰ مقصد یہ ہے کہ اہل قریہ جب ظالم ہوتے ہیں تو خدا ان کو پکڑ لیتا ہے اور جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ خدا ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو سخت پکڑتا ہے

لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ یعنی قیامت ایک معین وقت تک مؤخر کی گئی ہے اور اس کے وقوع کی تاریخ کا سوائے پروردگار کے کسی کو علم نہیں ہے

اِلَّا بِاِذْنِهٖ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذن پروردگار سے بات کرنے والے بات کر سکیں گے لیکن ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے هٰذَا **يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ** یعنی وہ ایسا دن ہوگا کہ لوگ بول نہ سکیں گے اور ان کو اذن

بھی نہ دیا جائے گا کہ عذر خواہی کر سکیں ۔ پس ان دونو آیتوں میں تناقض لازم آتا ہے ۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کی حاضری کے مواقف بہت ہوں گے ۔ پس بعض موقف وہ ہوں گے ۔ جن میں بولنے کی قطعاً کسی کو اجازت نہ ہوگی اور بعض موقف ایسے بھی ہوں گے کہ باذن پروردگار بولا جاسکے گا ۔ اسی طرح ایک اور جگہ بھی دو آیتوں میں ظاہراً تناقض بنتا ہے ۔ کہ ایک میں فرماتا ہے لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ کہ کسی جن و انسان سے اس کے گناہ کے متعلق نہ پُوچھا جائے گا کیوں کہ اللہ کو سب کچھ معلوم ہے اور اُسے مزید تحقیق کی ضرورت ہی نہیں ہے اور دوسری میں فرماتا ہے قِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ان کو روکو کہ ان سے پوچھا جانا ہے ان دونو آیتوں میں اگرچہ ظاہراً تناقض ہے ۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جاننے کے لیے نہ پُوچھا جائے گا اور سرزنش کے طور پر پوچھا جائے گا ۔ پس دونو باتیں پوچھنا اور نہ پوچھنا درست ہیں ۔

مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ عرب لوگ چونکہ کسی شئی کا دوام اسی انداز سے بیان کرتے تھے ۔ اسی لیے ان کے محاورہ کے پیش نظر یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے ورنہ آسمان و زمین کی بقا کا زمانہ بطور تحدید کے نہیں ہے تاکہ سمجھا جائے کہ جب تک آسمان و زمین باقی رہیں گے ۔ دوزخی دوزخ میں رہیں گے اور جب آسمان و زمین فنا ہوں گے ۔ تو دوزخی بھی دوزخ سے نکل جائیں گے ۔ بہرکیف عرب محاورہ کے مطابق دوام کے معنی کو اس تعبیر سے ادا کیا گیا ہے ۔ نہ کہ تحدید ہے ۔ کیوں کہ تحدید اور خلود میں منافرت ہے ۔

وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿۱۰۸﴾

زمین باقی ہیں مگر جب خدا چاہے تحقیق تیرا خدا کرتا ہے جو چاہتا ہے

وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ

اور جو سعید ہوں گے وہ جنّت میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان

السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۖ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ﴿۱۰۹﴾

و زمین باقی ہیں مگر جو خدا چاہے ان کے انعام و اکرام کی کوئی حد نہ ہوگی ۔

إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ جنتیوں اور دوزخیوں کے دوام سے استثناء ہے یعنی جنت یا دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ۔ مگر جب خدا چاہے ۔ تو علماء نے اس مقام کو مشکلات قرآن سے قرار دیا ہے کیونکہ اپنے مقام پر مسلّم ہے کہ کافر ہمیشہ بلا استثناء جہنم میں رہے گا اور مومن ہمیشہ بلا استثناء جنّت میں رہے گا ۔ پس اس جگہ مشیت پروردگار کا استثناء اس عقیدہ سے متصادم ہے تو علمائے اعلام نے اس مقام کو حل کرنے کے لیے کافی توجیہات بیان کی ہیں ۔ لیکن میں ان میں سے انسب توجیہ یہ سمجھتا ہوں کہ آیت مجیدہ میں سعادت و شقاوت اصولی نہیں بلکہ فروعی ہے یعنی جن لوگوں کے اصول و عقائد درست

ہوں گے۔ اور اعمال میں کمزوری ہو گی تو اپنے اعمال بد کی سزا کے طور پر وہ جہنم میں جائیں گے پس شقی ہوں گے۔ اور اعمال کی سزا بھگتنے کے بعد داخل جنت ہوں گے پس سعید بن جائیں گے۔ پس ایسے شقی شقاوت عملی کی بنا پر جہنم میں جائیں گے اور انہیں چونکہ اس سزا کے میعادی ہونے کا علم نہ ہو گا لہذا وہ اپنے مقام پر دائمی سزا سمجھیں گے۔ اس بنا پر اس کو دوام و خلود سے تعبیر کیا گیا ہے اور جب مشیت پروردگار سے ان کو معافی دے کر جہنم سے نکالا جائے گا تو وہ نیک بخت و سعید ہو جائیں گے پس دوزخیوں کے لیے مشیت کا استثناء اس بنا پر ہے کہ وہ دوزخ میں اپنے زعم کے لحاظ سے ہمیشہ رہیں گے مگر جب خدا چاہے گا تو نکل آئیں گے اور جنتیوں کے لیے اس طرح درست ہو گا کہ وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے مگر وہ عرصہ جو جنت میں پہنچنے سے قبل بطور سزا کے جہنم میں گذاریں گے اور بعض روایات سے اسی توجیہ کے شواہد بھی موجود ہیں جن کے ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور ظاہراً یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو عقائد صحیحہ رکھتے ہوں لیکن گنہگار ہوں اور مرنے سے قبل توبہ بھی نہ کر سکے ہوں۔ ورنہ توبہ سے تو گناہ ختم ہو جاتے ہیں پس یہاں سعید و شقی دو گروہ نہیں بلکہ ایک ہی گروہ ہے جو ایک زمانہ میں شقی اور دوسرے زمانہ میں سعید ہو گا اور مِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ کا یہی مطلب ہے کہ اہل محشر میں ایک گروہ ہو گا جو دو وقتوں کے لحاظ سے شقی و سعید ہو گا۔ واللہ اعلم

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ

پس نہ شک میں پڑو اس سے جو پوجتے ہیں یہ لوگ یہ نہیں پوجا کرتے مگر جس طرح پوجا

اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع۹

کرتے تھے ان کے باپ دادا پہلے سے اور تحقیق ان کو ہم پورا حق دیں گے بلا کم و کاست

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

اور تحقیق ہم نے موسےٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر پہلے بات نہ ہو چکی ہوتی

رکوع نمبر ۱

اَلْكِتٰبَ ۔ یہاں کتاب سے مراد تورات ہے اور اس میں اختلاف کا مقصد یہ ہے کہ یہودیوں کے پاس جب حضرت موسےٰ کتاب لائے تھے تو ان میں سے بعض مان گئے تھے اور بعضوں نے انکار کر دیا تھا اور حضرت موسےٰ سے ان کا اختلاف کرنا قرآن میں کئی جگہ مذکور ہے اور ممکن ہے کہ حضرت موسےٰ کے بعد اس کی صداقت اور صحت کے متعلق اتفاق نہ رہا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی تحریف کے متعلق اشارہ ہو یا اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختلاف مراد ہو کہ بعضوں نے عمل کیا اور بعضوں نے نہ کیا۔ پس اس اختلاف کو معرض ذکر میں لا کر حضرت رسالت مآبؐ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کی قوم کا آپ سے اختلاف کرنا اور قرآن کو تسلیم نہ کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ اس سے قبل انبیاء سے ان کی قوموں کا یہی سلوک رہا ہے۔ چنانچہ حضرت موسےٰ جب کتاب لائے تھے

توان کی قوم بھی بگڑ گئی تھی۔

وَلَوْ لَا ۔ یعنی علم پروردگار میں قیامت کے ایک وقت مقررہ پر وقوع کا فیصلہ ہو چکا ہے اور مصلحت اسی میں ہے کہ جزا اور سزا کا وہی ایک دن ہو ورنہ اگر اس تاخیر میں مصلحت نہ ہوتی تو مومنوں کو فوراً جزا دی جاتی اور کافروں کو فوراً سزا دی جاتی جیسے کہ انسانی جذبات کا تقاضا ہے۔

اِنْ کُلًّا ۔ اس فقرہ کو چار طرح پڑھا گیا ہے (۱) اِنَّ کُلًّا لَمَا (۲) اِنْ کُلًّا لَمَا (۳) اِنَّ کُلًّا لَمَّا (۴) اِنْ کُلٌّ لَمَّا ۔ پہلی قرأت کی رو سے ترکیب صاف ہے کہ کُلًّا اسم منصوب ہے اور خبر پر لام تاکید داخل ہے یعنی لَمَا لیکن اس کے بعد فعل پر بھی لام داخل کیا گیا ہے لَیُوَفِّیَنَّهُمْ تو چونکہ ایک جگہ دو لام تاکید اکٹھے ہو گئے لہٰذا فاصلہ کے لیے درمیان میں ما زائدہ کو داخل کیا گیا۔ لَمَا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ

دوسری قرأت میں اِنْ اِنَّ کا مخفف ہے اور اس کو عمل دیا گیا ہے باقی ترکیب وہی ہے۔

تیسری قرأت میں اِنَّ کے اسم اور خبر کے درمیان لَمَّا کو داخل کرنا جو اِلَّا کے معنی میں ہے اشکال کا موجب ہے اور چوتھی قرأت میں اِنْ اِنَّ کا مخفف ہے اور اس کے اسم و خبر کے درمیان لَمَّا کا داخلہ بھی اشکال سے خالی نہیں ہے۔

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ (۱۱۰) وَاِنَّ

تیرے رب سے تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور تحقیق یہ لوگ بڑے گہرے شک میں پڑے ہیں اور تحقیق

كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۚ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۱۱۱)

ہر ایک کو پوری دے گا تیرا رب جزا اعمال کی تحقیق وہ ساتھ اس کے جو کرتے ہیں آگاہ ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ اِنَّهٗ بِمَا

پس ثابت رہو جس طرح تم کو حکم دیا گیا اور وہ جو تائب ہو کر آپ کے ہمراہ ہیں اور نہ سرکشی کرو تحقیق

فَاسْتَقِمْ ۔ استقامت سے امر کا صیغہ ہے۔ اور اس کا معنی ہے مامور بہ کا ادا کرنا اور منہی عنہ سے رکنا اس مقام پر پروردگار عالم کی طرف سے حضورؐ کو خطاب ہونا بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اپنی ڈیوٹی پر ثابت رہو کہ خود بھی عمل کرو اور لوگوں کو بھی عمل کی تبلیغ کرتے رہو اور آپؐ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بھی اس خطاب میں شریک قرار دیا گیا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ رہنے والے سب استقامت پر رہیں یعنی آپ ادائے رسالت کریں اور وہ قبول کرنیکا فریضہ ادا کریں اور استقامت کے حکم کے بعد فوراً فرمایا کہ سرکشی نہ کرو اور میری فرمائشات سے ذرہ بھر بھی ادھر ادھر نہ ہونا اور پھر سرزنش کے طور پر یہ بھی فرما دیا کہ میں غافل نہیں ہوں بلکہ تمہاری ہر بات سے آگاہ و خبردار ہوں تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ قرآن کی تمام فرمائشات میں سے یہ فرمائش حضورؐ پر نہایت سخت تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے بال کیوں

جلد سفید ہوگئے، تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ شَیَّبَتْنِی هُوْدٌ وَالْوَاقِعَة یعنی مجھے سورہ ہود اور واقعہ نے بوڑھا کردیا ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْا یعنی ظالموں کی طرف میلان نہ کرو اور چونکہ بارشاد قرآن شرک ایک بڑا ظلم ہے تو مقصد یہ ہوا کہ مشرکوں سے محبت کا رشتہ نہ رکھو اور عام ظالموں سے محبت رکھنے کی ممانعت اس آیت کا صریحی فیصلہ ہے اسی بنا پر ظالم و جابر حکومت کی ملازمت میں اشکال کیا جاتا ہے جب تک کہ مصلحت مفسدہ پر غالب نہ ہو کیونکہ ظالم حکومت کا ہر ظالمانہ فیصلہ ملازمین کے لیے قبول کرنا پڑتا ہے پس وہ ان کے ظلم میں شریک ہوجائیں گے اور جس طرح ظلم میں شریک ہونا ظلم ہے اسی طرح ظلم پر راضی ہونا بھی گناہ کبیرہ ہے اور رکون کا معنی ہے محبت خیر خواہی اور اطاعت۔ اور اسی آیت کی رُو سے جن لوگوں نے آل محمدؐ پر مظالم کا دروازہ کھولا ان کی طرف رکون و میلان بھی ظلم ہے پس ان سے محبت رکھنا اور ان کی اطاعت کرنا گناہ کبیرہ ہے، پس یہ آیت قیامت تک کے لیے ظالموں اور ظالموں کے ساتھیوں سے بچنے کا حکم دے رہی ہے۔

تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ

وہ جو تم کرتے ہو جاننے والا ہے اور نہ جھکو طرف ان کے جنہوں نے ظلم کیا ورنہ چھوئیگی تم کو آگ

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ

اور نہیں تمہارا اللہ کے علاوہ کوئی مددگار پھر تم مدد نہ کیے جاؤ گے اور قائم کر

الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ

نماز کو دن کے دونو کناروں میں اور رات کی ابتدا میں تحقیق نیکیاں ختم کرتی ہیں

السَّیِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ

گناہوں کو یہ نصیحت ہے قبول کرنیوالوں کے لیے اور صبر کر کہ تحقیق اللہ نہیں ضائع کرتا

نماز کے اوقات

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے نماز کے صرف تین وقت بتلائے ہیں کہ قائم کرو نماز کو دن کے دونوں کناروں میں (اور اس سے مراد صبح اور زوال کے بعد دو وقت ہیں) اور رات کے پہلے حصہ میں پس دن کے پہلے کنارہ میں نماز صبح اور دوسرے کنارہ میں دو نمازیں ظہر و عصر اور رات کے پہلے حصہ میں دو نمازیں مغرب و عشا ہیں گویا ان تین وقتوں میں پانچ نمازوں کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ، یہاں بھی تین وقت ہیں۔ دلوک شمس سے مراد ہے زوال کے بعد اور اس وقت میں دو نمازیں ہیں۔ ظہر و عصر اور غسق اللیل میں دو نمازیں ہیں مغرب اور عشاء اور قرآن فجر سے مراد صبح کی نماز ہے، بعض لوگوں نے دن کے دو کنارے صبح اور مغرب قرار

دیئے ہیں۔ لیکن یہ اس لیے درست نہیں ہے کہ کنارہ شی کا وہ ہوتا ہے جو اس کا حصۂ آخری ہو اور مغرب دن کا حصہ نہیں ہے پس دو کنارے صبح اور بعد از زوال کے دو وقت مراد ہیں۔ اور زلف جمع ہے زُلفَةً کی جس کا معنی ہے منزلت اور ابن عباس سے منقول ہے کہ یہاں زلف سے رات کا ابتدائی حصہ مراد ہے۔

پس قرآن مجید کی ان آیتوں کی رُو سے جب نمازوں کے اوقات تین ثابت ہوئے تو جمع بین الصلوٰتین کا مسئلہ خود بخود صاف ہوگیا کیونکہ قرآن مجید میں ظہر و عصر کے لیے الگ الگ وقت نہیں بلکہ صرف ترتیب کا فرق ہے کہ پہلے ظہر ہو اور بعد میں عصر ہو اسی طرح مغرب اور عشاء کے درمیان حد نہیں مقرر کی گئی پس ایک وقت میں دو نمازیں رکھی گئی ہیں۔ صرف ترتیب کا فرق ہے کہ پہلے مغرب ہوگی اور بعد میں عشاء ہوگی۔ اور جو لوگ قرآن پر عامل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں ان آیات کی روشنی میں جمع بین الصلوٰتین کے جواز کو قبول کر لینا چاہیے اور احادیث نبویہ میں اس مطلب کی تائید مزید بھی موجود ہے۔ چنانچہ صحاح ستہ میں صاف اور صریح روایات موجود ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ نے بغیر کسی عذر بیماری یا بارش وغیرہ کے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو اکٹھا پڑھا۔

نماز کے فضائل

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یہاں حسنات سے مراد نمازیں ہیں یعنی پانچ نمازیں درمیان میں واقع ہونے والے گناہوں کو ختم کرتی ہیں۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ نمازیں بھی پڑھتا رہے اور درمیان میں گناہ بھی کرتا رہے۔ پس نمازیں اس کے درمیانی گناہوں کو کھاتی رہیں گی۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس کے دل میں نماز کی اہمیت موجود ہوگی۔ اس کے سامنے خدا کی عظمت کا تصور ہوگا۔ پس درمیانی عرصہ میں گناہ کرنے سے اس کو شرم محسوس ہوگی کہ ابھی خدا کی بارگاہ میں کس منہ سے پیش ہونگا۔ پس یہ تصور آہستہ آہستہ اس کو گناہوں سے نجات دلا دے گا۔ اور نماز کے فحشا اور منکر سے روکنے کا بھی یہی مقصد ہے اور اسی طرح ایک حدیث ذاکرین و واعظین میں مشہور ہے کہ حُبُّ عَلِیٍّ یَاْکُلُ الذُّنُوْبَ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ کہ علی کی محبت گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح خشک لکڑی کو آگ کھا جایا کرتی ہے۔ اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ علی کی محبت رکھنے کے بعد جس قدر چاہے گناہ کرتا پھرے کیونکہ علی کی محبت ان سب کو کھا جائے گی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ علی کی محبت سے پہلے جو گناہ موجود تھے وہ ولائے علی کی بدولت ختم ہو جائیں گے اور بعد میں علی کی محبت کے ہوتے ہوئے نئے گناہ آ نہ سکیں گے۔ جس طرح آگ سے پہلے کی لکڑیوں کو آگ جلا دیتی ہے۔ اور بعد میں جب تک آگ رہے وہاں نئی لکڑی پیدا نہیں ہو سکتی اور اس قسم کی تمام احادیث و روایات کو اسی معنی پر محمول کرنا چاہیے۔ کیونکہ نیکی اور بدی کی محبت یکجا نہیں ہو سکتی اور علی کی محبت اور گناہوں کی محبت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ جس طرح لکڑی اور آگ ایک جگہ نہیں رہ سکتیں۔

(۱) بروایت واحدی ابو عثمان سے منقول ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت سلمانؓ کے ہمراہ ایک درخت کے نیچے تھا کہ سلمانؓ نے ایک خشک ٹہنی کو پکڑ کر ہلایا یہاں تک کہ اس کے پتے گر پڑے پھر فرمایا اے عثمان تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ پس میں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو سلمان نے جواب دیا کہ میں ایک مرتبہ حضرت رسالتمآبؐ کے ہمراہ

تھا اور ایک درخت کے نیچے انہوں نے بھی ایک خشک ٹہنی کو حرکت دی تھی کہ اس کے پتے گر پڑے تھے اور مجھے فرمایا تھا کہ اے سلمان! کیا تم مجھ سے پوچھتے نہیں ہو کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو میں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ پس آپ نے فرمایا تھا کہ مسلمان جب صحیح وضوء کر کے پانچ نمازوں کو ادا کرتا ہے تو اس کے وجود سے گناہ اس طرح گرتے ہیں جس طرح پتے درخت سے گرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی یہی آیت تلاوت فرمائی تھی۔

(۲) ابو امامہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسالتمآبؐ مسجد میں تشریف فرما تھے اور ہم بھی بیٹھے تھے۔ کہ ایک شخص نے آکر عرض کی حضورؐ! میں نے ایسا گناہ کیا ہے جس سے میرے اوپر حد واجب ہے۔ لہذا میں حد کی سزا برداشت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تو ہمارے ساتھ نماز میں شریک تھا تو اس نے ہاں میں جواب دیا پس آپ نے فرمایا کہ خدا نے تیرا گناہ معاف کر دیا ہے

(۳) حضرت علی علیہ السّلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ہم جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ مسجد میں نماز کی انتظار میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی حضورؐ! مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوا ہے تو آپ نے اس کی بات کو ٹال دیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو پھر اس شخص نے اپنی بات دُہرائی۔ تو آپ نے فرمایا کیا تو نے صحیح وضو کر کے ہمارے ساتھ نماز ادا نہیں کی۔ تو اس نے کہا ہاں میں نماز میں آپ کے ساتھ شریک تھا تو آپ نے فرمایا۔ بس تیرے گناہ کا کفارہ ہو گیا۔

(۴) حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جب کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا تو آپ نے پوچھا۔ کہاں سے آیا ہے؟ پھر فرمایا کہ ہاں تو یہی جواب دے گا کہ میں فلاں فلاں جگہ سے آیا ہوں نہ طلب معاش کے لیے اور نہ عمل آخرت کے لیے۔ تم اس بات کو ملحوظ رکھا کرو۔ کہ تمہارے شب و روز کس شغل میں بسر ہوتے ہیں اور یقین جانو کہ ایک فرشتہ تم پر موکل ہے جو تمہارے ہر کام کو نوٹ کرتا ہے اور جو جو باتیں تم لوگوں سے چھپاتے ہو وہ ان پر بھی مطلع ہے۔ پس شرم کیا کرو۔ کسی برائی کو چھوٹا نہ سمجھو کیونکہ ایک دن اس کا بُرا نتیجہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ اور کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ تمہاری نظروں میں وہ معمولی اور کم اہمیت کی ہو کیونکہ ایک دن وہ تمہیں سرور بخشے گی اور یقین کرو کہ انجام کے لحاظ سے نقصان دہ اور زود پشیمانی کی موجب گناہ سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے اور کسی گناہ کے تدارک کے لیے نیکی سے بڑھ کر اور کوئی علاج نہیں ہے اور بے شک نیکی بڑے سے بڑے اور پرانے بھولے بھُلائے ہوئے گناہوں کا بھی تدارک کر لیا کرتی ہے اور اس کو ختم کر دیتی ہے۔ پھر آپ نے قرآن مجید کی یہی آیت پڑھی کہ نیکیاں گناہوں کو بھگا دیتی ہیں۔

۵۔ ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہما السّلام نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت علی علیہ السّلام نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ قرآن مجید میں وہ کونسی آیت ہے جس میں سب سے زیادہ گنہ گاروں کو بخشش کی اُمید دلائی گئی پس ایک شخص نے کہا وہ آیت یہ ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ ۔ الآیۃ ۔ یعنی خدا شرک کو نہیں بخشتا اور اس کے علاوہ تمام گناہ بخش دیتا ہے جس کے چاہے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ لیکن یہ وہ آیت نہیں ہے جو میں پوچھتا ہوں

پس ایک شخص نے کہا وہ یہ ہے۔ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ الآیۃ یعنی جو برا کام کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے پھر توبہ کرے تو خدا اس کو بخش دیتا ہے آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے۔ لیکن میری مراد یہ نہیں ہے۔ پھر تیسرے آدمی نے یہ آیت پڑھی قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ یعنی کہہ دیجئے کہ اے وہ لوگ جو اپنے نفسوں پر اسراف کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ آپ نے فرمایا خوب ہے۔ لیکن یہ آیت وہ نہیں ہے پھر چوتھا بولا وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً الآیۃ یعنی وہ لوگ جو غلط کاری کے بعد پشیمان ہو جائیں۔ تو ان کی لغزش معاف کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بھی خوب ہے لیکن وہ نہیں جو میں پوچھتا ہوں۔ اس کے بعد کسی میں بولنے کی ہمّت نہ رہی تو آپ نے فرمایا اے گروہِ مسلمین کیوں خاموش ہو گئے؟ تو عرض کرنے لگے کہ اب ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ پس آپ نے فرمایا میں نے اپنے حبیب جناب رسالت مآبؐ سے سُنا ہے کہ سب سے زیادہ بخشش کے لیے پُر امید کرنے والی آیت قرآن مجید میں یہ ہے۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ الآیۃ اور آپ نے پُوری آیت پڑھی اور فرمایا اے علی! مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق بشیر نذیر کر کے مبعوث فرمایا تم میں سے کوئی آدمی جب وضو کر کے کھڑا ہوتا ہے۔ تو اس کے اعضا سے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور جب اللہ کی بارگاہ میں شرف یاب ہو کر واپس ہوتا ہے تو اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ شکمِ مادر سے پیدا ہوتا ہے اور اگر دو نمازوں کے درمیان اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو وہ بھی بخشی جاتی ہے۔ اور پھر پانچوں نمازوں کا ذکر فرمایا پھر فرمایا اے علی! میری اُمّت کے لیے پانچ نمازیں اس طرح ہیں جس طرح کسی کے گھر کے دروازہ پر نہر جاری ہو تو جب اس کے بدن پر کچھ میل موجود ہو اور روزمرہ اس نہر میں وہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر پھر بھی میل رہ سکتی ہے؟ پس بخدا پانچ نمازیں میری اُمّت کے لیے ایسی ہی ہیں۔

بہر کیف اس سے بڑھ کر نماز کی اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ بفرمانِ رسالت یہ مومن کی معراج ہے۔ اس میں انسان اپنے پروردگار سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے اور یہی انبیاء و اولیاء کی آخری وصیّت ہے۔ خداوندِ کریم تمام مومنین کو نمازی بننے کی توفیق دے۔

خلاصۃ الکلام

فَلَوْلَا اس سورہ مبارکہ میں خدا نے لوگوں کو عبادت کی دعوت دی اور پھر گذشتہ امتوں کی سرکشی اور ان کے گرفتارِ عذاب ہونے کا ذکر فرمایا اور جناب رسالت مآبؐ کو تسلّی دے کر ان کو اپنے طریق کار پر ڈٹے رہنے کی فرمائش کی۔ اس کے بعد پھر لوگوں کو بطور تذکرہ کے ارشاد فرماتا ہے کہ موردِ عذاب ہونے کے بعد قوموں سے جو افراد بچ جاتے ہیں وہ ہلاک ہونے والوں کے انجام سے عبرت پکڑ کر لوگوں کو برائی سے روکتے کیوں نہیں؟ اور اُولُوْا بَقِیَّةٍ کا معنی صاحبانِ دین، صاحبانِ برکت اور صاحبانِ تمیز بھی کیا گیا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب برائیوں سے روکنے والا کوئی نہیں ہوتا تو اکثریت اس میں ملوث ہو جاتی ہے اور پھر وہ گرفتارِ عذاب ہو جاتے ہیں۔ البتہ ان میں سے تھوڑے لوگ (انبیاء یا صالحین) انہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ لیکن ان کی مانتا کوئی نہیں۔ کیونکہ ہمیشہ اکثریتی رجحان اقلیتی

آواز کو دبائے رکھتا ہے۔ پس اگر اکثریت بُرائی سے متنفر ہوتی تو تھوڑے خود بخود رک جاتے یا اُن کو روکنا آسان ہوتا۔ لیکن جب اکثریت بُرائی کو پسند کرتی ہو تو اقلیت کی آواز پر کان ہی کوئی نہیں دھرتا اور آج کل جو کچھ ہو رہا ہے وہ عیاں را چہ بیان کا مصداق ہے

اِلَّا قَلِیْلًا یعنی ان باقی رہنے والوں میں سے تھوڑے نہی عن المنکر بھی کرتے ہیں۔ پس وہ عمومی عذاب سے بچ جاتے ہیں۔ اور اکثریت مجرمین کی ہوتی ہے اور وہ اس چیز کی اتباع کرتے ہیں۔ جس میں وہ خوش حال ہیں۔ یعنی وہ اسباب تعیش کے پیچھے چلتے ہیں

أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ

نیکی کرنے والوں کی جزا کو　　پس کیوں نہیں گذشتہ امتوں میں سے

أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا

باقی ماندہ لوگ منع کرتے زمین میں فساد کرنے سے سوائے قلیل کے

مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَ

جن کو ہم نے بچا لیا اُن میں سے اور اتباع کی ظالموں نے اس کی جس میں وہ خوشحال تھے اور

كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ

تھے وہ جرم کرنے والے　　اور نہیں تیرا رب ہلاک کرتا بستیوں کو ظلم سے جب کہ

وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ

اُن کے بسنے والے اچھے ہوں　　اور اگر چاہتا تیرا رب تو کر دیتا

وَمَا كَانَ ۔ اس کے معنی میں تین احتمال ہیں (۱) بِظُلْمٍ جار و مجرور کا متعلق لِيُهْلِكَ ہو یعنی خدا ظلم کرتے ہوئے کسی بستی والوں کو ہلاک نہیں کرتا جب کہ بستی والے اچھے ہوں (۲) جار و مجرور محذوف کے متعلق ہو کر ظرف مستقر بنے اور قری کی صفت ہو۔ یعنی خدا نہیں ہلاک کرتا کسی بستی کو جو ظالم ہو۔ یعنی مشرک ہو۔ جب کہ اس کے بسنے والے معاشرہ کے لحاظ سے اصلاح پسند ہوں۔ (۳) بائے جارہ تعلیل کے لیے ہو۔ یعنی خدا بعض افراد کے ظلم کی وجہ سے بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب کہ ان کی اکثریت نیکی پسند ہو۔

وجہ اختلاف

وَلَوْ شَاءَ ۔ یعنی اگر خدا چاہتا تو لوگ سب کے سب ایک دین پر ہوتے۔ اور ان میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوتا یعنی خدا مجبور کر کے سب لوگوں کو دیندار کر سکتا ہے۔ لیکن یہ بات اس کی مصلحت سے خارج ہے وہ چاہتا ہے کہ انسان کو عقل کامل عطا کرنے کے بعد اس کو دوزخ اور بہشت کے دونوں راستے دکھا دیے جائیں۔ پس جس طرف جانے اپنے اختیار سے جائے۔ تاکہ بہشت میں جائے، تو استحقاق پیدا کر کے اور دوزخ میں جائے

تو بھی استحقاق پیدا کر کے جائے۔

وَلَا یَزَالُوْنَ یعنی انسانوں کو فطرت ہی اس قسم کی عطا کی گئی ہے کہ ان میں اختلاف رہے گا اور عناصر اربعہ جو ایک دوسرے کی ضد ہیں ان کے مجموعہ سے پیدا ہونے والا انسان لازمی طور پر اختلاف کا شکار رہے گا کیونکہ عناصر کے اختلاط و امتزاج سے ہی مزاج بنتا ہے اس کے بعد عناصر کی اپنے مقام پر انفرادی کیفیت اور اس کے مراتب اور درجہ اختلاط اور باہمی توازن و تناسب کے الگ الگ مدارج وغیرہ کا جائزہ لینے سے مزاجوں کے باہمی اختلاف و تضاد کا سلسلہ ایک لامتناہی حد تک پہنچتا ہے اور اسی سے جذبات و خواہشات و رجحانات میں اختلاف و افتراق کا ایک غیر متناہی سلسلہ رونما ہوتا ہے کسی میں کسی خلط کی زیادتی تو دوسری کی کمی اور کسی میں اس کے برعکس پس خواص و اثرات کے لحاظ سے انسانی مزاج فطری طور پر ہی اختلاف کا شکار ہو گئے اور نفسانی رجحانات مزاجوں کے دباؤ کے تحت میں ہوتے ہیں اور ان کا باہمی تضاد نفسانی متضاد صفات کی جڑ ہے پس شرافت رذالت حیا بے حیائی خیر پسندی شر پسندی اخلاص ریاکاری متانت جدل دیانت سرکشی امانت خیانت

الناس امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین (۱۱۸) الا

لوگوں کو ایک گروہ اور ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر

من رحم ربک ولذلک خلقہم وتمت کلمۃ

جس پر تیرا رب رحم کرے اور اسی لیے ان کو پیدا کیا ہے اور پورا ہوا تیرے

ربک لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین (۱۱۹)

رب کا کلمہ کہ پر کروں گا دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے سب سے

صبر بے صبری - حوصلہ، جلد بازی تسلیم انکار عدل ظلم انصاف پسندی ہٹ دھرمی انتقام درگذر اور اچھائی و برائی کے رجحاناتِ فطریہ اسی اختلافِ امزجہ کی ہی کاشت ہیں اور دنیا میں امن و اطمینان کے سلب ہونے اور جور و ظلم کے عام ہونے کی ذمہ داری اسی اختلاف پر ہی عائد ہوتی ہے۔ پس خداوند کریم نے اپنے فضل و کرم سے انبیا بھیجے۔ جو انسانوں کو ایسی قابلِ قبول اور مبنی بر انصاف اصول زندگی کی تعلیم دیں کہ اگر تمام انسان انہی اصول کے سانچہ میں اپنے جذبات و رجحانات کو ڈھالنے پر موفق ہو جائیں تو دنیا و آخرت کی فلاح کی راہیں ان کے لیے ہموار ہو جائیں اور اس کے نتیجہ میں صفحہ ہستی امن و اطمینان کا گہوارہ بن جائے اور دنیا خود اپنے مقام پر خطۂ جنت ہو جائے۔ پس اس نے آخرت کے لیے دو منزلیں بنائیں ایک سرور و انعام جس کو جنت کا نام دیا اور دوسری منزل عذاب اور رنج و غم جس کو جہنم کا نام دیا۔ تاکہ انبیا کی تعلیم کو اپنا کر اپنے جذبات کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے والے جنت میں جائیں اور اپنے جذبات میں آوارگی کو پسند کرتے ہوئے انبیاء کی تعلیم کو ٹھکرانے والے جہنم کا ایندھن بنیں۔ پس اسی بنا پر ارشاد فرماتا ہے کہ اگر چاہتا تو سب کے سب ایک دین پر ہوتے لیکن مصلحت

خداوندی کا تقاضا یہ نہیں تھا اور یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی انعام اگر بغیر محنت و کاوش کے اور بغیر کوشش و استحقاق کے کسی کو مل جائے تو اس کی قدر و منزلت نہیں رہتی اور نہ انعام پانے والا اپنے اندر کوئی سرور بالخصوص محسوس کرتا ہے۔ لیکن بخلاف اس کے اگر محنت شاقہ اور کدوکد کے بعد اس کا حصول ہو تو وہ انعام پیارا بھی لگتا ہے اور اس کے حصول کے بعد دل ایک طرح کا سرور بھی محسوس کرتا ہے، اور پھر محنت جس قدر زیادہ ہو گی اس انعام کی قدر و منزلت میں اور دل کے سرور میں اسی قدر اضافہ ہوتا جائے گا اور جنّت چونکہ انتہائی سرور کا گھر ہے اگر ہر ایک کو مفت تقسیم کی جاتی اور استحقاق کا کوئی دخل نہ ہوتا تو اس جنّت کا حصول قطعاً موجب سرور نہ ہوتا۔ پس مصلحت ایزدی اسی میں ہے کہ اپنے اختیار سے انسان استحقاق پیدا کر کے جنّت کی نعمت کو حاصل کرے اور اسی لیے مجبور کر کے تمام انسانوں کو دین کا پابند کرنا گوارا نہ فرمایا۔

پس اسی بنا پر فرماتا ہے کہ لوگوں میں اختلاف کا باقی رہنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ چیز اختلاط عناصر متضادہ کی فطری پیداوار ہے، مگر جن لوگوں پر اللہ کا رحم و کرم ہو اور خدا کی توفیق ان کے شامل حال ہو تو وہ اپنے جذبات و رجحانات پر قابو پالیں گے۔ اور اپنے کردار و عمل کو انبیاء کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال کر دنیوی و اُخروی فلاح حاصل کرتے رہیں گے چنانچہ اسی بنا پر فرمایا اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ یعنی جس پر پروردگار کا رحم ہو گا وہ اس اختلافِ فطری کے نتائج بد سے محفوظ رہ سکے گا۔ یہاں پر ایک اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ جب رجحانات و میلانات کا اختلاف فطری ہے اور اس کے نتیجۂ بد سے وہی بچ سکتا ہے جس پر اللہ رحم و کرم کرے تو گویا جو نہ بچ سکے وہ وہی ہوئے جن پر اللہ نے رحم و کرم نہ کیا پس بات وہیں کی وہیں رہی، اختیار اور عدم اختیار کا فرق ہی ختم ہو گیا، تو اس شبہ کو خداوند کریم نے خود ہی رد فرما دیا، چنانچہ فرمایا وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ کہ میں نے تو تمام انسانوں کو پیدا ہی رحم و کرم کے لیے کیا ہے اسی لیے تو اختلافِ فطری کے بعد ان کو بے مہار اور بے لگام نہیں چھوڑا، بلکہ انبیاء و رسل بھیجے، کتب و صحائف نازل کیے، براہین و معجزات سے رہنمائی کی اور یہ سب رحم و کرم کے ہی نتائج ہیں، پس جن لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھا کر اپنی طبائع پر کنٹرول کر لیا تو کامیاب ہو گئے اور جن لوگوں نے اپنی تعیش مزاجی اور آوارگی کو انبیاء کی تعلیمات کتب و صحائف کے نصائح اور معجزات و دلائل کی توضیحات کے بعد بھی کنٹرول کرنے کی بجائے بد لگام اور بے مہار رکھنا پسند کیا وہ مستحق عذاب ابدی و لعنت دائمی ہوئے، گویا انہوں نے اللہ کے رحم اور اس کے فضل کو خود ٹھکرایا، جس طرح ایک دوا بیماروں کے لیے موجب شفا ہے، لیکن بالفعل شفا وہی حاصل کرے گا جو اس کو استعمال کرے گا، لیکن جو بیمار اپنی طبیعت پر کنٹرول نہ کرتے ہوئے دوا کو ضائع کر دے اور شفا حاصل ہونے کی بجائے وہ موت کا شکار ہو جائے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دوا اس کے لیے رحمت نہ تھی، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ دوا رحمت تھی، لیکن اس نے اس کو ٹھکرایا، پس موت کا مستحق ہوا۔

سوال لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ کا معنی اگر یہ ہو کہ ان کو رحمت کے لیے پیدا کیا ہے تو لذالک کی بجائے لِتِلْكَ ہونا چاہیے تھا کیونکہ رحمت مونث ہے اور ذٰلِكَ اشارہ مذکر کے لیے ہوتا ہے۔

جواب ۔ رحمت مونث غیر حقیقی ہے اور مذکر ہونے کی صورت میں اس کا معنی تفضل و اکرام کا ہوا کرتا ہے اور قرآن میں اس کے مذکر قرار دیے جانے کے شواہد موجود ہیں چنانچہ ارشاد قدرت ہے ۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ ۔
وَكُلًّا نَّقُصُّ ۔ یعنی انبیاء کے قصے قرآن مجید میں صرف وقت گذارنے اور تاریخی بیان دہرانے کے لیے نہیں ہیں ۔ بلکہ حضور کے لیے ان کا فائدہ یہ ہے کہ امور تبلیغ میں بلا جھجک اور بلا خوف تردید آگے بڑھتے جائیں اور ان کا حوصلہ بلند رہے ۔ اور اُمّت کے لیے فائدہ یہ ہے ۔ کہ ان کو نصیحت اور عبرت حاصل ہو اور گذشتہ اُمّتوں پر انعامات ان کی نیک اعمالی کے جذبہ کو تیز کر دیں اور ان کے عذاب کے تذکرے ان کو اعمال زشت سے روکنے میں ممد و معاون ثابت ہوں۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ

اور سب بیان کرتے ہیں ہم تجھ پر رسولوں کی خبریں کہ مضبوط کریں اس سے تیرے دل کو

وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ (۱۱۲)

اور آیا ہے تیرے پاس اس میں حق اور وعظ و نصیحت مومنوں کے لیے

وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ (۱۱۳)

کہہ دو ان کو جو نہیں ایمان لاتے تم اپنی جگہ کام کرو اور ہم اپنا کام کرتے ہیں

وَانتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ (۱۱۴) وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ

اور انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں اور اللہ کے لیے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا اور اسی کی طرف

يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (۱۱۵)

بازگشت ہے ہر شئی کی پس اس کی عبادت کرو اور اس پہ توکل کر اور تیرا رب تمہارے عمل سے غافل نہیں۔

مسئلہ علم غیب

لِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ آیت مجیدہ کے معنی میں تین احتمال ہیں (۱) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ غائب ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے (۲) آسمانوں اور زمین کے کل خزانے اللہ کی ملکیت ہیں (۳) علم غیب صرف اللہ کے لیے مختص ہے خواہ آسمانوں سے متعلق ہو یا زمین سے۔

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں (۱) علم مستفاد (۲) علم ذاتی پس دوسری قسم خدا کے لیے مخصوص ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور جو اس صفت میں اللہ کا کسی کو شریک قرار دے وہ مشرک و کافر ہے لیکن پہلی قسم یعنی علم غیب مستفاد وہ انبیاء و ائمہ کے پاس ہوتا ہے جتنا کہ خدا ان کو عطا فرمائے اور عوام بھی اس کو جان سکتے ہیں جتنا کہ نبی و امام ان کو عطا فرمائیں جیسے جنّت دوزخ اور برزخ وغیرہ کے حالات علّامہ طبرسی اعلی اللہ مقامہ نے اس مقام پر ذکر فرمایا ہے کہ بعض متعصب مزاج جن کا شیعہ امامیہ پر طعن و تشنیع شیوہ بن چکا ہے اس نے اس مقام پر شیعہ امامیہ کے پاکدامن

پر اپنے بغض و عناد کا کیچڑ اچھالتے ہوئے اسے داغدار کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے وہ کہتا ہے آیت سے صاف ظاہر ہے کہ علم غیب اللہ کا خاصہ ہے اور رافضی لوگ جو آئمہ کی طرف علم غیب منسوب کرتے ہیں وہ اس آیت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اس قول کے نقل کرنے کے بعد علامہ موصوف نے اس کا جواب تحریر فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔ کہ علم غیب سے مراد یہ ہے کہ ذاتی طور پر جمیع معلومات کا علم رکھے بغیر علم مستفاد کے اور یہ صرف اللہ کا خاصہ ہے اور مخلوق میں سے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور جو اس صفت میں اللہ کا کسی کو شریک جانے وہ ملت اسلام سے خارج ہے۔ لیکن جو غیب کی خبریں آئمہ سے منقول ہیں، وہ سب علم مستفاد ہیں کہ انہوں نے رسالت مآبؐ سے حاصل کیا اور ان کو اللہ نے اطلاع دی اور اس کو علم غیب کہنا درست نہیں ہے پھر انہوں نے آئمہ طاہرینؑ کی بعض پیشین گوئیاں نقل فرمائیں جن کو علم غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ علم مستفاد ہیں۔

(۱) حضرت امیر المومنین عؑ نے مروان کے متعلق فرمایا کہ اس کو حکومت ملے گی۔ جس طرح کتا اپنی ناک کو چاٹتا ہے، یعنی اس کی حکومت کی مدت بہت کم ہوگی اور اس کے چار بیٹے بھی بادشاہ ہوں گے۔ اور امت کو اس کی اور اس کی اولاد کی بدولت سرخ موت دیکھنی نصیب ہوگی۔

(۲) امام جعفر صادق علیہ السلام نے عبداللہ بن حسن سے فرمایا تھا کہ حکومت تیرے لیے نہیں اور نہ تیری اولاد اسے پا سکے گی اور فرمایا کہ تیرے دونو فرزند منصور کے ہاتھوں قتل کیے جائیں گے اور اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔

(۳) امام رضا علیہ السلام نے اپنی دونو انگلیوں کو ملا کر فرمایا تھا۔ کہ میری اور ہارون کی قبریں اس طرح اکٹھی ہوں گی

(۴) ابو حبیب نباجی کو جب آپ نے ایک مٹھی خرما کی دی تھی اور اس نے زیادہ کا مطالبہ کیا تھا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا۔ کہ اگر میرے نانا جناب رسالت مآبؐ نے زیادہ دی ہوتی۔ تو میں بھی زیادہ دیتا (اور اس شخص کو خواب میں جناب رسالت مآبؐ کی زیارت ہوئی تھی۔ اور آپ نے اسے ایک مٹھی خرما عطا فرمائی تھی اور امام عالی مقام اسی طرف اشارہ فرما رہے تھے)

اس قسم کی بہت سی خبریں آئمہ اطہار سے منقول ہیں اور ان کو علم غیب اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ علم جناب رسالت مآبؐ سے مستفاد تھا۔ اور آپ کا علم خداوند کریم کی طرف سے بذریعہ وحی مستفاد تھا۔ پس خدا جس کو جس قدر علم عطا فرمائے۔ وہ عالم الغیب نہیں بن جایا کرتا۔ اور جناب رسالت مآبؐ کو اور اس کے بعد آئمہ طاہرین کو خدا نے تمام مخلوق میں سے زیادہ علم عطا فرمایا اور باوجود اس کے یہ بھی تعلیم ساتھ ساتھ دی کہ دعا مانگا کرو۔ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا، پس جب محمد و آلِ محمد علم کی زیادتی کی پروردگار سے دعا مانگتے ہیں تو عالم الغیب کیسے ہوگئے۔ اور ذاتی طور پر عالم الغیب ہونا صرف خدا کا خاصہ ہے، اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور یہی شیعہ کا ایمان ہے، اور خدا کا عطا کردہ علم محمد و آل محمدؐ سے زیادہ کسی کے پاس نہیں ہے، اور اس کے جاننے سے ان کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا، پس سورہ ہود کی تفسیر ختم ہوئی، اور یہیں ساتویں جلد کا اختتام ہے، اور آٹھویں جلد سورہ یوسفؑ

۲۸ صفر ۸۴ھ مطابق ۱۵ جون ۶۴ء شام پونے پانچ بجے بروز ہفتہ امام بارگاہ ایبٹ آباد میں شروع ہوگی۔

دورِ حاضر میں علماءِ اعلام کیخلاف ہنگامہ

اس گئے گذرے زمانہ میں جب کہ جہالت علم کے لباس میں ظاہر ہو کر دولت دانش و خرد پر اپنی گرفت کو مضبوط کر رہی ہے۔ لادینیت دین بلکہ تقدس کا لباس پہن کر قرآن واحادیث کے مضامین کو اپنے تصرف میں لانے کے لیے بیتاب ہے۔ رذالت نے شرافت کا لبادہ اوڑھ کر ہر شریف کی پگڑی اچھالنا اپنا کمال بلکہ فتح و کامیابی تصور کیا ہوا ہے۔ اور فرعونیت موسوی رنگ میں سادہ لوح انسانوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنی معصومیت کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہے۔ غرضیکہ دین و مذہب سے آزادی کا تصور ہمہ گیر طوفان بن کر صفحۂ عالم پر چھایا جا رہا ہے۔ اُدھر مغربیت سے اٹھتی ہوئی بے غیرتی اور بے حیائی کا منحوس عقاب اپنے پر و بال پھیلاتے ہُوئے دین و مذہب کے پرستاروں کے سروں پر پھڑپھڑا کر اس کو مرعوب کرنے میں ہمہ تن کوشاں ہے۔

بالخصوص مذہب شیعہ پر یہ دور اس لیے بھی سخت ہے کہ آئے دن کی علماء پر پابندیاں عزاداری کی آزادی میں رخنہ اندازیاں تقریروں اور تحریروں پر بے جا نکتہ چینیاں اور شیعہ مذہب کی مذہبی خصوصیات کو دل آزار کہہ کر تحریروں کی ضبطیاں اور تقریروں پر زبان بندیاں ایسا عام دستور بن گیا ہے کہ اب ان پر آواز اُٹھانے کی جرأتیں بھی مسلوب ہو چکی ہیں۔ ادھر مدارس میں شیعہ جداگانہ نصاب دینیات کو معرض التوا میں دیکھ کر شیعہ بچوں کی ذہنیت کی تباہی اور ان کے مستقبل کی تاریکی کا فکر ہر حساس ذہن کے لیے مسئلہ مشکلہ بلکہ عقدۂ لاینحل بنا ہوا ہے۔

پس ایسے روح فرسا اور ہوش ربا حالات میں ان چند مدارس دینیہ کا وجود غنیمت تھا۔ جو انگلیوں پر گنے جاتے ہیں۔ اور ان علماءِ اعلام کا قوم کے سروں پر سایہ پروردگار کی جانب سے ظلِ رحمت تھا (خدا اسے قائم و دائم رکھے) جو ظاہری عیش و عشرت اور رنگ رلیوں سے بے نیاز ہو کر قوم کے بچوں کو معالم دینیہ اور مطالب فقہیہ مسائل کلامیہ اور حقائق اصولیہ و فروعیہ کی تعلیم دے کر ان کو قعرِ ضلالت اور نشیب جہالت سے نکال کر اوج ہدایت اور رفعت معرفت سے ہمکنار کرنے کے لیے اپنی زندگانیاں وقف کیے ہوئے ہیں۔ صرف قوت لایموت پر بسر اوقات کر کے صبر و رضا اور شکر پروردگار ان کا دستور زندگی ہے حتیٰ کہ جہاں ایک جاہل ذاکر اور بے علم واعظ منبر پر اِدھر اُدھر کی چند بے تکیاں اڑاتے ہوئے سامنے بیٹھے ہوئے عوام کی اکثریت کے جذبات سے کھیل کر صرف ایک گھنٹہ یا اس سے کم و بیش مختصر وقت کا اچھا خاصہ معاوضہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا وہاں علوم آلِ محمد اور اس کے مقدمات کی تدریس پر گھنٹے ٹیکے ہُوئے اپنے دماغ اور ذہن کا عرق نچوڑ کر قوم کے نونہالوں کو زیور علم و معرفت سے آراستہ کر کے قوم کی بنیادی اور ٹھوس خدمت کے باوجود یہ علماء ایک پورے مہینے کی خدمت کے بعد اس سے کم معاوضہ پر راضی ہو کر گذر اوقات کرنا فخر محسوس کرتے ہیں۔

لیکن اس سے زیادہ احسان فراموشی اور محسن کشی اور کیا ہوگی کہ قوم کی اکثریت ایسے علما کے وجود کو بار گراں سمجھنے لگی ہے۔ اور

درحقیقت علم کے لباس میں جہالت کے تاجداروں اور دین کے لباس میں لادینیت کے پرستاروں کی ہنگامہ آرائی کا یہ تلخ نتیجہ ہے جو جاہل مدتوں سے علم کا لباس پہن کر عوام کو جہالت کی تاریکی میں رکھتے ہوئے صرف زبانی داد ہو سے ان کو خوش کر کے اور ان کی بداعمالیوں کے باوجود بخشش خداوندی کا ٹھیکہ دار بن کر ان کو جنت کی سستی ٹکٹیں دے کر پیسے بٹورنے کے عادی تھے ان کے لیے اس تاریک خطے میں علم کی روشن قندیلیں خیرہ کن تھیں وہ اس تاریکی کو روشنی کا نام دے کر اور ظلمت کو نور کہہ کر یا بلے دینی کو دین کا لبادہ اڑھا کر جیب تراشی کو مآل زندگی سمجھتے تھے اس لیے مدارس دینیہ کا وجود اور حق گو علماء کی آمد ان کے لیے جاءالحق وزھق الباطل کی پیشین گوئی کا اعلان تھی لہذا انہوں نے حرکت مذبوحی کے طور پر ہاتھ پیر مارنے شروع کیے اور اپنے وقار و اقتدار کی حفاظت کی خاطر دین و مذہب اور قرآن و شریعت کی مضبوط حصاروں کو پھاند کر آپے سے باہر ہو گئے پس علماء اعلام کے ساتھ انہوں نے علوم آلِ محمد کے خلاف بھی علم بغاوت بلند کر دیا وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ قوم ہمارے کرتوتوں سے واقف ہے وہ کسی طرح حق کے مقابلہ میں باطل کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہو گی۔ ہزاروں کھیل کھیلے لاکھوں جتن کیے کبھی کسی مسئلہ پر اشکال کیا۔ کسی وقت کوئی من گھڑت مقولہ ان کی جانب منسوب کیا کسی وقت ان کے کسی قول یا فعل کو غلط رنگ میں پیش کیا بہر کیف عوام کو علماء کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کرنے کے بہت حیلے بہانے بنائے۔ لیکن سب کے سب ناکام ثابت ہوئے اب انہوں نے ایک مہلک حربہ تلاش کیا جس کی ان کے نزدیک بڑی اہمیت ہے لیکن میں اسے بلبلۂ آبی سے زیادہ وقعت نہیں دیتا اور وہ یہ کہ علمائے اعلام کو وہابی کہا جائے اور عوام کو یہ باور کرا دیا جائے کہ مدارس دینیہ گمراہی کی تربیت گاہیں ہیں اور تدریس کرنے والے علما شیعیت کے لباس میں وہابیت کے مروج ہیں اور اس سلسلے میں ایسے کافی عوام منسلک ہو گئے ہیں جو پہلے سے ہی تقلید کو ایک ناقابلِ برداشت بھار خیال کرتے تھے اور علما کی توہین و تذلیل ان کا محبوب مشغلہ تھا اور ذاکرین میں سے جن کے دل ایمان و دین کے نقوش سے خالی تھے ان میں اس تحریک نے کافی حد تک مقبولیت حاصل کر لی کیوں کہ وہ پہلے سے ہی عزاداری میں اصلاح کے علمبرداروں کے دل سے مخالف تھے وہ چاہتے تھے کہ حسینی منبر پر ہر قسم کی دھاندلی برداشت کی جائے۔ ریش تراشی۔ بھنگ اور شراب نوشی غناشعاری اور زناکاری بلکہ شریعت مصطفوی کی ہر لحاظ سے حدود شکنی کے باوجود انہیں کوئی فاسق کہنے والا نہ ہو بلکہ ذاکر حسین سمجھتے ہوئے ان کی ہر حرکت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے یہ لوگ مومنین کے لیے ان کی عزت و مال بلکہ دین و ایمان کے ڈاکو بنے ہوئے تھے اور ہمیشہ چور اور ڈاکو کو تاریک فضا محبوب ہوا کرتی ہے وہ روشنی کا دل سے دشمن ہوا کرتا ہے ویسے بھی فطرتاً جی ہاں کرنے والے پیارے لگتے ہیں اور ٹوکنے والوں کو کوئی نہیں چاہتا۔ انبیاء معصومین انتہائی مخلص و خیر خواہ ہونے کے باوجود عوام کی نظروں میں بدنام صرف اس لیے ہوا کرتے تھے کہ وہ غلطیوں پر ٹوکتے تھے۔ اور ہمیشہ انبیاء و آئمہ کے دشمن وہی لوگ ہوا کرتے تھے۔ جن کو اپنا ظاہری وقار معرض خطر میں نظر آتا تھا اور جن کے حلوے مانڈے انبیاء کی دعوت کی مقبولیت کے بعد ختم ہوا چاہتے تھے پس وہ لوگ عوام کو آلہ کار بنا کر اپنی مطلب براری کے لیے انبیاء و آئمہ کے خلاف کیچڑ اچھال کر ان کو ہر ممکن طریق سے بدنام کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ عوام کے جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہدایت کے ستونوں کو گرا کر اپنا راستہ ہموار کیا جائے دور حاضر بعینہٖ وہی منظر پیش کر رہا ہے۔ کہ جہالت کی تاریکی میں قوم کی جیب تراشی کے عادی انوار علمیہ کی روز افزوں پھیلتی ہوئی امید افزا شعاعوں سے گھبرا کر اس قسم کے رذیل ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں۔ لیکن

انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ حق کی آواز اہل باطل کی ہنگامہ آرائیوں سے دبائی نہیں جا سکتی آخر جہالت کا پردہ چاک ہوگا اور علم کا بول بالا ہوگا۔ قوم میں منصف مزاج افراد کی کمی نہیں ایسے لوگ ابھی تک موجود ہیں جو صرف جبہ و دستار سے مرعوب نہیں ہوتے بلکہ حق کی دوربینوں سے حقائق کا جائزہ لینا جانتے ہیں۔

علماء کو وہابی کہہ کر منبر حسینی کو کھلونا بنانے کا طریقہ زیادہ دیر تک برداشت نہیں کیا جائیگا اور علماء کو بدنام کر کے سیرت آئمہ سے بیگانگی اور مسائل شرعیہ سے سرکشی کا کھیل اب نہیں کھیلا جا سکے گا ہمارے عوام کے دلوں میں ولائے علی کا فانوس روشن ہے وہ نادیدہ ذہن نہیں رکھتے بلکہ ان میں غور و فکر کی صلاحیتیں موجود ہیں علمائے اعلام پر کیچڑ اچھالنے والوں نے اب ان لوگوں کو جگا دیا ہے تاکہ وہ حق و باطل کا جائزہ لینے کے لیے تیار ہو کر غداروں اور مکاروں سے ہوشیار رہ سکیں علماء کا کردار بھی ان کے سامنے ہے اور منبر پر عوام کی ہاں میں ہاں ملانے والے اور ان کو گناہوں پر جرات دلانے والے بہشت کے ٹھیکہ داروں کے کرتوت بھی قوم کے سامنے ہیں' انشاء اللہ حق کی آواز صفحہ ہستی پر گونج کر رہے گی۔

عقائد علمائے شیعہ علماء کو وہابی کہنے والی جماعت جن جن مسائل کو ہوا دیکر عوام کے جذبات سے کھیل رہی ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) حاضر و ناظر ہونا:۔ یہ لوگ عوام کو علماء سے بدظن کرنے کیلیے کہتے ہیں کہ دیکھو علماء مدرسین ائمہ طاہرین کو حاضر و ناظر نہیں مانتے لہذا وہ وہابی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہونا اللہ سبحانہ کا خاصہ ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کی شان ہے **هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ۔ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ** وہ ہر شئی کو جاننے والا۔ ہر شئی پر احاطہ رکھنے والا اور اس سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز اوجھل نہیں خواہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں، وغیرہ۔

محمدؐ و آل محمدؐ کو جتنے وقت میں جتنے مقامات پر حاضر ہونے کی اللہ طاقت دے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے لیکن اگر ان کو اللہ کی طرح ہر وقت ہر جگہ حاضر و موجود مانا جائے تو تمام اسلامی تاریخ بلکہ مذہب سے بھی دست برداری لازم آئے گی کیونکہ حضرت محمد مصطفےٰؐ کو حاضر و ناظر کے عقیدہ کی رو سے مکی یا مدنی یا عربی کہنا بے جا ہوگا کیونکہ اس اعتبار سے ہندی پاکستانی ایرانی عراقی روسی چینی امریکی افریقی و برطانوی وغیرہ سب کچھ ہونگے کیونکہ حاضر و ناظر کا اختصاص کسی خاص مکان سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر جائی ہوا کرتا ہے اسی طرح آئمہ معصومین کے جملہ حالات زندگی جو کسی خاص مکان سے اختصاص کا پہلو رکھتے ہیں غلط ہو جائیں گے پس ہجرت معراج غدیر خیبر حج ترک وطن قید مسافرت بلکہ ولادت و شہادت کے تمام واقعات سے ہاتھ دھونا پڑیگا لہذا صحیح عقیدہ یہی ہے کہ یہ صفت صرف اللہ کی ہے۔ اور وہ اپنے خاصان کو جتنی جگہوں پر ایک وقت میں حاضر کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

(۲) **خلق و رزق**:۔ علماء کو بدنام کرنے کے لیے اس مسئلہ کو بھی کافی حد تک اچھالا جاتا ہے حالانکہ شیعہ عقیدہ اس مسئلہ میں صاف ہے کہ خالق و رازق صرف اللہ ہے اور محمدؐ و آل محمدؐ واسطہ ہیں بایں معنی کہ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ کے مفہوم کے مطابق اگر یہ نہ ہوتے تو نہ کوئی مخلوق ہوتا نہ مرزوق اور آئمہ کو خالق و رازق کہنے والوں پر خود ائمہ نے لعنت بھیجی ہے نیز سوچنے کے قابل بات ہے کہ اگر یہ خالق ہوں تو ان کی شہادت سے انکار لازم آئے گا کیوں کہ مخلوق اپنے خالق کو کیسے ذبح کر سکتی ہے مرزوق اپنے رزق کا پانی کیسے بند کر سکتے ہیں؟ ہم نے مقدمہ تفسیر کے باب تفویض میں اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

(۳) **مسئلہ علم غیب**۔ علماء کو عوام کی نظروں میں وہابی ثابت کرنے کا یہ بھی ایک حربہ ہے حالانکہ بعض علمائے اعلام کو بدنام کرنے والوں کا اپنا عقیدہ بھی وہی ہے جو علما کا ہے کہ علم غیب صرف اللہ کا ہی خاصہ ہے اور جن باتوں کو عوام تک پہنچانے کی ضرورت ہے ان کو ائمہ طاہرین خدا کے ذریعہ سے جانتے ہیں چنانچہ اخبار شہید جولائی سنہ ۶۶ میں علماء مدرسین پر کیچڑ اچھالنے کے بعد علماء کی توہین کے علمبردار نے آخر میں اپنا عقیدہ بھی اسی قسم کا

ظاہر کیا ہے اور عوام کو دھوکہ دینے کے لیے ائمہ کے متعلق علم غیب کا دعویٰ کرنے کے باوجود اپنے ایک کتابچے میں جہاں تمام امہات ائمہ کو بتول ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے وہاں حضرت شہر بانو کے بیان میں ایک روایت درج کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا میرے حسن و حسین میں سے جس کے گھر ایسی عورت آئے گی جو ہر رات باکرہ ہو گی اس کی نسل سے امامت تاقیامت رہیگی اور امام حسن علیہ السلام کی کثرت ازدواج کی یہی وجہ ہے کہ آپ کو ایسی عورت کی تلاش تھی جو ہر رات باکرہ ہو پس ایک سے شادی کر کے جب اس کو باکرہ نہ پاتے تھے تو اس کو طلاق دیکر دوسری عورت نکاح میں لاتے تھے وعلیٰ ہذا القیاس حتیٰ کہ جب امام حسین کے گھر میں شہر بانو آئیں تو انہوں نے اپنے بھائی امام حسنؑ کو بتایا کہ آپ کوشش ترک کردیں کیونکہ وہ عورت میرے گھر میں آچکی ہے تب امام حسن کو تسلی ہوئی کہ امامت امام حسین کی اولاد میں منتقل ہو گی۔

اگر اس قسم کی روایت علمائے اعلام میں سے کسی نے ذکر کی ہوتی تو جہلا کی جانب سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی ان کو گردن زدنی قرار دیا جاتا اور ان کے وہابی ہونے کے لیے اسے ایک بڑا ثبوت سمجھا جاتا لیکن علما اعلام کو بدنام کرنے والے جو کچھ کہہ دیں قابل گرفت نہیں۔

ذرہ گریبان میں جھانک کر دیکھیں ● کہ امام حسن کا علم غیب کہاں گیا تھا کہ باکرہ عورت کی تلاش میں ہر رات نئی شادی کی خواہش میں رہتے تھے ● رسالتمآبؐ نے اپنے صحابہ کے سامنے جب اپنے بارہ جانشین نام لے کر گنوائے تھے اور صحابہ نے ان کو نام بنام یاد بھی کر لیا تھا حتیٰ کہ جابر نے امام محمد باقرؑ کو حضرت رسالتمآبؐ کا پیغام و سلام بھی دیا تھا کیا امام حسن کو علم غیب تو بجائے خود فرمانِ رسالت بھی معلوم نہ تھا کہ نو امام کس کی اولاد سے ہونگے حالانکہ جابر جیسے عام آدمیوں کو یاد تھا ● کیا امام حسن کو یہ گوارا نہیں تھا کہ امامت حسینؑ کی اولاد میں جائے ● کیا کثرت طلاق کے لیے یہ روایت باعث جواز بن سکتی ہے؟

عقیدہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس قسم کی روایت کو جس کسی کتاب میں ہے اُسی کی زینت بنے دیا جائے۔ ایسی باتوں کو قبول کرنے کی عقیدۂ مذہب ہرگز اجازت نہیں دیتا اور بارہ اماموں کی امامت کا اعتقاد رکھنا جب ایمان کی شرط ہے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس واضح امر کو خود امام نہ جانتا ہو اور روایت ذکر کر کے خاموشی اختیار کرنا اس روایت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہوا کرتا ہے خصوصاً جب کہ روایت بھی تائید مطلب کے لیے ذکر کی جارہی ہو جناب شہر بانو کو بتول ثابت کرنے کے شوق میں امام حسن کو امامت کی معرفت سے بیگانہ ثابت کر دیا حالانکہ اس سے اس کے مقصد کو ذرہ بھر بھی تقویت نہیں پہنچی جس کے لیے اس کو ذکر کیا ہے کیونکہ ہر رات عورت کا باکرہ ہونا اور بتول ہونا نہ ایک دوسرے کے مترادف ہیں نہ لازم و ملزوم اور نہ لزوم میں ایک دوسرے کے شریک بہرکیف بزن سے وہی نکلتا ہے جو اس میں ہوا کرتا ہے

میرا مقصد یہ نہیں کہ کسی پر طعن کروں مجھے تو ایسے لوگوں کی افسوسناک روش پر رونا آتا ہے جو حقائق کو سمجھ کر خواہ مخواہ ایک سیدھی سادی بات کو عوام کی نظروں میں الجھا کر علمائے اعلام کے خلاف محاذ تیار کرنے میں وقت ضائع کرتے ہیں اور غالباً یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اہل علم کی مخالف جماعت کے اکثریتی جذبات سے کھیل کر منبر کی اجارہ داری کو برقرار رکھا جائے اور طرہ یہ کہ مشافہانہ گفتگو کے موقعہ پر صاف صاف اعتراف ہوتا ہے کہ یہ بحث صرف لفظی ایر پھیر ہے ورنہ درحقیقت ہمارا وہی عقیدہ ہے جو علما کا ہے لیکن ایمانی جرات اتنی نہیں ہے کہ اس بات کا اعلان کیا جائے کیونکہ ڈر ہے کہ کہیں وہابی نہ کہہ دیا جائے ورنہ منبر کی مقبولیت سلب ہو جائیگی لیکن یاد رہے کہ یہ دو رُخی چال انشاء اللہ زیادہ دیر تک نہ چلیگی آخر اس کا بھانڈا پھوٹ کر رہیگا اور دنیا سمجھ لیگی کہ علمائے اعلام کی آواز صدائے حق تھی اور ان کے خلاف ہنگامہ آرائی صرف اپنی جہالت دھاندلی اور بے راہ روی پر پردہ ڈالنے

کا ناپاک بہانہ تھا جن ذاکرین حضرات کے لیے علماء کا وجود پہلے سے ہی خارِ چشم تھا مدعیان علم کی یہ چال ان کو خوب بھائی اور من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو کے
مقولہ کو پیش نظر بعض تقدس صفت انسان جو گانے والے ذاکرین کا وجود دیکھ برداشت نہ کر سکتے تھے اب وہی علماء کی دشمنی میں اندھے ہو کر انہی کے
حق میں قصیدہ خواں نظر آتے ہیں۔

بہر کیف مذہب شیعہ کا عقیدہ یہی ہے کہ علم غیب صرف اللہ کے پاس ہے جیسے کہ قرآن مجید کا متعدد آیات میں اعلان موجود ہے اور آئمہ اس
قدر جانتے ہیں جس قدر خدا نے ان کو علم عطا فرمایا اور خدا نے ان کو تمام عالمین میں سے علم و فضل میں ممتاز فرمایا ہے ان کے برابر مخلوق میں کوئی عالم نہیں
خواہ کوئی نبی ہو یا غیر اور ہم اسی تفسیر کی مختلف جلدوں میں متعدد مقامات پر اس مسئلے کو پہلے بھی واضح کر چکے ہیں اور آئندہ بھی آیات متعلقہ کے ضمن میں بیان ہوتا
رہیگا ایک ظاہری اور عام قابل قبول عقلی انداز سے ہم اس کی وضاحت تفسیر کی چوتھی جلد صـ۸۶ تا ۸۹ میں کر چکے ہیں جس پر غور کرنے سے بہت خدشات ذہنی الجھن دور ہو سکتی ہے

(۴) **مسئلہ موت و حیات** شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ خدا مارتا اور جلاتا ہے اور قرآنی فرامین اس پر صریحی دلالت کرتے ہیں خواہ ان فرائض کی انجام دہی ملائکہ کے ذریعے
سے ہو یا کسی اور طریقہ سے اور بصورت اعجاز ائمہ سے کسی بات کا صدور ان کے فعل ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ ان کے مقبول بارگاہ کردگار ہونے کی علامت ہے۔

ائمہ کا مقام: بعض جہلا بات بات پر یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ فرشتے کر سکتے ہیں تو امام کیوں نہیں کر سکتے ہوا فرشتہ چلاتا ہے بادل فرشتہ چلاتا ہے
مینہ پر وہی متعین ہیں وغیرہ تو ائمہ کیوں نہیں کر سکتے ہیں یہ ایک بیہودہ خیال ہے جس کا جواب خاموشی ہی بہتر تھی لیکن عوام کو گمراہ کرنیکا چونکہ یہ بھی ایک حربہ ہے لہذا اس کی
وضاحت ضروری ہے۔ فرائض و خدمات ہر انسان کے اپنی اپنی حیثیت سے ہوا کرتے ہیں اور اختیارات کی وسعت فرائض و خدمات کی اہمیت کے پیش نظر ہوا کرتی ہے ایک سپاہی کا ذمہ
جتنا ہے اس کا اختیار بھی اتنا ہے اور تھانیدار کا ذمہ جس قدر ہے اس کا اختیار بھی اس مقدار سے ہے اب ایس پی آئی جی وغیرہ کے فرائض و اختیارات کا جائزہ لیجئے چپڑاسی
کلرک اور افسر کے فرائض و اختیارات میں فرق دیکھیے پھر حکومت کے ہر محکمہ میں ملازمین کے حیثیت بہ ترتیب فرائض و اختیارات پر نظر دوڑائیے تو اس مطالعہ سے یہ اندازہ خوب ہوگا کہ علمی عہدہ
غیر علمی ڈیوٹی سے بدرجہا افضل ہے اور صاحب کمال کے فرائض و اختیارات ناقص کے مقابلہ میں اہم و اتم ہوا کرتے ہیں محکموں کے اندر ہزارہا کارخانے الگ الگ قسم کے ہوا کرتے
ہیں لیکن حکومت کا سربراہ ہر کارخانہ کے سربراہ یا دیگر عہدہ داروں سے بدرجہا افضل ہوتا ہے اور وہ اقتدار اعلیٰ کی حیثیت سے اختیار اعلیٰ کا حامل ہوا کرتا ہے
چونکہ کائنات میں دو نظام رائج ہیں ایک نظام تکوین (سلسلہ موت و حیات اور خلق و رزق وغیرہ) دوسرا نظام تشریع
سرکار محمدؐ و آل محمدؐ نظام تشریع کے سربراہ ہیں۔ اور نظام تکوین میں ہمارے وسیلہ و شفیع اور
سبب فیض وجود ہیں۔ پس نظام عالم میں حکومت الٰہیہ کیجانب سے ہزارہا بلکہ کروڑہا قائم کردہ محکمے اور کارخانے مثلاً محکمہ آبپاشی دریا چشمے بادل بارش وغیرہ
محکمہ زراعت سبزی پھل پھول اگانا وغیرہ محکمہ بادرانی اور محکمہ ضیا باری وغیرہ اپنے اپنے فرائض کی بجاآوری میں مشغول ہیں بادل بارش ہوا روشنی وغیرہ محکمہ جات خداوند عالم کی
سربراہی اور محمدؐ و آل محمدؐ کی شفاعت سے برابر جاری ہیں اب یہ کہنا کہ فرشتہ ہوا چلاتا ہے بارش برساتا ہے بادل لاتا ہے اور سبزیاں وغیرہ اگاتا ہے
تو ائمہ یہ کام کیوں نہیں انجام دے سکتے انتہائی حماقت ہے اور ائمہ کی ناقدر شناسی ہے کیونکہ جسطرح فرشتے باذن پروردگار یہ امور سرانجام دیتے ہیں ائمہ بھی باذن پروردگار یہ کام کر
سکتے ہیں لیکن ایسا کرنے میں انکی عظمت و رفعت نہیں باقی رہتی غلام کی ڈیوٹی آقا انجام دے سکتا ہے لیکن اس میں اس کا کمال نہیں بلکہ گراوٹ سمجھی جاتی ہے پس ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ
محمدؐ و آل محمدؐ سب کائنات میں اللہ کی سب مخلوق سے افضل و برتر ہیں اور تکوینی نظام چلانیوالے ملائکہ سب انکے غلام ہیں محمدؐ و آل محمدؐ کی نبوت یا ولایت کا رتبہ اجل ہے اس سے کہ وہ علمی
عہدہ کے حامل ہو کر جزوی نچلی فرائض کو بھی خود انجام دیں

(۵) **معجزہ** - عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا یہ بھی ایک بہانہ تراشا گیا ہے کہ معجزہ فعل خدا ہے یا فعل معصوم اس قسم کی بحثیں بالکل لغو اور فضول ہیں مقصد عوام کو ان کا ر بنانے اور انکو علمائے منحرف کر کے اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے منبر کے ٹھیکیدار گندم نما جو فروش تاجران اسلام نے اپنی ذاتی اغراض کی خاطر اس کو اچھالا ہے ورنہ اگر سوچا جائے تو ہر دو پہلو معصوم کی عظمت کی نشان ہیں کیونکہ اگر اسے فعل خدا مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ائمہ طاہرین خدا کی بارگاہ میں اس عظمت کے مالک ہیں کہ جب یہ چاہتے ہیں خدا کر دیتا ہے یعنی مشیت ایزدی انکی خواہش سے مختلف نہیں اور ان کی خواہش مشیت خداوندی سے الگ نہیں اور اگر ان کا فعل کہا جائے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ خدا نے ان کو وہ رتبہ عطا کیا ہے اور اتنی طاقت دی ہے کہ جب یہ چاہتے ہیں تو خارق عادت چیز منصۂ شہود پر رونما ہو جاتی ہے۔ **وضاحت** : نظام کائنات میں ادنیٰ سے اعلیٰ تک مراتب و مدارج ہیں اور ہر درجہ و رتبہ اپنے مخصوص افعال خصوصی کا حامل ہے اور پروردگار عالم نے ادنیٰ و اعلیٰ کی سرشت میں افعال ودیعت کر رکھے ہیں جو انکے ذاتی جوہر کے تابع ہیں مثلاً جماد نبات حیوان اور انسان کے الگ الگ مراتب ہیں نبات کی خوبی جماد میں نہیں اور حیوان کی خصوصیت سے نبات محروم ہے اسیطرح انسانی جوہر سے ہر وہ ہر تہی دست ہیں نبات کا بڑھنا پھیلنا اور پھولنا اسکی سرشت میں داخل ہے لیکن یہ معجزہ نہیں ہے بلکہ اس کا چلنا معجزہ ہوگا جو کہ اسکی ذاتی مقتضا سے باہر ہے اور حیوان کا چلنا پھرنا اسکی ذاتی اقتضا ہے لیکن معجزہ نہیں اور انسان کا بولنا اور معقولات کو جاننا انکی سرشت ہے نہ کہ معجزہ پس معجزہ وہی ہوگا جو کہ انکی ذاتی اور عادی رفتار سے باہر ہے پرندے کے لیے اڑنا معجزہ نہیں لیکن انسان کا پرواز کرنا معجزہ ہوگا اسیطرح حاملین روح نبوت و ولایت اسی ترتیب کے ماتحت ایک ایسا جوہر اپنے اندر رکھتے ہیں جو عالم انسانی سرشت سے بالاتر خصوصیات و مقتضیات کا حامل ہوتا ہے پس جسطرح عام انسان کا بولنا چلنا پھرنا وغیرہ انکی عادی رفتار ہے کہ اگر حیوان کو شعور دیا جاتا تو وہ انسان کے اس کمال کو معجزہ سے ہی تعبیر کرتا بلکہ بہت سے انسانی کارنامے ایسے ہیں جن کو انسان اپنی عادی رفتار سمجھ کر ملتفت نہیں ہوتا لیکن جو مخلوق اس کمال سے محروم ہے ان کے لیے یہ معجزہ کی حیثیت رکھتے ہیں پس اسیطرح نبی یا ولی سے بعید نہیں کہ وہ ایک ایسی قوت کے مالک ہوں جس کے ماتحت ان کے بعض افعال عام انسانی روش کے لحاظ سے معجزہ ہوں لیکن نبی یا ولی کے لیے وہ ذاتی و عادی ہوں اسی بنا پر جناب پیغمبر کا پشت کے پیچھے دیکھنا معجزہ نہیں بلکہ ان کا عادی فعل ہے سوتے ہوئے غافل نہ ہونا ان کا معجزہ نہیں بلکہ ان کی عادی رفتار ہے پسینہ کا خوشبودار ہونا فضلات کو زمین کا نگل جانا جسم پر مکھی کا نہ بیٹھنا اور بادل کا سایہ وغیرہ یہ سب ان کے عادی افعال ہیں جو ان کے ذاتی مختصات سے ہیں ایسے افعال خود ان کے لیے معجزہ نہیں ہیں لیکن عالم انسانی عقول کے لیے چونکہ خارق عادات ہیں لہذا معجزہ ہیں اور اس کے برخلاف وہ افعال جو نبی یا ولی کی عادی رفتار سے باہر ہیں اور عوام پر ان کے نبی یا ولی ہونے کے ثبوت میں پروردگار نے خارق عادت امور کو معرض ظہور میں پیش فرمایا ہے وہ معجزہ ہے اور فعل خدا جن کے لیے بھی معجزہ اور عوام کے لیے بھی معجزہ کہلاتا ہے مثلاً قرآن مجید یہ کلام مقدس جناب رسالتمآبؐ کا عادی کلام نہیں ہے بلکہ بطور معجزہ پروردگار عالم نے فصحاء و بلغاء عرب سے انکی نبوت تسلیم کرانے کیلیے انکو عطا فرمایا ہے پس وہ فعل نبی نہیں بلکہ فعل خدا ہے لہذا اسکو کلام نبی کہنا ناجائز ہے اور کلام اللہ کہنا واجب ہے اسی طرح معراج حضرت رسالتمآبؐ کا عادی سفر نہیں بلکہ عالم بالا کی قدسی مخلوق پر ان کی شان واضح کرنے کے لیے خدا نے انکو بلایا پس وہ خود نہیں گئے بلکہ خدا ان کو لے گیا جیسے ارشاد فرماتا ہے اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ الآیۃ اور ناقہ صالحؑ اور عصائے موسیٰ اسی قسم سے ہیں کہ حضرت صالحؑ کی نبوت کی تصدیق کے لیے خدا نے پتھر سے ناقہ پیدا کی جو ان کا معجزہ کہلایا اور حضرت موسیٰؑ کی تصدیق کے لیے خدا نے ان کے عصا کو سانپ بنا دیا جو معجزہ کہلایا اور یہی وجہ تھی کہ خود حضرت موسیٰؑ کے دل میں خدا نے خوف ڈالدیا کیونکہ اگر وہ خود خوفزدہ نہ ہوتے تو دنیا والے اس کو فعل موسیٰ کہتے اور معجزہ کی حیثیت ختم ہو جاتی۔

بہرکیف قوم کے حبیب تراش اور دین و دنیا کے لٹیرے ملاؤں نے عوام کو علمائے اعلام کیخلاف بھڑکانے میں اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہیں اٹھا رکھی لیکن انشاء اللہ علمائے اعلام سیرت انبیاء و ائمہ کے پیش نظر صبر و ضبط سے کام لیکر اپنے کام کو جاری رکھیں گے اور مدارس دینیہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب ہو گی حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہوگا یہ طوفان بدتمیزی حق کی مضبوط چٹانوں سے ٹکرا کر خود ہی ختم ہو جائیگا اور اس کی فضا میں اٹھتی ہوئی لہریں خود بخود نیست و نابود ہو جائیں گی۔

حق کے دوست اور باطل کے دشمن ابھی تک موجود ہیں اللہ کی رحمت حق والوں کے سر پر ہے تا بیت کے نام سے علماء کو خطاب کرنیوالے اور ان کو بدنام کر کے اپنی ہوس کا الو سیدھا کرنیوالے بیشک عوام کے جذبات سے کھیلیں اور علماء کو کوستے رہیں ان پر کوئی رحم نہ کریں خدا خود ہی انکا محاسبہ کریگا اور حق پرست طبقہ علماء اعلام دوران جیب تراش ایمان فروش ملاؤں کے

* حاشیہ

۵۱ مذکورہ بالا بیان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نبی یا امام کی کوئی علیحدہ نوع ہے نہیں بلکہ وہ نوع انسانی کے ہی اکمل افراد ہیں جو تفاوت ہم نے ذکر کیا ہے وہ ہر نوع کے افراد میں بھی موجود ہے۔ جیسے عالم کے بعض افعال جاہل کو بظاہر معجزہ معلوم ہوتے ہیں اور بالغ آدمی کے افعال ایک طفل غیر ممیز کو۔ و عکذا

درمیان نمایاں فرق محسوس کرنے کے بعد خود ہی حق کا ساتھ دیں گے ان کے منہ میں لگام دینے میں کامیاب ہوگا جس طرح عام مسلمان شیعہ گروہ کو ایک انتہائی غیر مہذب اور اخلاق سے بیگانہ قوم سمجھے ہوئے تھے کیونکہ ملاؤں نے ان کے سامنے شیعہ عقاید و اعمال ایسے بھدے رنگ میں پیش کیے تھے جس سے حیاء و شرم سرگریباں نظر آتا تھا لیکن جوں جوں شیعہ کردار منظر عام پر آنے لگے اور شیعہ معتقدات آل محمد کے وکلا کے ذریعہ سے منصہ شہود پر ظاہر ہونے لگے تو اکثر لوگوں کے اذہان ان غلط فہمیوں سے بچ گئے جو ملاؤں کے ذریعہ سے پھیلائی جا چکی تھیں اور رأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً کے مضمون کے مطابق لوگ جوق در جوق مذہب شیعہ میں داخل ہوتے چلے گئے۔

اسطرح منبر حسینی پر مسلط گروہ نے عوام مومنین کو چونکہ مدت سے اپنی ہوس کا شکار بنایا ہوا تھا اور ہر جائز و ناجائز طریق سے انکی دولت و ایمان پران کا پہرہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ عوام کو دین و مذہب سے جس قدر دور رکھا جائے گا وہ اسی قدر زیادہ سے زیادہ خدمت کریں گے اسی لیے انہوں نے گناہوں سے بخشش کے لیے ذہن نشین کر رکھا تھا کہ نماز روزہ و دیگر اعمال شرعیہ کی کوئی ضرورت نہیں بس علی علی کرو اور سیدھے جنت میں جاؤ یہ نعرہ اس وقت برمحل تھا جب کہ بالعموم لوگ ولائے علی سے بیگانہ تھے پس فروع کی تعلیم سے اصول کا درس ان کے لیے اہم و ضروری تھا جس طرح کہ ابتدائے اسلام میں شرک سے نجات دلانے کے لیے جناب رسالتمآب نے فرمایا تھا قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا کہ توحید کا اقرار کرو اور سیدھے جنت میں جاؤ۔ لیکن جب لوگ شرک سے بچ گئے تو ان کی نجات کا ذمہ دار اعمال کو قرار دیا گیا اسی طرح اب جب کہ لوگ ولائے علیؑ کے علم کے نیچے جمع ہو چکے ہیں تو ان کو اعمال کے بتانے کی ضرورت ہے اور وہ شریعت جس کے علیؑ اور اولاد علیؑ پاسبان تھے شیعوں کو اب اس [illegible] شناس کرانے کا وقت ہے اور شیعیت کی اب اس سے بڑھ کر اور کوئی خدمت نہیں ہے۔ بفضل خدا اب علماء کی کثرت ہے جو آل محمد کی تعلیمات کو پھیلانے میں شب و روز محو عمل ہیں اگرچہ چمگادڑ کبھی سورج کے وجود کو پسند نہیں کرتا تاہم سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ افق عالم پر طلوع کر کے روشنی پھیلاتا رہتا ہے اور چمگادڑ کے لیے سوائے جان چھپانے کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا پس علوم آل محمد کی نشرگاہیں سورج بنکر چمکتی رہیں گی اور حاسدین اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دم بخود ہوں گے۔ خداوند کریم علما کا سایہ برقرار رکھے اور عوام کو ان سے مستفید ہونے کی ہمت دے اور ناخدا ترس ملاؤں کی گیدڑ بھبھکیوں زہریلے پروپیگنڈوں اور اخلاق سوز ہتھکنڈوں کے سمجھنے کی قوم کو توفیق دے۔

آخر میں میں پوری قوم سے اپیل کرتا ہوں کہ دین فروش علمائ سے اجتناب کریں اور علمائے اعلام سے پورا پورا تعاون کریں تاکہ آل محمد کے علوم منظر عام پر آئیں اور جہالت کی تاریکیاں بہت جلد ختم ہوں۔ لہذا مدارس دینیہ کی دل کھول کر امداد فرمائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ قوم کے نونہال فیض یاب ہو کر قوم کو مذہب و شعائر مذہب کا صحیح درس دے کر خوشنودی پروردگار اور رضامندی محمد و آل محمد کا پروانہ حاصل کریں۔

جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے جو گیارہ برس سے علمی خدمات انجام دے رہا ہے اور انتہائی پس ماندہ علاقہ میں واقع ہونے کے باوجود نہایت خوش اسلوبی سے مدارج ترقی طے کرتا جا رہا ہے کسی رئیس یا نواب کی دولت کا سایہ اس کے سر پر نہیں۔ لہذا تمام افراد ملت خصوصاً دینی درد اور مذہبی جوش رکھنے والے مخیر حضرات کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس درس گاہ کی دامے درمے قدمے سخنے امداد فرما کر اس کی پریشانیوں کو دور فرما دیں اور اس کی بنیادوں کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کریں تاکہ موجودہ حالت سے بڑھ کر علمی خدمات انجام دے سکے یہ یاد رہے کہ زیر نظر تفسیر انوار النجف اس مدرسہ کی خدمات میں سے ایک اہم اور قابل قدر پیشکش ہے جس کی یہ ساتویں جلد آپ کے سامنے ہے۔ والسلام

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

قارئین کرام

دور حاضرہ کے لادینیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے بچنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو وہ ہے آل محمد سے دلچسپی رکھنا اور اپنے نونہالوں کو دینی تعلیم سے بہرہ ور کرنا اور دینی کتب کا مطالعہ کرنا جو لوگ اردو پڑھ سکتے ہیں ان کے لئے

تفسیر انوار النجف

کا مطالعہ دینی حس کی بیداری کا کفیل ہے لہذا اس تفسیر
کا خود مطالعہ کیجئے اور اپنے بچوں بچیوں
کو اس کے مطالعہ کا حکم دیجئے اور
اپنے حلقہ اثر میں اسکی توسیع
اشاعت کر کے علوم
قرانیہ کی ترویج
کیجئے

:- ملنے کا پتہ :-

منیجر مکتبہ باب النجف جاڑا ڈاکخانہ خاص ضلع ڈیرہ اسماعیل خان
مولانہ غلام حیدر صاحب مدرس دارالعلوم محمدیہ سرگودھا
جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

جامع علمیہ باب النجف
میں اپنی رقوم خیرات از
قبیل خمس و زکواۃ وغیرہ بھیج کر
اس ادارہ کی سرپرستی فرمائیے تا کہ یہ
ادارہ زیادہ سے زیادہ قومی خدمات انجام دے سکے

ترسیل زر کا پتہ

پرنسپل جامعہ علمیہ باب النجف

جاڑا ڈاکخانہ خاص ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

ANSAR
maablib.org